دید بازی عجبی کشته نازی عجبی — سینه سوزی عجبی محرم رازی عجبی

انبیا راست بتو ربطه راز و نیاز — ز فردانی عجبی محرم رازی عجبی

زایر روضه گلگشتِ زیارت می گفت — این فضائی عجبی رنگ و طرازی عجبی

یک نظر دید خطا ها نظر دور انداخت — نکته سنجی عجبی نکته نوازی عجبی

سرخوشِ بادهٔ توحید و سر مستان — هوشیاری عجبی مست نیازی عجبی

سجده کردم بدرِ شاه و شنیدم آواز — سجده گاهی عجبی جای نمازی عجبی

شب معراج خدا گفت بحضرت عثمان

من نیازی عجبی تو به نیازی عجبی

العاصمه نقل از اخبار سیاست ۱۸ اگست ۱۹۲۷

به سر پای احمد سر که پای صد وقار اینجا — زر اینجا گوهر اینجا حشمت اینجا افتخار اینجا

بطیبه چون در آیم پا بنه زان شوق [illegible] — من اینجا بندگی اینجا اجل اینجا قرار اینجا

ز داغ عشق سرور سینه گلزار ارم دارم — گل اینجا لاله اینجا سنبل اینجا نوبهار اینجا

زهی مستی که باشد در خیال ساقی کوثر — خم اینجا جام اینجا می اینجا سرور اینجا خمار اینجا

نه باشد جای من جز آستان مصطفی عثمان

سر اینجا سجده اینجا بندگی اینجا قرار اینجا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچۂ سیرۃ نبوی مجلّد دوم

سیرۃ نبوی مجلّدِ اوّل ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۸ء) کے اواسط مین شائع ہوئی تھی، اب مجلّد دوم ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) کے اواسط مین شائع ہوتی ہے۔ شائقین کا تقاضا ہے کہ جلد سے جلد اس کی جلدین شائع ہوتی رہین، لیکن شاید ان مشکلات کا ان کو علم نہین جو عالمگیر جنگ نے زندگی کے ہر شعبہ مین پیدا کردی ہین، گو ایک سال سے زیادہ ہوا کہ جنگ کا عملاً خاتمہ ہوگیا، لیکن با این ہمہ حقیقت یہ ہے کہ صلح کا آغاز نہین ہوا، اور اس خاتمۂ جنگ سے زندگی کے مشکلات مین ایک ذرہ کمی نہین ہوئی، جلد اوّل کے تکلیف دہ تجربہ کے بعد یہ طے کرلیا گیا تھا کہ دوسری جلد خود مطبع معارف مین چھپے گی، لیکن مشکل یہ تھی کہ ہمارے پاس مشین نہ تھی، بڑی تلاش وجستجو سے مشین ہاتھ آئی، تو کاغذ کا قحط نظر آیا، جلد اول مین جن اصناف کے کاغذ لگ چکے تھے، اُن کا ملنا دشوار ہوگیا، دیسی کاغذ کے ۲۰۰ ریم بھی بیک وقت نہ ملسکے، یہ دِقت کسی طرح ختم ہوئی تو لوح (ٹائٹل پیج) کے کاغذ کی مشکل پڑی، لکھنؤ سے لیکر کلکتہ اور بمبئی تک کے کارخانے چھان مارے گئے مگر خاطر خواہ کاغذ دستیاب نہ ہوا، آخر جو بھی مل سکا اور جسطرح بھی بنا یہ جلد اختتام کو پہنچی، والحمد للہ علی ذالک۔

پہلی جلد نبوت کے پر آشوب عہد غزوات پر مشتمل تھی، اور دوسری جلد نبوت کی سہ سالہ امن کی زندگی کی تاریخ ہی، نبوت کی بست و سہ ۲۳ سالہ زندگی مین پہلی جلد بیس۲۰ سال کے کارنامون کا مجموعہ تھی، اور یہ جلد بقیہ آخری تین سال کے واقعات کا ذخیرہ ہے، اور اس کے بعد اخلاق وشمائل شریفہ اور ازواج مطہرات واولاد کرام کا تذکرہ ہے۔

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد جب اس جلد کا تمام قلمی سرمایہ میرے ہاتھ آیا تو مجھے اس مین بہت سے ابواب کی کمی محسوس ہوئی، جن کے اضافہ کے بغیر یہ جلد ناتمام نظر آتی تھی، لیکن مصنف کے مسودہ مین اضافہ کی ہمت نہین ہوتی

تھی، آخر کار مدت کے حیص بیص کے بعد مین نے طے کر لیا کہ ان کو لکھنا ہی چاہیے، چند روز کے بعد مجھے اتفاقاً مولانا کے ہاتھ
کی ایک یادداشت ملی، جو وفات سے پانچ ماہ پیشتر ایک سفینہ مین لکھی تھی، اُس کا عنوان **"یادداشت اخیر"** تھا،
اُس یادداشت کو پڑھ کر میری مسرت کی انتہا نہین رہی جب مین نے یہ دیکھا کہ جن ابواب کو مین ضروری سمجھتا تھا مصنف
مرحوم نے بھی اپنی آخری یادداشت مین انکا اضافہ ضروری قرار دیا تھا، اور گویا وہ ایک وصیت نامہ تھا، جس کو فرشتۂ
غیب نے اُن کے دست وقلم سے میری تسلّی کے لیے پہلے ہی لکھوا دیا تھا۔

حلِ این عقدہ ہم از روے نگار آخر شد

اخلاق کے باب کو مصنف مرحوم نے تکمیل کو نہین پہنچایا تھا۔ بہت سے عنوانات سادہ تھے۔ بہت سے عنوانات
کو شروع کر کے آیندہ اضافہ کے لیے ناتمام بصورتِ بیاض چھوڑ دیا تھا، جامع نے ان کو لکھکر بطور تکملہ کتاب مین شامل
کر دیا۔ بہت سے ضروری حواشی بھی جابجا بڑھائے گئے ہین۔ چنانچہ جیسا کہ جلد اول کے دیباچہ مین ذکر کر دیا گیا ہے۔ اضافہ
اور تکملہ اور حواشی کی تمام عبارتین ہلالین کے اندر کر دیگئی ہین، تاکہ مصنف اور جامع کی عبارتین باہم مختلط ہونے پائین۔

جامع

سید سلیمان ندوی

فہرست مضامین سیرۃ النبیؐ حصۂ دوم

آنحضرت صا

اسلام کی امن کی زندگی

سنہ ۹ھ سنہ ۱۰ھ و ۱۱ھ

قیام امن، اشاعتِ اسلام، تاسیس خلافت، اور تکمیل شریعت،

قیام امن

گذشتہ ابواب[1] کے پڑھ لینے کے بعد یہ حقیقت محتاجِ بیان نہین رہتی کہ اس وقت تک گو فطری صلاحیت و استعداد کے رُو سے عرب کا ذرہ ذرہ ستارہ تھا لیکن وہ کسی ایک نظام شمسی کے تابع نہ تھا، تمام جزیرۂ عرب، ایک واحد ملک، اور ایک متحد قوم تھا، تاہم نہ تو کبھی تاریخ نے اس کے ملکی و قومی اتحاد کا نشان دیا، اور نہ سیاسی حیثیت سے کسی زمانہ مین تمام عرب ایک پرچم کے نیچے جمع ہوا، جس طرح گھر گھر کا الگ الگ خدا تھا، اُسی طرح قبیلہ قبیلہ کے جُدا رئیس تھے، جنوبی عرب مین حمیری اَذْوَاء، اور اَقْیَال کی چھوٹی چھوٹی ریاستین تھین، شمالی عرب مین، بکر، تغلب، شیبان، ازد، قضاعہ، کندہ، لخم، جذام، بنو حنیفہ، طے، اسد، ہوازن، غطفان، اوس، خزرج، ثقیف، اور قریش وغیرہ کی الگ الگ ٹولیان تھین، جو دن رات باہمی خانہ جنگیون مین مبتلا رہتی تھین، بکر و تغلب کی چہل سالہ جنگ کا ابھی ابھی خاتمہ ہوا تھا، کندہ اور حضرموت کے قبایل کٹ کٹ کر فنا ہو چکے تھے، اوس، و خزرج لڑ لڑ کر اپنے ایک ایک سردار کو کھو چکے تھے خاص حرم، اور اشہر حرم مین بنو قیس اور قریش کے درمیان حربِ فجار کا سلسلہ جاری تھا، اور اس طرح تمام ملک

---

[1] پورا باب اضافہ، از صفحہ ۱ تا صفحہ ۸

معرکۂ کارزار بنا ہوا تھا،

پہاڑون اور صحراؤن مین خود مختار جرائم پیشہ قبائل آباد تھے، تمام ملک قتل، غارتگری، سفاکی خونریزی کے خطرات مین گھرا تھا، تمام قبائل غیر مختتم سلسلۂ جنگ کی زنجیرون مین جکڑے ہوئے تھے، انتقام ثار، اور خون بہا کی پیاس سیکڑون اور ہزارون اشخاص کے قتل کے بعد بھی نہین بجھتی تھی، ملک کا ذریعۂ معاش غارتگری کے بعد فقط تجارت تھی لیکن تجارت کے قافلون کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک گذرنا محال تھا حیرۃ کے عرب بادشاہ اگرچہ شمالی عربستان مین کافی اثر اور اقتدار رکھتے تھے، تاہم ان کا تجارتی سامان بھی عکاظ کے بازارون مین بآسانی نہین پہنچ سکتا تھا، شہور حج عملاً عرب کے مقدس مہینے تھے، بااینہمہ لڑائیون کے جواز کے لیے وہ کبھی بڑھا اور کبھی گھٹا دیئے جاتے تھے

ابو علی قالی نے کتاب الامالی مین لکھا ہے۔

وذلك لانھم کانوا یکرھون ان تتوالی	یہ اسلیے کہ وہ پسند نہین کرتے تھے کہ تین مہینے متصل
علیھم ثلاثۃ اشھر لا تمکنھم الاغارۃ فیھا	اُن پر غارت گری کے بغیر گذر جائین، کیونکہ غارت گری ہی
لان معاشھم کان من الاغارۃ (صفحہ ۱، ج ۱)	اُن کا ذریعہ معاش تھا،

بہت سے جرائم پیشہ قبائل کے ذریعہ معاش کے لیے یہی موسم، موسم بہار تھا، مکہ کے آس پاس اسلم وغفار وغیرہ قبائل آباد تھے، جو حاجیون کا اسباب چُرانے مین بدنام[۱] تھے، طے نہایت ممتاز اور نامور قبیلہ تھا، لیکن دزدانِ طے بھی اپنی شہرت مین اُنسے کم نہ[۲] تھے، سلیک ابن السلکہ اور تابط شرا، عرب کے مشہور شعرا تھے، لیکن اُنکی شاعری کا تمامتر سرمایہ صرف اپنی چوری اور حیلہ گری کے پُر فخر کارنامے تھے،

ملک مین اضطراب اور بدامنی کا یہ حال تھا کہ عبد القیس جو بحرین کا ایک طاقتور قبیلہ تھا، ۵ھ تک مضری قبائل کے ڈر سے اشہر حرم کے سوا اور مہینون مین حجاز کا رُخ نہین کرسکتا تھا[۳]، فتح مکہ کے بعد بھی جب مُلک مین سکون شروع ہوچکا تھا، مدینہ سے مکہ تک سفر خطرناک تھا، اور اب بھی لوگ ڈاکے ڈالتے رہتے[۴] تھے، ہجرت کے پانچ چھ برس کے بعد تک بھی شام کے تجارتی قافلے دن دہاڑے

۱ھ صحیح ... مسلم ... ۲ ... ی باب علامات النبوۃ، ۳ھ صحیح بخاری کتاب الایمان ۴ھ ابوداؤد، کتاب الادب، باب الحذر)

لوٹ لیے جاتے[1] تھے، یہانتک کہ کبھی کبھی خود دارالاسلام کے چراگاہون مین بھی چھاپے مارے جاتے[2] تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب لوگون کو ملک کے امن وامان کی بشارت دیتے تھے کہ ایک زمانہ آئے گا جب صنعاء سے ایک خاتون محمل نشین تنہا سفر کریگی، اور خدا کے سوا کسی کا اُس کو خوف نہ[3] ہوگا، تو لوگون کو تعجب آتا تھا، ۹ھ مین ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرا مال ڈاکوؤن نے لوٹ لیا، آپ نے فرمایا کہ عنقریب وہ زمانہ آئے گا جب مکہ کو قافلہ بے نگہبان کے جایا کرے گا[4]، اتنے بڑے ملک مین صرف حرم کی سرزمین ایسی تھی جہان لوگون کو اطمینان میسر آسکتا تھا، خدا نے قرآن مجید مین اہل مکہ پر اپنا سب سے بڑا احسان یہی جتایا ہے۔

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ	اُن کو چاہیے، کہ اس گھر کے اُس مالک کو پوجین جس نے
جُوْعٍ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ (ایلاف)	اُنکو بھوک مین کھانا دیا، اور بدامنی کو دور کرکے اُنکو امن بخشا،
اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ	کیا یہ نہین دیکھتے کہ ہمنے ایک امن والا حرم اُنکے لیے بنایا، اُسکے
مِنْ حَوْلِهِمْ ط، (عنکبوت)	باہر بدامنی کا یہ عالم ہے کہ اُسکے چارونطرف سے آدمی اُچک لیے جاتے ہین،

خود اسلام کا کیا حال تھا؟ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) عام الحزن کے بعد تین برس تک متصل تمام قبائل کے سامنے اپنے آپ کو پیش کرتے رہے کہ مجھے اپنے امان مین لیکر صرف اتنا موقع دلادو کہ خدا کی آواز لوگون تک پہنچا سکون لیکن کوئی حامی نہین بھرتا تھا، عام مسلمان عرب کی فضا مین سانس تک نہین لے سکتے تھے، تلاش امن کے لیے افریقہ وحبش کے ریگستانون مین مارے مارے پھرتے تھے، جو عرب مین رہ گئے تھے وہ ہدف مظالم گوناگون تھے، قرآن مجید مسلمانون کی اسی حالت کا ذکر ان آیتون مین کرتا ہے،

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ	یاد کرو جب تم ملک مین تھوڑے اور کمزور تھے، ڈرتے تھے
تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ (انفال)	کہ لوگ تم کو اُچک نہ لین،

اسی ملکی شورش اور بے امنی کا یہ نتیجہ تھا کہ ملک مین کوئی تحریک بھی بغیر خود حفاظتی فوجی تدابیر کے کامیاب نہین

---

[1] طبقات ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۶۳ و ۶۴ و ۶۵، [2] دیکھو غزوۂ سویق وغزوۂ غابہ، [3] صحیح بخاری، باب علامات النبوۃ [4] بخاری صفحہ ۱۹

ہوسکتی تھی، سرورِ عالم کا اصلی فرض اسلام کی دعوت تھی اور اُسکے لیے تیغ و خنجر اور فوج و لشکر کی حاجت نہ تھی لیکن ایک طرف تو دشمن حملہ پر حملہ کرتے چلے آتے تھے، اور دوسری طرف ہر جگہ دُعاۃِ اسلام کی جانین معرض خطر مین رہتی تھین، تجارت کے قافلے جن پر اصل مین ملک کی معاش کا دار مدار تھا، غیر مامون تھے، چنانچہ اس قسم کی تفصیلی واقعات غزوات نبوی کے اسباب وانواع مین گذر چکے ہین،

بیرونی خطرات

بہر حال یہ تو ملک کی اندرونی حالت تھی، بیرونی خطرات بھی کچھ کم نہ تھے، ملک کے تمام سرسبز و زرخیز صوبے، روم وفارس دو عظیم الشان طاقتون کے پنجہ مین تھے، تقریباً ساٹھ برس سے ایرانی، یمن، عمان، اور بحرین کے مالک بن بیٹھے تھے، اور اُنکے زیر اقتدار برائے نام عرب رؤسا حکمران تھے، حدودِ عراق مین **آل منذر** کی حکومت کو مٹا کر ایرانیون نے اندرونِ مُلک مین بھی پیش قدمی شروع کر دی تھی، **حجاز** مین اسلام کی جو تحریک پھیل رہی تھی، اُس کو بھی وہ اپنے ہی حدود مین سمجھتے تھے، چنانچہ ۶ھ مین شاہ ایران نے یمن کے ایرانی گورنر کو فرمان بھیجا تھا کہ "میرے غلام کو جو حجاز مین مدعیِ نبوت بنا ہے گرفتار کر کے میرے پاس بھیجدو"

رومیون نے حدود شام پر قبضہ کر لیا تھا، **آل غسان** اور چھوٹے چھوٹے عرب رؤسا جنھون نے مدت سے عیسائی مذہب قبول کر لیا تھا، اُنکی ماتحتی قبول کر لی تھی، ۸ھ کے بعد رومی ان عیسائی رؤسائے عرب کی مدد سے مدینہ پر حملہ کی طیاریان کر رہے تھے، جسکا ظہور واقعۂ تبوک اور موتہ وغیرہ کی صورت مین ہوا۔

یہودیون کی قوت

رومیون نے دوسری صدی عیسوی مین یہودیون سے شام و فلسطین کی برائے نام حکومت بھی چھین لی تھی، اور وہ مجبوراً حدود شام سے قلب حجاز تک پیچھے ہٹ آئے تھے، اور اپنے لیے مدینہ سے شام تک متصل قلعے تعمیر کر لیے تھے، یہ مقامات اُنکے جنگی استحکامات بھی تھے اور تجارتی گودام بھی، قریظہ، نضیر، قینقاع، خیبر، فدک، تیما، وادی القریٰ وغیرہ اُنکی بڑی بڑی چھاونیان تھین، قرآن مجید نے حسب ذیل آیات مین یہودیون کے انھین قلعون کی طرف

۱؎ معجم البلدان یاقوت مین ان مقامات کے حالات پڑھو، ۲؎ کتب مغازی وسیر مین ان کے حالات دیکھو، بخاری مین ابواب قتل کعب بن اشرف و رافع بن خدیج،

اشارہ کیا ہے،

لَا يُقَاتِلُونَكُمْ جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَوْ مِنْ وَرَاءِ جُدُرٍ (حشر) — وہ قلعہ بند آبادیون یا دُھس کے نیچے چھپے بغیر یون مل کر مقابلہ نہین کر سکتے،

وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ (احزاب) — خدانے اُن یہودیون کو جنھون نے ان کی مدد کی تھی اُنکے قلعون سے اُتارا،

زمانۂ قدیم مین مالی کاروبار کی وسعت نے اسپین اور دیگر ممالک یورپ مین اُن کو جس طرح ملک کی پالیٹکس کا خطرناک عُنصر بنا دیا تھا، بعینہ یہی حال اُنکا عرب مین بھی تھا، اِن چند قلعون کے برتے پر وہ اسلام کی قوت کو بالکل خاطر مین نہین لاتے تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو متعدد لڑائیان صرف انکی شرارت سے لڑنی پڑین، بدر مین جب مسلمانون کو فتح حاصل ہوئی تو یہ فخریہ کہتے تھے "بیچارہ مکہ کے قریش لڑنا کیا جانین، مُسلمانون کو ہمارے قلعون سے مقابلہ پڑے تو معلوم ہو"،

غرض عرب کا ملک اس قدر متعدد اور مختلف اندرونی وبیرونی خطرات مین مبتلا تھا کہ اس کی اصلاح و تدبیر کے لیے عام انسانی دست وبازو بیکار تھے، خدا کا غیر مرئی ہات محمدؐ رسول اللہ کی آستین مین پوشیدہ تھا، وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى ہجرت کے بعد آٹھ برس کی متواتر کوششون اور پیہم اصلاحات کا یہ نتیجہ ہوا کہ محال نے امکان بلکہ واقعہ کی صورت اختیار کرلی، عرب کی سیاسی ضعف کا تمامتر راز نا اتفاقی اور باہمی جنگ وجدال مین مُضمر تھا، اور اس نا اتفاقی اور خانہ جنگی کا سبب صرف یہ تھا کہ تمام عرب مختلف خاندانون اور نسلون مین منقسم تھا، تمام ملک کے اجتماع اور اتحاد کے لیے ان مین کوئی مستحکم رشتہ موجود نہ تھا، محمدؐ رسول اللہ صلعم نے تمام عرب کی شیرازہ بندی کیلیے اسلام کا رشتہ قایم کیا، إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (حجرات) اور دفعتہً اس رُوحانی رشتہ نے خون، قرابت، اور نسل کے تار وپود اُدھیڑ دیئے اور صرف ایک کلمہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ کی برقی رو اب تمام عرب کی اتحادی رُوح کو حرکت دے رہی ہے،

خدائے پاک نے قرآن مجید مین اس اجتماع اور اتحاد کے وجود کو اپنی مخصوص نعمت فرمایا،

وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ — خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ تم باہم ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے

بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖٓ اِخْوَانًا (آل عمران) تھارے دلونکو جوڑ دیا، پھر اسکے لطف و محبت سے تم بھائی بھائی بنگئے

خدا نے خود آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو مخاطب کر کے فرمایا کہ محمدؐ! یہ تیرا کام نہ تھا، اس مین خود خداوند مقلب القلوب کا ہات کام کر رہا تھا۔"

ھُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِہٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ ط وَلَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ اِنَّہٗ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ہ

وہ خدا ہی ہے جس نے محمدؐ! اپنی نصرت اور مسلمانون کے ذریعہ سے تجھکو قوت بخشی، اور اُسی نے مسلمانون کے دل باہم جوڑ دیے اور اگر تو تمام دنیا کے خزانے بھی لٹا دیتا تو بھی انکے دلونکو نہ جوڑ سکتا، لیکن خدا نے اُنکے دل باہم جوڑ دیے وہ زبردست اور حکمت والا ہے

ہجرت کے بعد آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مہاجرین و انصار کے درمیان جو مواخاۃ اور برادری قائم کرائی تھی وہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی اور اُسکی آخری کڑی وہ خطبہ تھا جو فتح مکہ کے موقع پر دیا گیا،

قرآن مجید نے اپنے متواتر ارشادات مین فتنہ اور فساد فی الارض کو مکروہ ترین فعل انسانی قرار دیا، اور اس فعل کے مرتکب کے لیے سخت سزائین مقرر کین، چوری کے لیے قطع ید کی سزا متعین کی، رہزنی کے لیے قتل، پھانسی، قطع ید، اور جلا وطنی کی تعزیرین جاری کین، سورۂ مائدہ مین خونریزی اور قتل و سفاکی کے انسداد کیلیے قصاص کا قانون نازل ہوا۔ عملاً ملک مین قیام امن کے لیے آنحضرت صلعم نے متعدد بار فوجین بھیجین، رہزن قبایل پر چھاپے مارے[1]، حجاز مین جن قبایل کا پیشہ چوری تھا، وہ تائب ہو کر مسلمان ہو گئے[2]، فوجداری اور دیوانی کے مقدمات کے فیصلہ کے لیے قوانین وضع ہوئے، اور جا بجا عُمّال کا تقرر ہوا۔

لیکن یہ سب جو کچھ ہوا، وہ انسانون کی ظاہری فطرت کی پابندی تھی، ورنہ ایک پیغمبر کا فرض، ایک مقنن، اور ایک عام مدبر کے فرائض سے بدرجہا بلند ہے، اسلام کے قانون تعزیرات نے جو کچھ کام کیا، قرآن کا روحانی اثر اور خاتم الانبیا صلعم کا فیض تلقین اُس سے پہلے فرد قرارداد جرم کی دفعات کو بالکل مٹا دیتا تھا۔ قانون خوفِ تعزیر صرف بازارون مین اور انسان کے عام مجمعون مین جرائم سے باز رکھ سکتا ہے، لیکن دعوت اسلام کے فیض اثر نے

[1] دیکھو غزوات نبوی پر دوبارہ نظر۔ [2] صحیح بخاری، ذکر غفار و اسلم۔

دلونکو بالکل خدا کے سامنے کر دیا جو رات کی تاریکیون مین بھی دیکھتا تھا، اور مقفل دروازون کی کھڑکیون سے بھی جھانکتا تھا، دفعتہ اب تمام ملک مین امن و امان تھا، اور عدی بن حاتم نے شہادت دی کہ اُنھون نے اپنی آنکھون سے دیکھا کہ آنحضرت صلعم کی پیشینگوئی کے مطابق **صنعاء** سے **حجاز** تک تن تنہا سفر کرتے تھے اور خشیۃ الٰہی کے سوا کوئی اور خوف راستہ مین نہ تھا[1]، ایک یورپین مورّخ جس کے قلم نے پیغمبر اسلام کی مدح کے لیے بہت کم جنبش کی ہے، (مارگولیوس) وہ بھی ان الفاظ مین اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے۔

"محمدؐ کی وفات کے وقت اُنکا سیاسی کام غیر مکمل نہین رہ گیا، آپ ایک سلطنت کی جسکا ایک سیاسی و مذہبی دارالسلطنت مقرر کیا گیا تھا، بنیاد ڈال چکے تھے، آپنے عرب کے منتشر قبائل کو ایک قوم بنا دیا تھا، آپ نے عرب کو ایک مشترک مذہب عطا کیا، اور اُن مین ایک ایسا رشتہ قائم کیا جو خاندانی رشتون سے زیادہ مستحکم اور مستقل تھا[2]"

بیرونی خطرات کے انسداد کے لیے خدا نے عجیب و غریب سامان پیدا کر دیے، قریش اور منافقین مدینہ کے اشتعال سے یہودیون نے اسلام کو پامال کرنا چاہا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خود چور چور تھے، ۳ھ سے لیکر ۷ھ ہجری تک متواتر لڑائیان پیش آئین، اور آخر فتح خیبر پر اُن کی سیاسی قوت کا خاتمہ ہو گیا، رومیون نے اور حدود شام کے عیسائی عربون نے اسلام کے استیصال کا بیڑا اُٹھایا، عیسائی روساے عرب مین سب سے زیادہ طاقتور اور پُر زور غسانی تھے، جو رومیونکے ہاتھ مین کٹ پتلی کی طرح کام کرتے تھے، بہراء، وائل، بکر، لخم، جذام، اور عاملہ وغیرہ عرب قبائل اُن کے ماتحت تھے، اُنکے علاوہ دومۃ الجندل، ایلہ، جربا، اذرح، تبالہ، اور جرش وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے عیسائی اور یہودی رئیس تھے، غسانیون کے حملہ کی ابتدا جسطرح ہوئی وہ اُوپر گذر چکا ہے، حارث بن عمیر جو شاہ بصریٰ کے دربار مین دعوت اسلام کا خط لیکر گئے تھے اُنکو غسانیون نے راستہ مین قتل کر دیا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے تین ہزار مسلمانون کا ایک دستہ تادیب و انتقام کے لیے روانہ فرمایا، غسانی ایک لاکھ کا

---

[1] صحیح بخاری، [2] لائف آف محمد مارگیولیوس صفحہ ۱۴۷،

ٹڈی دل لیکر میدان مین آئے اور خبر تھی کہ رُومی بھی اُسیقدر فوج لیے ہوئے موتہ سے قریب مواب مین پڑے ہین، تاہم مٹھی بھر سلمان، آدمیون کے اس جنگل سے نہ ڈرے اور کچھ عزیز جانین کھوکر فوج کو میدان جنگ سے ہٹا لائے، اس جنگ کا نام غزوۂ **موتہ** ہے،

اسکے بعد ۹ھ مین غزوۂ تبوک پیش آیا، دم بدم خبرین آتی رہتی تھین کہ رومی حملہ آوری کے لیے عیسائی عربون کی ایک فوج گران ترتیب دے رہے ہین اور ایک سال کی پیشگی تنخواہ بھی فوج کو تقسیم کر چکے ہین، یہ بھی خبر تھی کہ غسانی فوج کی آراستگی مین مصروف ہین، اور گھوڑون کی نعلبندی کرا رہے ہین، اس بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تیس ہزار صحابہ کے ساتھ پیشقدمی فرمائی اور بیس دن تک دشمنون کی آمد کا انتظار کرتے رہے، لیکن کوئی مقابل نہ آیا، تاہم اس پیشقدمی کا یہ فائدہ ہوا کہ غسانیون کے علاوہ تمام روسا نے رومیون کو چھوڑ کر اسلام کی حمایت قبول کرلی[۱]، ۱۱ھ مین زمانۂ مرض الموت مین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُسامہ بن زید کے زیر افسری رُومیون کے مقابلہ کیلیے پھر فوجین روانہ فرمائین لیکن اِس مہم کا اختتام عہدِ صدیقی مین ہوا۔

ایرانیون کی حکومت زندگی کے آخری دور کو پہنچ چکی تھی، ۸ھ مین دعاۃ اسلام پہنچنے کے ساتھ ہی بمقابلہ وجنگ، یمن، عمان، اور بحرین مین اُن کی قبائے حکومت کا تار تار الگ ہوگیا۔

غرض نو دس برس کی متواتر اور پیہم کوششون اور مافوق طاقت بشری تائیدات کے سبب سے اب تمام مُلک مین امن وامان قائم ہوگیا، قریش اور یہود کی سازشون کا طلسم ٹوٹ گیا، قبائل کی خانہ جنگیان مٹ گئین اور تمام رہزن اور ڈاکو جتھے رام ہوگئے، بیرونی خطرات کا انسداد ہوگیا، اب موقع مِلا کہ صلح وآشتی کے ساتھ حسب فرمان الٰہی، اصل مقصود کی طرف توجہ کیجائے،

---

[۱] اوپر کے تمام واقعات کی تفصیل اور حوالے غزوۂ موتہ اور تبوک کے ذکر مین گذر چکے ہین۔

تبلیغ واشاعتِ اسلام

سرورِ کائنات کا اصلی کام تمام عالم مین دعوتِ اسلام کا اعلان کرنا تھا اور نہ صرف اعلان بلکہ ہر قسم کے جائز اور صحیح وسائل سے تمام عالم کو حلقۂ اسلام مین لانا تھا، اس کے لیے تیغ وخنجر اور فوج وعسکر کی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف اسقدر کافی تھا کہ دعوتِ حق کی صدا، اطرافِ عالم مین پہنچ جانے پائے، لیکن مکہ مین تیرہ برس تک اعداے اسلام اسی کے سدِّراہ رہے، حج کے موقع پر عرب کے تمام قبائل دور دور از مقامات سے آتے تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ایک ایک کے پاس جاتے اور صرف یہ درخواست کرتے کہ قریش مجھکو پیغام حق پہنچانے سے روکتے ہین، تم اس کا موقع دلادو اور خود دو، لیکن قریش کے اثر سے ہزارون لاکھون مین سے ایک بھی اسکی ہامی نہین بھرتا تھا، تاہم آفتابِ حق کی کرنین، ان کثیف بادلون مین سے بھی چھن چھن کر سطح قلوب پر گرتی تھین اور اکناف و حوالی کو روشن کرتی جاتی تھین، اسلام کو صرف اشتہار اور اعلان کی ضرورت تھی، اور یہ کام خود اعداے اسلام نے انجام دیا، جب حج کا زمانہ آتا تو روساے قریش عام گذرگاہون پر خیمے لگاتے، باہر کے لوگ اُن سے ملنے آتے، اور چونکہ بعثت نبوی کا چرچا پھیل چکا تھا، لوگ اسکی حقیقت دریافت کرتے، اور نہ کرتے تو قریش خود حفظ ماتقدم کے لیے اُن سے کہتے کہ "ہمارے شہر مین ایک بدعقیدہ پیدا ہوا ہے جو ہمارے معبودون کی توہین کرتا ہے، یہان تک کہ لات وعزیٰ تک کو بُرا کہتا ہے،"

بدعقیدہ کو عربی مین "صابی" کہتے ہین، اسی مناسبت سے یا اس وجہ سے کہ اسلام کے بعض فرائض، مثلاً نماز کی صورت، صابئین کے اعمال سے ملتے جلتے ہین، قریش نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو صابی کا لقب دیا تھا، اور بالآخر اس لقب سے تمام عرب مین آپ کا نام مشہور ہوگیا، صحیح بخاری کتاب المغازی مین ایک صحابی سے روایت ہے کہ "مین جب چھوٹا تھا تو مکہ کے آنے جانے والون سے سنا کرتا تھا کہ مکہ مین ایک صابی پیدا ہوا ہے[1]"

ملک مین جب آپ کا نام مشہور ہوا، تو اگرچہ جمہور عام پر مخالف اثر پڑا، اور انمین سے کسی شخص نے آپ کی طرف رخ

[1] کتاب المغازی ص ۶۱۵

نہین کیا، لیکن اتنا بڑا وسیع ملک ان لوگون سے خالی نہین ہو سکتا تھا، جنکو یہ شوق پیدا ہو کہ اصل واقعہ کیا ہی؟ عرب مین ایسے لوگون کی خاصی جماعت پیدا ہو گئی تھی جو بُت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے، اور حق کے متجسّس تھے، بعض لوگ اِس حد سے ترقی کر کے حنفی بنگئے تھے، جنکا تذکرہ آغاز کتاب مین گذر چکا ہے، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین متعدد ایسے صحابہ کا تذکرہ کیا ہے جو یمن وغیرہ دُور دراز مقامات سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تحقیق حال کے لیے مکّہ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور مخفی طور سے اسلام لاکر واپس گئے، حضرت ابو موسےٰ اشعری یمنی (اور طفیل بن عمرو دوسی یمنی) کے خاندان مین جو اسلام پھیلا، اُسکی ابتدا قیام مکہ ہی کے زمانہ مین ہوئی تھی،

(طفیل ابن عمرو دوسی عرب کا مشہور شاعر تھا، اور چونکہ عرب مین شعرا کا اثر بہت تھا، یعنی وہ قبیلہ کے قبیلہ کو جدھر چاہتے تھے جھونک دیتے تھے، اسلیے قریش نے اسکی بہت کوشش کی کہ وہ کسی طرح آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین نہ پہنچنے پائے، لیکن ایک دفعہ جب اُسنے اتفاقیہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو قرآن مجید پڑھتے سُنا تو وہ فوراً مسلمان ہو گیا[۲]، اور اُس کے اثر سے اُسی زمانہ مین قبیلۂ دوس مین بھی اسلام پھیلنے[۳] لگا، تاہم عام قبیلہ نے طفیل کی دعوت قبول نہ کی، وہ رنجیدہ ہو کر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور عرض کی یا رسول اللہ! دوس نے نافرمانی کی اِن پر بددعا کیجیے، آپنے ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی کہ "خدایا دوس کو ہدایت دے، اور اُن کو بھیج" اس کے بعد سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا[۴]،

عمرو بن عبسہ سلمی بھی انھین بزرگون مین ہین، جنھون نے لوگون کی زبانی یہ سنکر کہ مکہ مین ایک شخص پیدا ہوا ہے، جو بہت سی باتین بتاتا ہے، مشتاقانہ مکہ آئے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اُسوقت قریش کے مظالم کی بنا پر چھپے رہتے تھے، عمرو بن عبسہ کسی طرح آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین پہنچگئے، اور عرض کی کہ "آپ کون ہین" آپنے فرمایا "مین پیغمبر ہون" اُنھون نے کہا "پیغمبر کسکو کہتے ہین؟ آپنے فرمایا "خدا نے مجھے بھیجا ہے" اُنھون نے پھر

---

[۱] اضافہ تا قصۂ ابو ذر، [۲] زرقانی، ([۳] صحیح مسلم کتاب الایمان سے یہ مفہوم ہوتا ہی) [۴] صحیح بخاری، باب قصۂ دوس،

پوچھا "کیا پیغام دیکر بھیجا ہے" ارشاد فرمایا "مجھے خدا نے یہ پیغام دیکر بھیجا ہی کہ قرابت کا حق ادا کیا جائے، بُت توڑے جائین، خدا کو ایک مانا جائے اور کسی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے"، عمرو نے پوچھا اِس مذہب کے کتنے پیرو ہین؟ آپنے فرمایا "ایک آزاد (ابوبکرؓ) اور ایک غلام (بلالؓ)" عمرو نے کہا "مین بھی آپ کی پیروی کرتا ہون" ارشاد ہوا کہ "ابھی تو یہ ممکن نہین، تم دیکھتے ہو کہ مین کس حال مین ہون، اور لوگونکا کیا حال ہی، میری کامیابی کا جب حال سُنو تو میرے پاس آنا" چنانچہ عمرو واپس گئے، اور ہجرت کے بعد جب لوگون کی زبانی آپ کی کامیابی کا حال معلوم ہوا تو حاضرِ خدمت ہوئے[1]

ضماد بن ثعلبہ، قبیلۂ ازدشنوہ کے رئیس اور آپکے زمانۂ جاہلیت کے دوست تھے، وہ مکہ آئے تو سُنا کہ محمدؐ کو جنون ہوگیا ہے، وہ جھاڑ پھونک بھی کرتے تھے، وہ آپکے پاس آئے کہ لاؤ مین تمھارا علاج کردون، آپنے فرمایا الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ، من یھدہ اللّٰہ فلا مضلّ لہ، ومن یضلله فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ، اِن فقرون نے ضماد پر غیر معمولی اثر کیا، عرض کی دوبارہ ارشاد فرمایئے، آپ نے پھر اعادہ فرمایا، ضماد نے پھر تیسری بار پڑھوایا، اب وہ بالکل مسحور تھے، بولے کہ "مین نے کاہنون کی باتین، جادوگرون کے منتر، اور شاعرون کے قصائد سُنے ہین، لیکن ایسا کلام مین نے نہین سُنا، یہ تو دریا کی تہ تک مین بھی اثر کر جائیگا، لایئے ہاتھ لایئے مین اسلام پر بیعت کرتا ہون" آپنے اُن سے بیعت لی، پھر فرمایا، اپنے پورے قبیلہ کی طرف سے بھی بیعت کرلو، چنانچہ اُنھون نے پورے قبیلہ کی طرف سے بیعت کرلی، اور وہ اُن کی دعوت سے مسلمان ہوگئے، ایک دفعہ ایک لڑائی مین مُسلمان سپاہیون کا اُدھر سے گذر ہوا، تو افسر نے پوچھا کسی نے اِس قبیلہ کی کوئی چیز لی ہی، ایک سپاہی نے کہا، ایک لوٹا میرے پاس ہی، اُسنے حکم دیا کہ واپس کردو[2]،

حضرت ابوذرؓ کا واقعہ اِس موقع پر خاص طرح پر ذکر کے قابل ہی،

غفار کا قبیلہ جو قریش کے شامی تجارت کے راستہ مین آباد تھا، جب وہان یہ چرچا پھیلا تو حضرت ابوذرؓ جو بت پرستی سے متنفر ہوچکے تھے، اور حق کی تلاش مین تھے، اُنھون نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ، اور دیکھو کہ یہ شخص

(۱) صحیح مسلم باب الاوقات التی نُہی عن الصلوٰۃ فیہا، (۲) صحیح مسلم، باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبۃ،

جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اسکی تعلیم اور تلقین کیا ہے، انیس مکہ[1] مین آئے اور واپس جا کر بیان کیا کہ وہ مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اور جو کلام پیش کرتا ہے، وہ شاعری سے الگ ہے" حضرت ابوذرؓ کو اس مختصر جواب سے تسکین نہین ہوئی، خود گئے، زادِ سفر کے لیے مشک مین پانی، اور کچھ کھانے کو لے لیا، مکہ مین آئے تو ڈر کے مارے کسی سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام پوچھ نہین سکتے تھے، حرم مین حضرت علیؓ سے ملاقات ہوگئی، اُنھون نے گھر پر لا کر مہمان رکھا، لیکن تین دن تک اُن سے بھی کچھ پوچھنے کی ہمت نہین ہوئی، بالآخر خود حضرت علیؓ نے پوچھا کہ "یہان آنے کی کیا غرض ہے؟" انھون نے ڈرتے ڈرتے بتایا لیکن پھر قول و قرار لے لیا کہ کسی پر یہ راز ظاہر نہونے پائے، حضرت علیؓ اُنکو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین لائے، اور آپ نے اسلام کی تلقین کی، اور فرمایا کہ اس وقت گھر واپس جاؤ، پھر مین جو کچھ کہلا بھیجون گا اُسکی تعمیل کرنا، لیکن اُن کو اسلام کا جوش تھا، عرض کی کہ "مین تو اسلام کا اعلان کرکے رہون گا" غرض حرم مین آئے اور زور سے پکارے کہ "اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ" اس آواز کا سننا تھا کہ لوگ چارون طرف سے دوڑ پڑے اور انکو مارنا شروع کیا، حضرت عباسؓ نے آکر بچایا، اور لوگون سے کہا "تم یہ نہین سمجھتے کہ تمھاری تجارت کا راستہ غفار کی آبادی سے ہوکر گذرتا ہے، اور یہ اسی قبیلہ کے آدمی ہین" اُس وقت لوگون نے چھوڑ دیا، لیکن دوسرے دن حضرت ابوذر نے حرم مین جاکر پھر اسی طریقہ سے اسلام کا اعلان کیا، اور نتیجہ بھی وہی ہوا جو کل ہو چکا تھا، آج بھی اتفاق سے حضرت عباسؓ آگئے، اور انھون نے جان بچائی[1]

حضرت ابوذر مکہ سے جب واپس گئے اور اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دی تو آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہوگیا، بقیہ آدمیون نے کہا کہ ہم اُس وقت اسلام کا اظہار کرین گے جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین آجائین، چنانچہ جب آپ مدینہ مین تشریف لائے تو باقی آبادی بھی مسلمان ہوگئی[2]، غفار سے قریب اسلم کا قبیلہ آباد تھا، اور دونون قبیلون مین قدیم تعلقات تھے، غفار کے اثر سے اُنھون نے بھی اسلام قبول کرلیا[3]، (حالانکہ یہ دونون قبیلے اسلام سے پہلے چوری[4] مین بدنام تھے، اور اُن کو معلوم تھا کہ اسلام اِس فعل شنیع کا دشمن ہے،)

---

[1] یہ روایت تمامہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہے صحیح مسلم مین یہ واقعہ جسطرح منقول ہے، اِس مین بہت سی باتین اس سے زائد اور مختلف ہین، حافظ ابن حجر فتح الباری مین لکھتے ہین کہ ان دونون روایتون مین تطبیق ممکن ہے، [2] (صحیح مسلم اسلام ابی ذر) [3] صحیح بخاری ذکر اسلم و غفار، [4] بحوالہ سابق،

اوس وخزرج کا اسلام

(موسم حج مین عرب کے اکثر قبائل کا اجتماع ہوجاتا تھا، آپ اِس موقع پر ایک ایک قبیلہ کے قیامگاہ پر جاتے اور اسلام کی دعوت دیتے تھے، چنانچہ مدینہ کے قبائل **اوس** وخزرج کی ایک معتدبہ جماعت نے اِسی موقع پر اسلام قبول کیا،

قیام مدینہ مین اشاعت اسلام

مدینہ منورہ مین جب آپ تشریف لائے تو آس پاس کے قبائل مین سے جیسا کہ اوپر گذرا غفار واسلم نے اسلام قبول کرلیا، کچھ ہی دنون کے بعد بدر کا معرکہ پیش آیا، جس مین قریش کو شکست ہوئی، اور ستر اشخاص مسلمانون کے ہات مین قید ہوگئے، اِن قیدیون کی رہائی کے لیے قریش نے مدینہ مین آمد ورفت شروع کی، اِس تقریب سے

بدر کے بعد بعض قریشیون کا اسلام

لوگون کو مسلمانون سے ملنے جلنے کا اتفاق ہوا اور اس اثر سے متعدد اشخاص مسلمان ہوگئے)

(اِن مین) بہت سے لوگ ایسے تھے کہ اتفاقیہ اُنکے کانون مین قرآن مجید کی آواز پڑگئی، اور باوجود سخت عداوت کے اُن کا دل پتھر سے موم بن گیا، جبیر بن مطعم بدر مین گرفتار ہوکر آئے تھے، اور قیدیون کے ساتھ اسیر تھے، ایک دن آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) یہ آیتین پڑھ رہے تھے،

اَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا	کیا یہ یون ہی آپ سے آپ پیدا ہوگئے، یا ان لوگون نے خود اپنے آپکو پیدا
السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَا يُوْقِنُوْنَ،	کیا یا ان لوگون نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا بلکہ بات یہ ہو کہ انکو یقین نہین ہے،

جبیر بن مطعم نے یہ آیتین سن لین تو انکا بیان ہو کہ مجھکو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل پرواز کرگیا، صحیح بخاری سورہ طور مین یہ واقعہ مذکور ہے،

(مکہ مین روم وفارس کی جنگ کے متعلق آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جو پیشینگوئی فرمائی تھی وہ ٹھیک فتح بدر کے موقع پر پوری اُتری اور قرآن مجید کی پیشینگوئی کے مطابق سات برس کے بعد رومیون نے فارس پر فتح کلی پائی، اس عظیم الشان معجزہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک خلق کثیر نے اسلام کی صداقت کا اقرار کیا)[1]

غرض اِس طرح آپ ہی آپ لیکن نہایت آہستگی اور تدریج کے ساتھ اسلام پھیلتا جاتا تھا، سنہ ۶ھ مین قریش

(۱؎ جامع ترمذی تفسیر سورہ روم)

کنانہ، غطفان، اسد، اور دیگر قبائل نے متحد ہو کر مدینہ پر حملہ کیا، اور شکست کھائی، اِس معرکہ کا نام احزاب ہے، جس کی تفصیل اُوپر گذر چکی ہے، اِس شکست نے قریش کا عالمگیر اثر کسی قدر کم کیا، اور وہ قبائل جو قبول اسلام کے لیے آمادہ تھے، لیکن قریش کے ڈر سے انکو اظہار اِسلام کی ہمت نہین ہوتی تھی اُنھون نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین وفود بھیجنے شروع کئے، سب سے پہلی سفارت جو آئی وہ قبیلہ مزینہ کی تھی، جس مین چارسو آدمی شریک تھے، انھون نے یہ بھی خواہش ظاہر کی کہ اگر ارشاد ہو تو ہجرت کر کے مدینہ مین آجائین لیکن آپ نے فرمایا "تم جہان رہو مہاجر ہو"[۱]

قبیلۂ مزینہ کا اسلام

اسی زمانہ مین قبیلۂ اشجع کے سفرا جنکی تعداد سو تھی، مدینہ مین آئے اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کہا کہ ہم آپ سے لڑنا نہین چاہتے بلکہ یہ چاہتے ہین کہ صلح کا معاہدہ ہو جائے"، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے قبول فرمایا، اسوقت تک یہ لوگ کافر رہے لیکن جب صلح ہو چکی تو اُنھون نے خود بخود اسلام قبول کر لیا[۲]،

قبیلۂ اشجع کا اسلام

جھینہ بھی انھین قبائل کے آس پاس آباد تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اِن کو اسلام کی دعوت دی، اور وہ فوراً ایک ہزار کی جمعیت لیکر مدینہ آئے اور مسلمان ہو گئے اور اسکے بعد وہ اکثر غزوات مین مُسلمانون کے شریک حال رہے[۳]،

غفار، اسلم، مزینہ، اشجع، اور جہینہ، کی یہی اطاعت اور سابقت اسلام تھی، جسکی بنا پر آپ نے اُنکے حق مین دعائے خیر فرمائی[۴]،

صلح حدیبیہ کے زمانہ مین جیسا کہ ہم حدیبیہ کے ذکر مین لکھ آئے ہین، کُفّار اور مسلمان نہایت آزادی کے ساتھ آپس مین ملتے جُلتے، اور اسلیے منکرون کو خلوت وجلوت مین مسلمانون کی تلقینات کے سُننے کا موقع ملا، اِسکا یہ نتیجہ ہوا کہ اس سے پہلے باوجود غزوات اور محاربات کے جسقدر لوگ اسلام لائے تھے صرف دو برس مین یہ تعداد اس سے اضعافاً مضاعفہ بڑھ گئی[۵]، چنانچہ جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلّم) صلح حدیبیہ کے سال اداے حج کے

---

۱ جز طبقات ابن سعد متعلق وفود ترجمہ فارسی مطبوعہ مفید عام آگرہ ۲ جز طبقات ابن سعد ترجمہ فارسی، ۳ اصابہ تذکرہ بشیر بن عرفطہ، ۴ صحیح بخاری جلد اوّل ذکر غفار، واسلم، وجہینہ، ۵ طبری مین امام زہری کا قول ہے،

فلما كانت الهدنة و ضعت الحرب اوزارها وامن الناس جب صلح ہو گئی اور جنگ موقوف ہوئی ایک دوسرے سے لوگ (بقیہ حاشیہ صفحہ اپر)

ارادہ سے مدینۂ طیبہ سے نکلے تو صرف دو ہزار شخص ساتھ تھے، اب دو برس کے بعد فتح مکہ کو چلے تو دس ہزار مسلمانون کا لشکر جرار ساتھ تھا،

صلح حدیبیہ کا اثر اگرچہ تمام عرب پر محیط نہ تھا، کیونکہ اِس معاہدہ مین صرف قریش اور کنانہ شریک تھے، اِسلیے جو لوگ براہِ راست قریش کے زیر اثر یا اُن کے حلیف اور ہم عہد نہ تھے، وہ اب بھی مدینہ پر حملہ کی طیاریان کرتے رہتے تھے اور اُن کے دفاع کے لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو کچھ کچھ فوجین بھیجنی پڑتی تھین، تاہم جن موقعون پر امن کا گمان ہوتا تھا وہان داعیان اسلام بھیجے جانے لگے، کہ لوگون کو اسلام کی طرف بلائین، لیکن چونکہ حفاظت خود اختیاری کی غرض سے اِن داعیون کے ساتھ تھوڑی بہت جمعیت بھی ہوتی تھی اِس لیے ارباب سیر اِن تبلیغی جماعتون کو بھی سرایا سے تعبیر کرتے ہین،

تمام عرب تولیت کعبہ کی وجہ سے قریش کو مذہبی رہبر سمجھتا تھا، اِس لیے وہ انتظار کر رہے تھے کہ قریش کا کیا انجام ہوتا ہے، عمرو بن سلمۃ ایک صحابی تھے جو مدینے سے دور ایک گذرگاہ عام پر رہتے تھے، اُن کے یہ الفاظ صحیح بخاری مین منقول ہین[۱]،

کانت العرب تلوم باسلامہم الفتح	عرب قریش کے اسلام کا انتظار کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ محمدؐ
فیقولون اترکوہ وقومہ فانہ ان ظہر	صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی قوم (قریش) پر چھوڑ دو، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُنپر
علیہم فھو نبی صادق فلما کانت وقعۃ	غالب آگئے تو بے شبہہ وہ سچے پیغمبر ہین، پس جب مکہ فتح ہوا تو ہر
اھل الفتح بادر کل قوم باسلامہم،	قبیلہ نے اسلام کی طرف پیشدستی کی،

ابن ہشام نے زیادہ صاف لکھا ہی،

کلہم بعضہم بعضا فالتقوا وتفاوضوا فی الحدیث والمنازعۃ	بیخوف ہوے باہم ملے جلے، باتین چیتین ہوئین، تو کوئی عقلمند ایسا نہ تھا جس سے
فلم یکلم احد بالاسلام یعقل شیئًا الا دخل فیہ فلقد دخل فی	اسلام کے متعلق گفتگو آئی اور اُسنے قبول نہ کرلیا، چنانچہ جتنے لوگ ابتدا سے اسوقت تک مسلمان
تنیک السنتین فی الاسلام، مثل ماکان فی الاسلام واکثر صفحہ ۱۵۱)	ہوئے تھے صرف اِن دو برسونمین اُنکے برابر بلکہ اُنسے زیادہ تعداد مین لوگ مسلمان ہوگئے،)

[۱] صحیح بخاری، فتح مکہ،

وانما کانت العرب تربص بالاسلام امر هذا[1]	اور عرب اسلام کے باب مین صرف قریش کا انتظار کر رہے
الحی من قریش وامر رسول اللہ صلے اللہ علیہ	تھے اور وہ یون کہ قریش تمام ملک کے سردار اور پیشوا، اور کعبہ و حرم
وسلم وذلک ان قریشا کانوا امام الناس	کے متولی، اور حضرت اسمٰعیل کی خاص اولاد، اور عرب کے
وھادیھم واھل البیت والحرم وصریح ولد	قائد تھے، اور صرف قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
اسمعیل بن ابراھیم علیھما السلام وقادۃ العرب	مخالفت کے لیے جنگ برپا کی تھی، تو جب مکہ فتح ہو گیا
لاینکرون ذلک وکانت قریش ھی التی نصبت	اور قریش نے سپر ڈال دی اور اسلام نے مکہ کو چھا لیا تو
لحرب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وخلافہ	عرب کو یقین ہو گیا کہ ان کو آنحضرت صلے اللہ علیہ
فلما افتتحت مکۃ ودانت لہ قریش ودوخھا	وسلم کی جنگ اور عداوت کی طاقت نہین ہے، تو
الاسلام عرفت العرب انہ لاطاقۃ لھم بحرب	وہ خدا کے دین مین داخل ہو گئے، جیسا کہ اللہ
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ولاعداوتہ	عزوجل نے قرآن مین کہا ہے، (یعنی
فدخلوا فی دین اللہ کما قال اللہ عزوجل الخ،	اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ وَالْفَتْحُ)

غرض اسلام کی سچائی اور سادگی، اور عرب کی تیز فہمی اور ذہانت کے لحاظ سے اسلام کے پھیلنے مین جو دیر لگی وہ زیادہ تر قومی اور خاندانی مخالفت کی وجہ سے تھی، اب جبکہ باطل کا سنگ راہ ہٹ گیا تو حق کے آگے بڑھنے مین دیر نہ تھی،

فتح مکہ کے بعد اب دعوت اسلام کے لیے یہ خطرہ نہین رہا کہ اُس کے دُعاۃ جہان جائین بیدریغ قتل کر دیئے جائین، اِسی بنا پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے تمام اطراف عرب مین دُعاۃ بھیجدیئے کہ لوگون کو اسلام کے فضائل و محاسن بتا کر اُن کو اسلام کی ترغیب دلائین،

دُعاۃ حسب ذیل طریقہ سے مقرر کئے گئے،

---

[1] سیرت ابن ہشام ذکر واقعات ۹ھ و وفود ۱۲

(۱) حفاظت خود اختیاری کی غرض سے کسی قدر فوج ساتھ کردیجاتی تھی کہ انکو کوئی شخص ضرر نہ پہنچانے پائے، اور وہ آزادی سے تبلیغ اسلام کرسکین، حضرت خالد کو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے یمن بھیجا تو فوج بھی ساتھ کردی، لیکن تاکید تھی کہ بہ جبر پیش نہ آئین، چنانچہ پورے چھ مہینہ تک اُنکی دعوتِ اسلام پر کسی نے توجہ نہین کی اور وہ کچھ نہ کرسکے، حضرت خالد سپہ سالار اور فاتح تھے، واعظ اور صاحب ارشاد نہ تھے، اِس بنا پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اب حضرت علیؓ کو بھیجا، اُنھون نے قبائل کے سامنے جب اسلام کی تبلیغ کی تو دفعتہً ملک کا ملک مسلمان تھا، یہی وہ دُعاۃ ہین جنکو علامۂ طبری نے اِن لفظون سے تعبیر کیا ہے،

قد کان رسول اللہ صلعم بعث فیما حول مکۃ	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے اطراف مین کچھ
السرایا تدعو الی اللہ عزوجل ولم یامرھم	ٹکڑیان بھیجی تھین کہ لوگون کو خدا کی طرف بلائین لیکن
بقتال۔	اُنکو لڑائی کا حکم نہین دیا تھا،

حضرت خالد کو قبیلۂ بنی جذیمہ کے پاس بھی اسیطرح دعوت اسلام کیلیئے بھیجا تھا، لیکن جب انھون نے کشت وخون کیا اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوئی تو آپ کھڑے ہوگئے اور قبلہ رُخ دونون ہاتھ اُٹھا کر کہا، خدایا! مین خالد کے فعل سے بری ہون، پھر حضرت علیؓ کو بھیجا، اُنھون نے ایک ایک مقتول کا خون بہا ادا کیا، یہانتک کہ کُتّون کا بھی،

(اشاعت اسلام کی غرض سے جو مُسلّح جماعت اطراف ملک مین بھیجی جاتی تھی اس مین کبھی کبھی آپ ایک ایک فرد کا امتحان لیتے تھے، ان مین جو صاحب سب سے زیادہ حافظِ قرآن ہوتے تھے اُن کو اس کا امیر مقرر فرماتے تھے، چنانچہ آپ نے ایک بار اِسی قسم کی فوج روانہ کرنا چاہی تو ایک ایک شخص سے قرآن

لہ اِس روایت مین اگرچہ یہ تصریح نہین ہے کہ یہ فوج اشاعت اسلام کے لیے بھیجی گئی تھی، صرف یہ الفاظ ہین،

بعث بعثًا وھم ذو عددٍ — یعنی آپ نے ایک بہت بڑی جماعت بھیجی،

تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مقصد صرف اشاعت اسلام تھا، کیونکہ اگر لڑائی مقصود ہوتی تو حفظ قرآن کی ضرورت نہین ہوتی اور نہ آپ ہر ایک سے قرآن پڑھوا کر سنتے،)

پڑھوا کر سنا، ان لوگون مین ایک کمسن نوجوان تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اُنکے پاس آئے اور پوچھا تھین کیا یاد ہے؟ اُنھون نے کہا کہ مجھکو سورۂ بقرہ اور فلان فلان سورتین یاد ہین، آپ نے فرمایا تو تھین ان سب کے امیر رہو، (ترغیب وترہیب جلد ا صفحہ ۲۵۹، بروایت ترمذی)

(۲) جو ممالک زیر اثر آتے تھے اور وہان زکوٰۃ اور جزیہ کے وصول کرنے کے لیئے عمّال بھیجے جاتے تھے، وہ اکثر اس درجہ کے لوگ ہوتے تھے جن کا تقدس، زہد، اور پاکیزگی مسلم ہوتی تھی، اس کے ساتھ عالم اور واعظ بھی ہوتے تھے، اور اس لیئے وہ تحصیل مال کے ساتھ تبلیغ اسلام کی خدمت بھی انجام دیسکتے تھے، اِن مین سے بعضون کے نام حسب ذیل ہین،

نام	مقام	کیفیت
مہاجر بن ابی اُمیہ	صنعاءِ یمن	حضرت ام سلمہ (زوجۂ نبوی) کے بھائی تھے،
زیاد بن لبید	حضرموت	یہ ان صحابہ مین ہین جو غزوۂ بدر مین شریک تھے،
خالد بن سعید	صنعاءِ یمن	سابقین اولین اور مہاجرین حبش مین ہین، سب سے پہلے اِنھی نے کاغذات پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا،
عدی بن حاتم	قبیلۂ طے (یمن)	مشہور صحابی ہین، حاتم طائی انھی کا باپ تھا،
علاء بن حضرمی	بحرین	
حضرت ابو موسیٰ اشعری	زبید وعدن	اُنکی دعوت اسلام سے قریبًا تمام لوگ مسلمان ہوگئے، مشہور صاحب علم صحابی ہین،
حضرت معاذ بن جبل	جند	"
جریر بن عبداللہ بجلی	ذوالکلاع حمیری	جریر مشہور صحابی ہین، ذوالکلاع حمیری یمن کے سلاطین کے خاندان سے تھے، ایک موقع پر لاکھ آدمیون نے انکو سجدہ کیا تھا، جریر کی دعوت پر یہ اسلام لائے تو انکی خوشی مین چار ہزار غلام آزاد کیئے،

(۳) بعض[۱] لوگ مخصوص اشاعت اسلام کی غرض سے بھیجے جاتے تھے، تفحّص سے اس قسم کے دعاۃ کے نام حسب ذیل ملے ہین،

نام	مقام دعوت	نام	مقام دعوت
علیؓ بن ابی طالب	قبیلۂ ہمدان وجذلیہ ومذحج،	مہاجر بن ابی امیہ	بطرف حارث بن عبد کلال شہزادۂ
مغیرہ بن شعبہ	نجران،		یمن،
خالد بن ولید	اطراف مکہ،	محیصہ بن مسعود	فدک
عمرو بن العاص	عمان،		
وبرہ بن یحنس	ابنائے فارس،		

(۴) روسائے قبائل بارگاہ نبوت مین آکر مسلمان ہوجاتے تھے اور کچھ روز یہان قیام کرکے اپنے اپنے قبائل مین دعوت اسلام کی غرض سے واپس جاتے تھے، ان اشخاص کے نام یہ ہین،

نام	مقام	کیفیت
طفیل بن عمرو دوسی	قبیلۂ دوس	
عروہ بن مسعود	ثقیف	
عامر بن شہر	ہمدان	
ضمام بن ثعلبہ	بنو سعد	
منقذ بن حبان	بحرین	
ثمامہ بن اثال	اطراف نجد	

اِن مبلغین اور دعاۃ کے اثر سے اسلام ہر جگہ تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا، فتح مکہ کے بعد جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے

---

[۱] اضافہ تا ذکر اسلام ابنائے یمن،

دعاۃ اطراف مکہ مین بھیجدیے گئے تھے اور لوگ خوشی خوشی مسلمان ہوتے جاتے تھے، قرآن پاک کی یہ آیتین اسی موقع کیطرف اشارہ کرتی ہین،

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَرَاَیْتَ النَّاسَ — جب خدا کی فتح و نصرت آئی اور تمنے دیکھ لیا کہ لوگ فوج

یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا — درفوج خدا کے مذہب مین داخل ہورہے ہین،

فتح مکہ کے تین مہینے بعد ذوالحجہ ۹ھ کے موسم حج مین اعلان براءۃ ہوا، اس واقعہ کے بعد بلا استثناء حجاز نے عام طور سے اسلام قبول کرلیا[1]،

حجاز سے باہر نبوت کے اکیس[21] برس مین صرف قریش اور یہود کی مزاحمت سے اسلام آگے نہ بڑھ سکا اور خال خال مسلمان اِدھر اُدھر نظر آتے تھے، لیکن ان دیوارون کا ہٹنا تھا کہ صرف تین برس مین ۸ھ-۹ھ-۱۰ھ مین اسلام کا اثر ایک طرف یمن، بحرین، یمامہ، عمان، اور دوسری طرف عراق و شام کی حدود تک وسیع ہوگیا، یہ عرب کے وہ صوبے ہین جہان اسلام سے پہلے عربون کی بڑی بڑی حکومتین قائم تھین، اور اس وقت بھی وہ روم و فارس دنیا کی دو عظیم الشان طاقتون کے زیر سایہ تھین، تاہم اسلام بغیر تلوار کی رفاقت کے صلح اور امن کے سایہ مین اپنی آواز بلند کرتا چلا گیا، اور ہر گوشہ سے لبّیک کی صدائین خود بخود آنے لگین،

یمن — (ملک عرب کے تمام صوبون مین یمن سب سے زیادہ زرخیز اور سیر حاصل ہے، اور نہایت قدیم زمانہ سے تمدن و تجارت کا مرکز ہے، سبا اور حمیر کی عظیم الشان حکومتین یہین قائم ہوئی تھین، ولادت نبوی سے تقریباً پچاس[5] برس پہلے ۵۲۵ء مین حبشی عیسائیون نے یمن پر قبضہ کرلیا تھا، ولادت نبوی کے چند سال بعد اہلِ ایران یہان کے مالک بنگئے تھے، اُنکی طرف سے یہان ایک گورنر ہوتا تھا، جو یمن پر حکومت کرتا تھا،

یمن مین اسلام کی تحریک کے لئے متعدد عوائق موجود تھے۔ مثلاً اختلاف جنسیت کہ یمن، قحطانی تھے، داعی اسلام اسمٰعیلی، اہل یمن کو اپنے قدیم جاہ و جلال اور تمدن و حکومت پر ناز تھا، اور تمام عرب بجا طور سے انکی پیشروی کو

---

[1] طبری واقعات ۹ھ،

تسلیم کرتا تھا اور تمام عرب مین وہی حکومت کے مستحق سمجھے جاتے تھے، ملک مین جہان کوئی باقاعدہ حکومت تھی وہ نسلاً اسی خاندان سے شمار ہوتی تھی، چنانچہ جب یمن سے قبیلۂ کندہ کا وفد آیا ہی، جو یمن کا ایک شاہی خاندان تھا، تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو ایک عرب فرمانروا سمجھکر رئیس وفد نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ اور ہم ہم خاندان نہین ہین؟ آپنے فرمایا، "ہم نضر بن کنانہ کے خاندان سے ہین، نہ اپنی مان پر تہمت رکھ سکتے ہین اور نہ اپنے باپ سے انکار کر سکتے ہین[۱]"

یمن مین اشاعت اسلام کا سب سے بڑا عائق یہ ہو سکتا تھا کہ وہ پولیٹکل حیثیت سے ایرانیون کے ماتحت تھا، اور باشندے مذہباً علے العموم یہودی یا عیسائی تھے، لیکن قبول حق کے لیئے کوئی چیز ان مین سے مانع نہ آئی،

یمن مین اسلام کی دعوت ہجرت سے بہت پہلے پہنچ چکی تھی، یمن مین دوس ایک ممتاز قبیلہ تھا، اس قبیلہ کا رئیس طفیل بن عمرو اتفاق سے مکہ آیا اور مسلمان ہو گیا، اسی زمانہ مین کندہ کا قبیلہ حج کے لیے مکہ آیا تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلّم) نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہون نے انکار کیا[۲]، ۷ھ مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) خیبر مین تشریف فرما تھے، دوس کا قبیلہ مسلمان ہو کر دار الاسلام مین منتقل ہو گیا، یمن کا ایک اور مشہور قبیلہ اشعر تھا، وہ بھی مہاجرین حبشہ کی معیت مین اسی زمانہ مین بلا تحریک خود بخود اسلام لایا، اور آستانۂ نبوت پر حاضر ہوا، ابوہریرہ دوسی، اور ابوموسیٰ اشعری، انھین قبائل کے ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے تھے،

یمن مین ہمدان سب سے بڑا کثیر التعداد اور صاحب اثر خاندان تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے (۸ھ کے آخر مین) انکو دعوت اسلام دینے کے لیئے حضرت خالد کو بھیجا، خالد چھ مہینے تک انکو اسلام کی دعوت دیتے رہے، لیکن ان لوگون نے قبول نہین کیا، بالآخر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خالد کو بلا لیا، اور حضرت علیؓ کو بھیجا، حضرت علیؓ نے ان لوگون کو جمع کر کے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کا نامۂ مبارک پڑھکر سنایا، اور ساتھ ہی سارے کا سارا قبیلہ مسلمان تھا، حضرت علیؓ نے جب اس واقعہ کی اطلاع بارگاہِ رسالت مین دی تو آنحضرت (صلے اللہ

[۱] ابن حنبل، حدیث اشعث بن قیس و زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۳۲ مصر، [۲] ابن ہشام ذکر عرض الاسلام علی القبائل۔

علیہ وسلم) نے سجدہ کیا اور سر اُٹھا کر دو دفعہ فرمایا "السّلام علیٰ ھمدان"[1]

(بعض روایتون مین ہے کہ ہمدان نے جب اسلام کا غلغلہ سنا تو عامر بن شہر کو آنحضرت صلعم کی خدمت مین بھیجا کہ یہ مذہب اگر تم کو پسند آئے تو ہم سب اس کے قبول کے لئے تیار ہین، اور اگر ناپسندیدہ ٹھہرے تب بھی ہم تمہارے ساتھ ہین، عامر بن شہر جب دربار رسالت سے واپس آیا تو اُس کا دل نورِ اسلام سے معمور تھا، اور ساتھ ہی سارا قبیلہ بھی مسلمان تھا، ممکن ہو کہ یہ دونون واقعے ہون اور دونون کی کوشش سے یہ کامیابی حاصل ہوئی ہو) یمن مین حضرت علیؓ سے لوگ مانوس ہوگئے تھے، ربیع الاول سنہ ۱۰ھ مین تین سو سوارونکی حفاظت مین آنحضرت صلعم نے پھر اُن کو یمن کے قبیلۂ مذحج مین تبلیغ اسلام کے لئے نامزد فرمایا اور ساتھ ہی یہ تاکید فرمادی کہ جب تک وہ حملہ آور نہ ہون پیشدستی نہ کرنا حضرت علیؓ جب مذحج کی سرزمین مین پہنچے تو مالگذاری وصول کرنے کے لئے اِدھر اُدھر لوگون کو متعین کیا، اسی اثناء مین قبیلۂ مذحج کی ایک جمعیت نظر آئی، حضرت علیؓ نے انکے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی لیکن اُدھر سے اس احسان کا جواب تیر اور پتھرونکی زبان سے ملا، یہ دیکھکر حضرت علی نے بھی اپنے ساتھیونکی صف آرائی کی، مذحج اپنے بیس آدمی مقتول چھوڑکر بھاگ کھڑے ہوئے مسلمانون نے اُن کا تعاقب نہ کیا کہ اُنکا مقصود صرف مدافعت تھا، اسکے بعد روسائے قبیلہ خود حاضر ہوئے اور انہون نے اسلام قبول کیا، اور دوسرے دن کی طرف سے نیابتہً اسلام کا اعلان کیا،)[2]

یمن مین فارس کے جو روساء قیام پذیر ہوگئے تھے اُنکو ابناء کہتے تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سنہ ۱۰ھ مین وبر بن یحنس کو اُنکے پاس دعوت اسلام کے لئے بھیجا، وہ نعمان بن بزرج (بزرگ) کے گھر اُن کے بیٹون کے مہمان ہوئے، اور فیروز دیلمی، مرکبود، وہب بن منبہ کے پاس دعوت اسلام کے خطوط بھیجے، سب نے اسلام قبول کیا،

[1] زرقانی بسند صحیح از بیہقی، (اصل واقعہ بخاری جزء غزوات مین موجود ہے لیکن ہمدان کی اس مین تخصیص نہین اور نہ انکے اسلام کا اس مین ذکر ہی) اس واقعہ کے متعلق اور بھی روایتین ہین لیکن وہ صحیح نہین، چنانچہ خود مواہب لدنیہ نے تسلیم کیا ہے، اِن روایتون کا یہ مفہوم ہے کہ ہمدان کے لوگون نے حضرت علیؓ کے ڈر سے اسلام قبول کرلیا، لیکن یہ راویون کا حسن ظن ہے واقعہ نہین (ایک روایت مین ہے کہ آپنے ہمدان کو حکم دیا کہ وہ ثقیف سے ہمیشہ لڑا کرین اور اُن پر غارت گری کیا کرین، لیکن حافظ ابن قیم نے تصریح کی ہے کہ یہ روایت بالکل غلط ہی ہمدان یمن کا قبیلہ تھا اور ثقیف مکہ کے پاس طائف مین ہی، یہ حکم تو دو ہمسایہ قبیلون کو دیا جاسکتا تھا، [2] حضرت علی کی مہم یمن کا واقعہ تمام حدیث کی کتابون مین مذکور ہے لیکن یہ تفصیل ابن سعد جزء مغازی سے ماخوذ ہی)

صنعا یمن میں سب سے پہلے جس نے قرآن مجید حفظ کیا وہ مرکبود کے صاحبزادے عطاء اور وہب بن منبہ[1] تھے،

(عامل یمن میں تبلیغ اسلام کیلیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے معاذ بن جبل اور ابو موسیٰ اشعری کو نامزد فرمایا، دونوں صاحب یمن کے ایک ایک ضلع میں بھیجے گئے، چلتے وقت آپ نے ان لوگوں کو جو باتیں تعلیم فرمائیں وہ درحقیقت اسلامی تبلیغ کے اصول ہیں، آپ نے فرمایا "سہولت سے کام کرنا، سخت گیری نہ کرنا، لوگوں کو خوشخبری سُنانا، نفرت نہ دلانا، دونوں ملکر کام کرنا، تم کو ایسے لوگ ملیں گے جو پہلے سے کوئی مذہب رکھتے ہیں، جب اُنکے ہاں پہنچنا تو پہلے اُن کو توحید اور رسالت کی دعوت دینا، جب وہ اُسکو تسلیم کرلیں تو کہنا کہ خدا نے تم پر روز و شب میں پانچ وقت کی نماز بھی فرض کی ہے، جب یہ بھی مان لیں تو اُنکو سمجھانا کہ تم پر زکواۃ بھی واجب ہے، تم میں جو امیر ہوں اُنسے لیکر جو غریب ہیں اُن کو دیدی جائیگی، دیکھو جب وہ زکواۃ دینا منظور کرلیں تو چُن چُن کر اچھی اچھی چیزیں نہ لے لینا، مظلوموں کی بددعا سے ڈرتے رہنا، کہ اُس کے اور خدا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں"،

حضرت ابو موسیٰ نے پوچھا یا نبی اللہ! ہمارے مُلک یمن میں جَو اور شہد کی شراب بنتی ہے کیا یہ بھی حرام ہے؟ آپ نے فرمایا، ہر شے جو نشہ پیدا کرے حرام ہے[3])

نجران (یمن کے پاس ہی نجران کا ضلع ہے، نجران عرب میں عیسائیت کا خاص مرکز تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مغیرہ بن شعبہ کو جو صلح حدیبیہ ۶ھ سے پہلے اسلام لاچکے تھے دعوتِ اسلام کے لیے نجران بھیجا، عیسائیوں نے قرآن پر اعتراضات شروع کئے، یہ جواب نہ دیسکے اور واپس چلے آئے[4]، اُسکے بعد آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دعوتِ اسلام کا انکو خط بھیجا، جس میں تحریر تھا کہ اگر اسلام قبول نہ ہو تو اسلام کی سیاسی اطاعت قبول کرو، اور جزیہ دو[5]، اہل نجران نے راہبوں اور مذہبی پیشواؤں کی ایک جماعت کو دریافت حال کے لیے مدینہ بھیجا اس وفد کا تفصیلی بیان آگے آئے گا،

نصاریٰ کے علاوہ نجران میں مشرکین کی بھی کچھ آبادی تھی، ان میں ایک قبیلہ بنو حارث بن زیاد تھا،

---

[1] طبری، صفحہ ۱۷۶۳، [2] اضافہ تا بحرین، [3] یہ پورا واقعہ صحیح بخاری جزء غزوات میں مذکور ہے، ہم نے بخاری کی مختلف روایتوں کو یکجا کرلیا ہے، [4] ترمذی تفسیر سورۂ مریم، [5] زرقانی بحوالہ بیہقی،

جو مدان نام ایک بُت کو پوجتا تھا، اور اِسلیے عبد المدان کے نام سے مشہور تھا، ربیع الآخر سنہ ۱۰ھ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے خالد بن ولید کو وہان دعوت اسلام کے لیے بھیجا، حضرت خالد وہان پہنچے تو تین دن مین سارا قبیلہ مُسلمان ہوگیا، حضرت خالد نے یہان تھوڑے دن قیام کیا اور قرآن اور احکام اسلام کی تعلیم دی[۱]،

اہل یمن کے لیے دعاے خیر،

اہل یمن کا بغیر کسی ترغیب و ترہیب کے خلوص دل سے قبولِ اسلام کوئی ایسا واقعہ نہ تھا جو خاص رحمتِ الٰہی کا مستوجب نہو، جب اشعریون کی آمد کی خبر ہوئی تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مسلمانون کو بشارت دی کہ "کل اہلِ یمن آتے ہین، جو رقیق القلب اور نرم دل ہین[۲]" جب ہمدان مسلمان ہوا تو آپنے سجدۂ شکر ادا کیا، اور اُن کو غائبانہ سلامتی کی دُعا دی[۳]، "حمیر اور تمیم کا وفد آیا تو آپ نے پہلے تمیم کی طرف خطاب کیا! تمیم! بشارت قبول کرو" بنو تمیم نے کہا یا رسول اللہ! ہم نے بشارت تو قبول کرلی کچھ عطا بھی فرمائیے، آپنے مُنھ پھیر لیا کہ بشارت سے بڑھکر کیا چیز ہوسکتی تھی، پھر اہلِ یمن کی طرف رخ کر کے فرمایا، اے اہلِ یمن! تمیم نے بشارت قبول نہ کی، تم قبول کرلو، اہلِ یمن بے اختیار بول اُٹھے، اے خدا کے رسول ہم نے قبول کیا[۴]، پھر آپنے عام طور سے فرمایا "ایمان یمن کا ایمان ہے، اور دانائی یمن کی دانائی ہے"،

مبلّغین یمن یعنی حضرت علیؓ، معاذ بن جبل، اور ابو موسےٰ، حجۃ الوداع کے موقع پر یمن سے واپس آئے اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ حج ادا کیا، ان مبلّغین کے ساتھ یمن کے بہت سے نو مُسلم بھی حج و زیارت کو آئے،)

بحرین مین اسلام

بحرین ۸ھ بحرین ایران کی حدود حکومت مین داخل تھا، عرب کے قبائل وادیون مین آباد تھے، جن مین مشہور اور با اثر خاندان، عبد القیس، بکر بن وائل، اور تمیم تھے، ان مین سے عبد القیس کے قبیلہ مین سے منقذ بن حبان تجارت کے لیے نکلے، راہ مین مدینہ پڑتا تھا، وہان ٹھہرے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو معلوم ہوا تو اُنکے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کی دعوت دی، انھون نے اسلام قبول کیا، اور سورۂ فاتحہ اور اقرأ سیکھی، آنحضرت

(۱) زرقانی جلد ۳ صفحہ ۱۱۶، (۲) بخاری قدوم الاشعریین و اہل الیمن، (۳) زرقانی بحوالہ بیہقی، (۴) بخاری کتاب بدء الخلق و قدوم الاشعریین)

نے اُن کو ایک فرمان عنایت کیا، وہ سفر سے واپس گئے تو چند روز تک کسی سے اِسکا اظہار نہین کیا، لیکن اُنکی بیوی نے انکو نماز پڑھتے دیکھا تو اپنے باپ منذر بن عائذ سے شکایت کی، اُنھون نے منقذ سے دریافت کیا، بحث ومباحثہ کے بعد منذر بھی مسلمان ہوگئے، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا نامۂ مبارک لوگون کو سُنایا، سبنے اسلام قبول کرلیا[۱]،

صحیح بخاری (کتاب الجمعہ) مین روایت ہی کہ مسجدِ نبوی کے بعد سبسے پہلا جمعہ جس مسجد مین ادا کیا گیا وہ بحرین کی مسجد تھی، جو جواثی مین واقع ہے، اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحرین مین ابتدائی زمانہ مین اسلام کی اشاعت ہوچکی تھی،

اسلام قبول کرنیکے بعد ان لوگون نے چودہ[۱۴] شخصون کی ایک سفارت آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین بھیجی، جسکے افسر منذر بن الحرث تھے، ان کا قافلہ کاشانۂ نبوّت کے قریب آیا تو یہ لوگ اِس قدر بے تاب ہوئے کہ سواریون سے کود پڑے، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ہات چومے، لیکن منذر کو پاسِ ادب ملحوظ تھا، اُنھون نے قیامگاہ پر جاکر کپڑے بدلے، پھر خدمت مین حاضر ہوکر دست بوسی[۲] کی،

سنہ۸ھ مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے علاحضرمی کو تبلیغ اسلام کے لیے بحرین بھیجا، اُس زمانہ مین یہان ایران کی طرف سے منذر بن ساوی گورنر تھا، اُسنے اسلام قبول کیا اور اُس کے ساتھ تمام عرب اور کچھ عجم جو یہان مقیم تھے، مسلمان ہوگئے[۳]،

بحرین کے علاقہ مین "ہجر" ایک مقام ہی، یہان ایران کی طرف سے سیبخت حاکم تھا، آنحضرت (صلی اللہ

(۱) زرقانی، بحوالۂ کرمانی، قبیلۂ عبد القیس کی ایک سفارت کا ذکر صحیح بخاری مین ہی، اور وہ اس زمانہ کے بعد کی ہی، بخاری کی روایت سے بھی اِس قدر ثابت ہوتا ہے کہ عبد القیس اِس سفارت سے پہلے ایمان لاچکے تھے، اصابہ مین ابن شاہین سے جو روایت ہے وہ گو زرقانی کی روایت سے مختلف ہے اور رئیس سفارت کے نام مین اختلاف ہے تاہم اِس قدر روائتون سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی سفارت چھٹی ہجری سے پہلے کی ہے"،

(۲) زرقانی بہ روایت بیہقی، بسند جید، (۳) فتوح البلدان"،

علیہ وسلم) نے اُسکے نام بھی خط بھیجا تھا، اور اُس نے بھی اسلام قبول کیا[1]،

عمّان میں اسلام

عمّان ۸ھ اس شہر پر قبیلۂ ازد کا قبضہ تھا، اور عبید و جعفر یہاں کے رئیس تھے، ۸ھ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ابوزید انصاری کو جو حافظِ قرآن تھے اور عمرو بن العاص کو دعوت اسلام کا خط دیکر بھیجا، دونون رئیسون نے اسلام قبول کیا اور وہان کے تمام عرب اُن کی ترغیب سے اسلام لائے[2]،

حدودِ شام میں اسلام

عرب شام ۹ھ شام کے اطراف مین جو عرب آباد تھے، اُن مین متعدد ریاستین تھین، ان مین سے معان اور اس کے اضلاع فروۃ بن عمرو کے زیر حکومت تھے، لیکن خود فروۃ رومی سلطنت کی طرف سے گویا گورنر تھے؛ اُنھون نے اسلام سے واقفیت پیدا کی تو مسلمان ہو گئے اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین اظہار اسلام کے ساتھ ایک خچر ہدیہ کے طور پر بھیجا، (عیسائی) رومیون کو اُن کے اسلام کا حال معلوم ہوا تو اُن کو گرفتار کر کے سُولی دیدی، اُسوقت یہ شعر اُن کی زبان پر تھا[3]،

بلغ سراۃ المسلمین باننی	(مسلمان سردارون کو میرا یہ پیغام پہنچا دو
سِلمٌ لربی اعظمی ومقامی	کہ میرا جسم اور میری عزت سب اپنے پروردگار کی نام پر نثار ہی)

(شام اور عرب کے درمیان، عذرہ، بلی، جذام وغیرہ قبایل آباد تھے، قبیلہ بلی مین حضرت عمرو بن العاص کا نانہال تھا، اس لیے ایک جماعت کے ساتھ اُن اطراف مین بھیجے گئے جب وہ جذام کے تالاب پر پہونچے تو انکو حملہ کا خوف ہوا۔ دربار نبوت مین اطلاع کی، وہان سے حضرت ابوعبیدہ کی ماتحتی مین بغرض حفاظت کچھ فوج بھیجی گئی اسی کو اہل سیر کی اصطلاح مین غزوۂ ذات السلاسل کہتے ہین۔)

---

[1] فتوح البلدان، ذکر بحرین، [2] فتوح البلدان، ذکر فتح عمان، [3] ابن ہشام، اسلام فروۃ، ذکر وفود،

وفودِ عرب

(جن لوگون نے مبلّغین اسلام کی دعوت قبول کرلینے کے بعد خود بارگاہِ نبوت مین جاکر اپنے اسلام کا اعلان کرنا چاہا، اربابِ سیر "وفود" کے عنوان سے ان کا ذکر کرتے ہین، اس قسم کے وفود کی تعداد بہت زیادہ ہے، ابنِ اسحاق نے صرف پندرہ وفود کا حال لکھا ہے، ابن سعد مین ساٹھ وفود کا تذکرہ ہے، دمیاطی مغلطائی زین الدین عراقی بھی یہی تعداد بیان کرتے ہین، لیکن مُصنّف سیرت شامی نے زیادہ استقصا کیا ہے، اور ایکسو چار وفود کے حالات بہم پُہنچائے ہین، اگرچہ ان مین کہین کہین ضعیف روایتون سے استناد کیا گیا ہے، اور اکثر وفود کے نام مبہم ہین، تاہم یہ مُسلّم ہے کہ اصل تعداد ابن اسحاق کی روایت سے کہین زیادہ ہے، حافظ ابن قیم اور قسطلانی نے نہایت تحقیق اور احتیاط کے ساتھ ان مین سے صرف ۳۴ وفود کی تفصیل کی ہے)

اصل یہ ہے کہ تمام عرب مکّہ کے فیصلۂ اخیر کا انتظار کر رہا تھا، مکّہ فتح ہوچکا تو یہ انتظار جاتا رہا، اب ہر قبیلہ نے چاہا کہ خود دارالاسلام مین جاکر کوئی فیصلہ کرے، اہل عرب کو یہ بات تو معلوم ہوچکی تھی کہ اب وہ اسلام کے مقابلہ مین سرکشی نہین کر سکتے۔ لیکن خیبر وغیرہ کی نظیرون سے یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام لانے پر وہ مجبور نہین ہین، بلکہ جزیہ یا کسی اور طریقہ سے صلح کر کے انکی سابق حالت قائم رہ سکتی ہے،

فتح مکّہ کے ساتھ ہی ہر طرف سے سفارتین آنی شروع ہوگئین اور بجز چند کے باقی جس قدر سفارتین آئین اُنھون نے بارگاہِ نبوت مین پُہنچکر وہ کچھ دیکھا کہ واپس آئے تو ایمان کی دولت سے مالامال آئے،

عرب کے سب سے طاقتور قبیلے جن کا اثر دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا، بنو تمیم، بنو سعد، بنو حنیفہ، بنو اسد، کندہ، سلاطین حمیر، ہمدان، ازد، اور طے، تھے، ان تمام قبائل کی سفارتین دربار نبوت مین آئین، ان مین سے بعض ملکی حیثیت رکھتی تھین یعنی جنکا مقصد صرف یہ تھا کہ بہ حیثیت فاتح کے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ معاہدہ کرلین لیکن اکثر اِس غرض سے آئین کہ اسلام کی حقیقت سے مطلع ہوکر اُسکے حلقہ مین آجائین،

یہ وفود زیادہ تر فتح مکّہ کے بعد ۸ھ و ۹ھ اور ۱۰ھ مین آئے، لیکن تسلسل بیان کے لیئے اِس سے پہلے کے چند وفود کا ذکر کرنا بھی موزون ہوگا،

مزینہ — یہ ایک بڑا قبیلہ تھا جو مضر تک پہنچکر قریش کے خاندان سے ملجاتا ہے، نعمان بن مقرن مشہور صحابی جو فتح مکہ مین قبیلہ مزینہ کے علمبردار تھے، اِسی قبیلہ سے تھے، اصفہان اِنہی نے فتح کیا تھا، ۵ھ مین اِس قبیلہ کے چار سو شخص، قبیلہ کے سفیر بنکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کیخدمت مین آئے اور اسلام لائے[۱]، عراقی نے سیرت منظوم مین لکھا ہے،

اوّل وفد وفد المدینہ — سب سے پہلا وفد جو مدینہ آیا وہ

سنۃ خمس وفد وامزینہ — مزینہ کا قبیلہ تھا جو ۵ھ مین آیا،

بنو تمیم — بنو تمیم کے وفود بڑی شوکت وشان سے آئے، قبیلہ کے تمام بڑے بڑے روسا، مثلاً اقرع بن حابس زبرقان، عمرو بن الاہتم، نعیم بن یزید، سب اِس سفارت مین شامل تھے، عیینہ بن حصن فزاری جو مدینہ کے حدود تک حملہ آور ہوا کرتا تھا وہ بھی ساتھ تھا،

یہ لوگ اگرچہ اسلام قبول کرنے کی غرض سے آئے تھے، تاہم عربی فخر وغرور کا نشہ ان مین اب بھی باقی تھا، دربار نبوت یعنی مسجد نبوی مین پہنچے تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) گھر مین تشریف رکھتے تھے، آستانۂ اقدس پر جاکر پکارے کہ محمد! (صلے اللہ علیہ وسلم) باہر آؤ، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) باہر تشریف لائے تو بولے کہ محمدؐ! (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم اس لیئے آئے ہین کہ تم سے مفاخرہ کرین، آپنے اجازت دی، عطارد بن حاجب، جو مشہور خطیب تھا، اور جسنے نوشیروان کے دربار سے حُسنِ تقریر کے صلہ مین کمخواب کا خلعت[۲] حاصل کیا تھا، اُٹھا اور اپنی قوم کے مفاخر پر ایک پُرزور تقریر کی جسکا خُلاصہ یہ تھا؛

" خدا کا شکر ہے جس کے الطاف کی بدولت ہم صاحب تاج وتخت، خزانہ ہائے گران بہا

[۱] اصابہ فی احوال الصحابہ،

کے مالک، اور مشرق مین تمام قومون سے معزز تر ہین، ہماری برابری آج کون کرسکتا ہے

ہماری ہمسرنگی کا جسکو دعویٰ ہو، وہ یہ خصائص و اوصاف گنائے جو ہمنے گنائے ہین، "

عطارد خطبہ دیکر بیٹھ گیا، تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ثابت بن قیس کو جواب دینے کا اشارہ کیا،

اُنھون نے جو تقریر کی اُس کا ماحصل یہ تھا:

" اُس خدا کی تعریف جسنے زمین اور آسمان بنائے، اُسنے ہمکو بادشاہت دی، اور اپنے

بندون مین سے بہترین شخص کو انتخاب کیا، جو سب سے زیادہ شریف النسب، سب

سے زیادہ راست گفتار، سب سے زیادہ شریف الاخلاق تھا، وہ تمام

عالم کا انتخاب تھا، اسلیے خدا نے اس پر کتاب نازل کی، اُسنے لوگون کو اسلام کی دعوت

دی، تو سب سے پہلے مہاجرین، اور اُنکے بعد ہم (انصار) نے دعوتِ اسلام پر لبیک کہا،

ہم لوگ انصار الٰہی، اور وزرائے رسالت ہین، "

تقریرین ہوچکین تو اشعار کی باری آئی، سفارت کی طرف سے تمیم کے مشہور شاعر زبرقان بن بدر نے قصیدہ پڑھا،

نحن الکرام فلاحیٌ یعادلنا ؟ — ہم شرفائے قوم ہین، کوئی قبیلہ ہمارا ہمسر نہین ہوسکتا،

منّا الملوکُ وفینا تنصب البیع — ہم مین تخت نشین ہین، اور ہم کلیساؤن کے بانی ہین،

روایتون مین آیا ہے کہ ایک شخص نے مدینہ مین آکر خطبہ دیا تو اسکی خوبی تقریر نے تمام حاضرین کو حیرت زدہ بنا دیا

اسوقت آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا "ان من البیان لسحرا" یعنی بعض بعض تقریرون مین جادو ہوتا ہے،

اصابہ فی احوال الصحابہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے زبرقان ہی کی تقریر پر یہ الفاظ ارشاد

فرمائے تھے، غرض جب زبرقان تقریر کر چکے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دربار رسالت کے شاعر یعنی حسّان

بن ثابت کیطرف دیکھا، اُنھون نے برجستہ کہا،

ان الذوائب من فہر و اخوتھم — شرفائے قبیلہ فہر و برادران فہر نے لوگون کو

قد بینوا سنّۃً للناس یتبعوا   وہ راستہ بتا دیا ہے جسکی وہ پیروی کرتے ہین،

ارکانِ سفارت مین اقرع بن حابس عرب کا مشہور حَکَم تھا، یعنی قومی مقدمات کا مرافعہ اُسکے پاس جاتا تھا اور اُس کے فیصلون پر لوگ گردن جھکا دیتے تھے، وہ اسلام لانے سے پہلے مجوسی تھا، اُسکو یہ دعویٰ تھا کہ جب سفارت کے ساتھ دربار رسالت مین آیا تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے کہا[1]،

ان حمدی لزین وان   مین جس کی تعریف کردون وہ چمک جاتا ہی

ذمّی لشین،   اور جسکو برا کہدون اسکو داغ لگ جاتا ہی،

نظم و نثر کی معرکہ آرائی ہو چکی تو سفارت نے اعتراف کیا کہ دربار رسالت کے خطیب اور شاعر دونون ہمارے شاعر اور خطیب سے افضل ہین، پھر سب نے اسلام قبول کیا؛

بنو سعد بنو سعد نے ضمام بن ثعلبہ کو سفیر بنا کر بھیجا، وہ جسطرح آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے دربار مین آئے، اور جس طریقہ سے سفارت ادا کی، اُس سے عرب کی اصلی سادگی اور آزادروی کا اندازہ ہو سکتا ہے، صحیح بخاری مین متعدد موقعون پر اس کا ذکر ہے، کتاب العلم کی روایت حسب ذیل ہی،

حضرت انس بن مالک کہتے ہین کہ ہملوگ دربارِ رسالت مین حاضر تھے، ایک شخص ناقہ پر سوار آیا، اور صحن مسجد مین آکر ناقہ سے اُترا، پھر حاضرین سے پوچھا "محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کس کا نام ہی؟ لوگون نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ "یہ گورے رنگ کے جو تکیہ لگائے بیٹھے ہین" پاس آکر کہا "اے عبد المطلب کے بیٹے" آپنے فرمایا کہ "مین جواب دیچکا" بولا کہ "مین تمسے کچھ باتین پوچھون گا، لیکن سختی سے پوچھون گا، اِس پر ناراض نہونا!" ارشاد ہوا کہ "جو پوچھنا ہو پوچھو" بولا کہ "اپنے خدا کی قسم کھا کر کہو، کیا تمکو خدا نے تمام دنیا کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے" آپ نے فرمایا "ہان"، پھر قسم دلا کر پوچھا کہ "کیا تمکو خدا نے پنجوقتہ نماز کا حکم دیا ہے؟" اِسی طرح زکوۃ، روزہ، حج کی نسبت پوچھا اور آپ برابر "ہان" فرماتے جاتے تھے، جب سب احکام سُن لیے تو کہا کہ "میرا نام ضمام بن ثعلبہ ہی،

[1] اصابہ تذکرہ اقرع بن حابس،

اور مجھکو میری قوم نے بھیجا ہے، مین جاتا ہون، اور جو تمنے بتایا ہے مین اُس سے ایک ذرّہ نہ زیادہ کرون گا، نہ کم؛" وہ جا چکا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر یہ سچ کہتا ہے تو اُسنے فلاح پائی[۱]"؛

ضمام نے واپس جاکر اپنی قوم سے کہا کہ "لات وعزّٰی کوئی چیز نہین" لوگون نے کہا، کیا کہتے ہو! تمکو جنون یا جذام نہو جائے" اُنھون نے کہا، خدا کی قسم وہ نہ کچھ فائدہ پُہنچا سکتے ہین نہ ضرر، مین تو خدا اور محمّد (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لاتا ہون" اُنکی مختصر تقریر کا یہ اثر تھا کہ شام نہین ہونے پائی تھی کہ قبیلہ کا قبیلہ زن و مرد بچّے سب مسلمان[۲] تھے،

اشعریین ۷ھ یمن کا ایک نہایت معزز قبیلہ اشعریین کا تھا، ابو موسےٰ اشعری اسی قبیلہ سے ہین، اِن لوگون نے جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کی خبر سنی تو ترپن[۵۳] شخصون نے مدینہ کی ہجرت کا قصد کیا، اِسی قافلہ مین حضرت ابو موسیٰ اشعری بھی تھے، یہ لوگ جہاز مین سوار ہوکر چلے، لیکن ہوائے مخالف نے جہاز کو حبش مین پُہنچا دیا، وہان حضرت جعفر طیار موجود تھے، وہ اپنے ساتھ لیکر عرب کو روانہ ہوئے، اِس زمانہ مین خیبر فتح ہو چکا تھا اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) یہین تشریف فرما تھے، چنانچہ یہین لوگون نے شرف باریابی حاصل کیا،

یہ صحیح مسلم (فضائل اشعریین) کی روایت ہے، صحیح بخاری مین ہے کہ جب اشعریون کا وفد آیا تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے صحابہ سے فرمایا کہ تمھارے ہان یمن کے لوگ آتے ہین جو نہایت رقیق القلب اور نرم دل ہین؛ مسند احمد بن حنبل مین حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب اشاعرہ کا وفد آیا تو یہ لوگ جوشِ مسرت سے یہ رجز پڑھتے تھے،

غدا نلقی الاحبّۃ	(کل ہم دوستون سے ملین گے یعنی
محمّدًا وحزبہ	محمّدؐ اور پیروان محمّدؐ سے)

(بارگاہِ نبوت مین پہنچے، تو عرض کی "یا رسول اللہ! ہم اس لیئے حاضر ہوے ہین کہ اپنے مذہب کے کچھ احکام سیکھین،

[۱] یہ روایت صحیح بخاری مین مختلف ابواب مین منقول ہے، [۲] ابن ہشام،

اور ابتدائے کائنات کے کچھ حالات پوچھین، آپنے فرمایا "پہلے خدا تھا اور کچھ نہ تھا، اور اُس کا تخت پانی پر تھا"[1]

دوس سنہ — دوس عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہی، حضرت ابوہریرہؓ اسی قبیلہ سے ہین، اس قبیلہ کے مشہور شاعر اور رئیس طفیل بن عمرو تھے، وہ ہجرت سے پہلے مکہ گئے، قریش نے اُن کو منع کیا تھا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس نہ جائین، لیکن اتفاقاً ایک دفعہ یہ حرم مین گئے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نماز پڑھ رہے تھے، قرآن مجید سنکر متاثر ہوئے، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوکر عرض کی کہ آپ مجھکو اسلام کی حقیقت سمجھائین، آپنے اسلام کی تبلیغ کی، اور قرآن مجید کی آیتین سنائین، وہ نہایت خلوص سے اسلام لائے، وطن جاکر لوگونکو اسلام کی دعوت دی، لیکن اُنکے قبیلہ مین زنا کا بہت رواج تھا، لوگ سمجھے کہ اسلام کے بعد اس آزادی سے محروم ہوجائین گے، اس لئے لوگون نے تامل کیا، طفیل نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کیخدمت مین آکر یہ حقیقت بیان کی، آپنے دعا فرمائی کہ خدایا! دوس کو ہدایت دے، پھر طفیل سے ارشاد فرمایا کہ جاکر نرمی اور ملاطفت سے لوگون کو اسلام کی دعوت دو، غرض (دعائے نبوی کی برکت اور) طفیل کی ترغیب اور ہدایت سے لوگون نے اسلام قبول کیا، اور اسّی خاندان جن مین حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے، ہجرت کرکے مدینہ مین چلے آئے[2]،

بنو حرث بن کعب سنہ ۹ — یہ نجران کا ایک نہایت معزز خاندان تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حضرت خالدؓ کو انکے پاس دعوت اسلام کے لئے بھیجا، یہ لوگ نہایت خلوص کے ساتھ اسلام لائے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ان لوگون کو مدینہ مین بُلا بھیجا، چنانچہ قیس بن الحصین ویزید بن عبد المدان وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیخدمت مین حاضر ہوئے، چونکہ اکثر معرکون مین قبائل عرب پر غالب رہے تھے آپنے ان سے پوچھا کہ تمھارے غلبہ کے کیا اسباب تھے، بولے کہ ہم ہمیشہ متفق ہوکر لڑتے تھے، اور کسی پر ظلم نہین کرتے تھے آپنے قیس کو انکا رئیس مقرر کیا[3]،

قبیلۂ طے سنہ ۹ — یمن مین طے نہایت نامور قبیلہ تھا، اِس قبیلہ کے روسا، زید الخیل وعدیّ بن حاتم طائی تھے،

---

(1) صحیح بخاری باب بدء الخلق (2) اصابہ و زاد المعاد (3) ایضاً

اور اُنکے حدود حکومت الگ تھے

زید، زمانۂ جاہلیت کے مشہور شاعر، خطیب، خوش جمال، فیاض اور بہادر تھے ۹ھ مین یہ چند معزز اشخاص کے ساتھ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوئے، آپنے اُن کو اسلام کی دعوت دی، انھون نے مع اپنے ساتھیون کے نہایت صدق دل سے اسلام قبول کیا، شہسواری کی وجہ سے یہ زید الخیل کے لقب سے مشہور تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اِس لقب کو زید الخیر سے بدل دیا[1]،

عدی بن حاتم ۹ھ

عدی، مشہور حاتم طائی کے بیٹے اور قبیلۂ طے کے (سردار، اور مذہبًا عیسائی تھے،) سلاطین عرب کی طرح انکو بھی آمدنی کا چوتھا حصہ ملتا تھا، جس زمانہ مین اسلامی فوجین یمن گئین، یہ بھاگ کر شام چلے گئے، انکی بہن گرفتار ہو کر مدینہ مین آئین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے انکو بڑی عزت وحرمت سے رخصت کیا، وہ اپنے بھائی کے پاس گئین اور کہا کہ جسقدر جلد ہوسکے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو، وہ پیغمبر ہون یا بادشاہ ہر حال مین اُن کے پاس جانا مفید ہی، غرض عدی مدینہ آئے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مسجد مین تھے، عدی نے مسجد مین جا کر سلام کیا، آپنے جواب سلام کے بعد نام پوچھا، پھر انکو لیکر گھر کی طرف چلے، اِسی اثنا مین ایک بڑھیا آ گئی، اُسنے آپ کو روک لیا، اور دیر تک آپ سے کسی کام کے متعلق باتین کرتی رہی، عدی خود رئیس تھے، شام مین رومیون کا دربار دیکھا تھا، انکو حیرت ہوئی کہ شہنشاہ عرب ایک بڑھیا کے ساتھ اس مساوات سے پیش آتا ہی، اُسی وقت انکو خیال ہوا کہ یہ شخص بادشاہ نہین ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر مین تشریف لائے، چمڑے کا ایک گدا تھا، اُسکو عدی کی طرف بڑھایا، یہ اصرار کے بعد اُس پر بیٹھے، پھر حضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ کیون عدی! تم اپنی قوم سے مرباع لیتے تھے، لیکن یہ تو تمھارے مذہب (نصرانیت) مین جائز نہین[2]، پھر فرمایا کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے؟ بولے کہ نہین، پھر پوچھا کہ خدا سے کوئی بڑا ہی؟ بولے کہ نہین، آپنے فرمایا کہ یہودیون پر خدا کا غضب نازل ہوا ہی، اور عیسائی گمراہ ہو گئے ہین[3]،

---

[1] اصابہ و زاد المعاد [2] ابن ہشام اسلام عدی بن حاتم [3] مسند امام احمد حدیث عدی ترمذی تفسیر فاتحہ،

غرض عدی نے اسلام قبول کیا، اور اسقدر ثابت قدم رہے کہ ردّۃ کے زمانہ مین بھی ان پر کچھ اثر نہین پڑا، باپ کی سخاوت کا اثر ان مین بھی تھا، ایک دفعہ ایک شخص نے اِنسے سَو روپیے طلب کئے بولے کہ تم حاتم کے بیٹے سے اِس قدر حقیر رقم مانگتے ہو؛ بخدا ہرگز نہ دونگا[1]،

وفد ثقیف

(یاد ہوگا کہ) جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) طایف کا محاصرہ چھوڑ کر روانہ ہونے لگے تو صحابہ نے عرض کی تھی کہ آپ انکے حق مین بد دعا فرمائین، آپنے جن لفظون مین دعا فرمائی تھی یہ تھی،

اَللّٰھمّ اھدِ ثقیفا وائتِ بھم — اے خدا ثقیف کو ہدایت دے اور اُنکو میرے پاس بھیج،

(یہ دعا کرشمہ ربانی کا ایک اعجاز تھی، وہ قبیلہ جو تلوار سے زیر نہ ہوا، صداقت کے جلال نے آستانۂ اسلام پر اسکی گردن جھکا دی،)

طائف دو رئیسون کے قبضہ مین تھا، جنمین ایک عروۃ بن مسعود تھے، جنکی نسبت کفار مکہ کہا کرتے تھے کہ کلام آلٰہی اترتا تو ان پر اُترتا، عروۃ اگرچہ ابتک اسلام نہین لائے تھے لیکن مادۂ قابل رکھتے تھے، حدیبیہ کی صلح بھی اِنہی کی سفارت سے انجام پائی تھی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب طائف سے واپس چلے تو خدا نے اِنکو اسلام کی توفیق دی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مدینہ نہین پہنچنے پائے تھے کہ وہ خدمت اقدس مین حاضر ہوئے اور اسلام لاکر واپس گئے، واپس جاکر انھون نے اسلام کا اظہار کیا اور لوگون کو اسلام کی ترغیب دی، لوگون نے انکو بہت بُرا بھلا کہا، صبح کو جب اپنے بالا خانہ پر اذان دی تو ہر طرف سے تیرون کا مینھ برسا، یہانتک کہ وہ شہید ہوگئے، مرتے وقت وصیت کی کہ محاصرۂ طائف مین جو مسلمان شہید ہوچکے ہین اُنہی کے پہلو مین دفن کئے جائین،

(عروہ کا خون رائگان نہین جاسکتا تھا، صخر بن عیلہ رئیس احمس یہ سُنکر کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) طائف کا محاصرہ کئے ہوئے ہین، کچھ سوار لیکر چل کھڑا ہوا تھا، اتفاق سے اُس وقت پہنچا جب آپ طایف چھوڑ کر

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عدی۔

مدینہ کی طرف مراجعت فرما چکے تھے، صخر نے عہد کیا کہ جب تک اہل طائف آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت قبول نہ کرلین گے، مین قلعہ کا محاصرہ نہ چھوڑون گا، آخر اہلِ طائف نے اطاعت قبول کرلی، صخر نے خدمتِ نبوی مین اطلاع کی، تو آپ نے مسجد نبوی مین تمام لوگون کو جمع کیا اور احمس کے لیے دس بار دعا فرمائی،[1]

چند روز کے بعد اہل طائف نے باہم مشورہ کیا کہ تمام عرب اسلام لاچکا، اب ہم اکیلے کیا کرسکتے ہین، غرض یہ رائے قرار پائی کہ چند سفیر مقرر کرکے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین بھیجے جائین،

اُنکی سفارت نے مدینہ کا رُخ کیا تو مسلمانون کو اس قدر مسرت ہوئی کہ سب سے پہلے مغیرہ بن شعبہ دوڑے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو جاکر خبر کرین، راہ مین حضرت ابوبکرؓ ملگئے انکو معلوم ہوا تو مغیرہ کو قسم دلائی کہ یہ خوشخبری مجھکو پہنچانے دو،

مغیرہ نے اِن لوگون کو تعلیم دی کہ دربار رسالت مین جانا تو اس طریقہ سے سلام عرض کرنا، لیکن یہ لوگ اُسی قدیم دستور کے موافق آداب بجالائے،

عبد یالیل، طائف کا مشہور رئیس امیر الوفد تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُس کو (حالانکہ اب تک وہ کافر تھا) مسجد نبوی مین اُتارا (کہ مسلمانون کی محویت و استغراق کو دیکھکر متاثر ہو)[2] یہ لوگ صحن مسجد مین خیمے نصب کراکر ٹھہرائے گئے، نماز اور خطبہ کے وقت یہ لوگ موجود رہتے تھے، گو خود شریک نہین ہوتے تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا معمول تھا کہ خطبون مین اپنا نام نہین لیتے تھے، ان لوگون نے آپس مین تذکرہ کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمسے تو اپنی پیغمبری کا اقرار لیتے ہین، لیکن خطبہ مین خود اپنی پیغمبری کا اقرار نہین کرتے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سُنا تو فرمایا کہ "مین سب سے پہلے شہادت دیتا ہون کہ مین فرستادۂ الٰہی ہون"،

جماعت سفراء مین عثمان بن ابی العاص سب سے کم عمر تھے، سفراء دربار نبوی مین آتے تو انکو بچہ سمجھکر قیامگاہ مین چھوڑ آتے، عثمان گو کمسن تھے، لیکن سب سے زیادہ تیز فہم اور مائل تحقیق تھے، انکا معمول تھا کہ جب سفراء دن کو

---

[1] ابو داؤد باب اقطاع الارضین، [2] ابو داؤد، باب ماجاء فی خبر الطائف،

قیلولہ کرتے تو یہ چپکے سے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوتے اور قرآن مجید اور مسائل اسلام سیکھتے یہانتک کہ اکثر ضروری مسائل سیکھ لیئے،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ ان لوگون کو اسلام کی تبلیغ کرتے (نماز عشا کے بعد انکے پاس تشریف لیجاتے اور کھڑے کھڑے اُن سے باتین کرتے، زیادہ تر مکہ مین قریش کے ہاتھ سے جو اذیتین اٹھائی تھین اُنکو بیان فرماتے مدینہ مین آکر جو لڑائیان پیش آئین، اُنکا بھی تذکرہ فرماتے[1]) بالآخر اُن لوگون نے اسلام پر آمادگی ظاہر کی لیکن یہ شرطین پیش کین،

۱۔ زنا ہمارے لیے جائز رکھی جائے، کیونکہ ہم مین سے اکثر مجرّد رہتے ہین، اور اسلیئے اُن کو اس سے چارہ نہین۔

۲۔ ہماری قوم کا تمام کاروبار اور ذریعۂ معاش سود ہے، اسلیئے سود خواری جائز رکھی جائے،

۳۔ شراب نہ روکا جائے، ہمارے شہر مین کثرت سے انگور پیدا ہوتا ہے اور یہ ہماری بڑی تجارت ہے۔

لیکن یہ تینون درخواستین نامنظور ہوئین، بالآخر ان لوگون نے کہا اچھا ہم یہ شرطین واپس لیتے ہین لیکن ہمارے معبود (طائف کا سب سے بڑا بت، جسکا نام لات تھا) کی نسبت کیا ارشاد ہے؟ آپنے فرمایا کہ وہ توڑ دیا جائیگا، یہ سنکر اُن کو سخت حیرت ہوئی کہ کیا کوئی شخص اُنکے خداے اعظم کو ہات بھی لگا سکتا ہے! بولے کہ اگر ہمارے معبود کو معلوم ہو جائے کہ آپ کا یہ ارادہ ہے تو وہ تمام شہر کو تباہ کر دیگا، حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا بولے کہ تم لوگ کسقدر جاہل ہو، منات صرف ایک پتھر ہے، ان لوگون نے کہا، عمر! ہم تمھارے پاس نہین آئے، یہ کہکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کی کہ ہم منات کو ہات نہین لگا سکتے، آپ جو چاہین کرین، لیکن ہمکو اس جرارت سے معاف رکھا جائے، آپنے یہ درخواست منظور کی[2]،

اِن لوگون نے نماز، زکوۃ، اور جہاد سے مستثنیٰ ہونے کی بھی درخواست کی، نماز سے معافی تو کسی حالت

[1] (ابوداؤد، باب تحزیب القرآن) [2] زاد المعاد، بحوالہ مغازی موسےٰ بن عقبہ۔

مین ممکن نہ تھی، وہ ہر روز پانچ دفعہ ادا کرنے کی چیز ہے! لیکن زکوٰۃ سال بھر کے بعد واجب ہوتی ہی، اور جہاد فرض کفایہ ہے، ہر شخص پر واجب نہین، اور واجب بھی ہو تو اُسکے خاص مواقع ہین، روز کا کام نہین، اس بنا پر اُسوقت ان دونون باتون پر انکو مجبور نہین کیا گیا، کیونکہ یہ معلوم تھا کہ جب وہ اسلام قبول کرلین گے تو رفتہ رفتہ خود ان مین صلاحیت آجائیگی، حضرت جابرؓ سے روایت ہی کہ مین نے اِس واقعہ کے بعد آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو یہ کہتے سنا کہ جب یہ ایمان لاچکین گے تو زکوٰۃ بھی دینے لگین گے، اور جہاد بھی کرینگے[۱] (چنانچہ دو ہی برس کے بعد حجۃ الوداع کا موقع آیا تو کوئی ثقفی ایسا نہ تھا جسنے اسلام نہ قبول کرلیا ہو[۲]۔)

سفارت جب واپس چلی تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ابوسفیانؓ اور مغیرۃ بن شعبہؓ کو بھیجا کہ شرط کے موافق طائف کے صنم اعظم (لات) کو جاکر توڑ آئین، مغیرہ نے طائف پہنچکر بتکدہ کو ڈھانا چاہا تو مستورات روتی ہوئی ننگے سر گھرون سے نکل آئین جو یہ اشعار پڑھتی جاتی تھین[۳]۔

الا ابکین دفّاع	(لوگون پر رو، کہ پست ہمتون
اَسْلَمَها الرضّاع	نے اپنے بتون کو دشمنون کے
لم یحسنوا المصاع	سپرد کردیا، اور معرکہ آرائی نہ کرسکے۔

(عربون مین کثیر الازدواجی کی عام عادت تھی، قبیلۂ ثقیف کے ایک نامور سردار غیلان بن سلمہ کی دس بیویان تھین، جب وہ مسلمان ہوا احکام اسلام کے مطابق چار کے سوا تمام بیویون سے اُس کو مفارقت کرنی پڑی[۴]،)

وفد نجران ۹ھ

نجران مکہ معظمہ سے یمن کی طرف سات منزل پر ایک وسیع ضلع کا نام ہے، جہان عیسائی عرب آباد تھے، یہان عیسائیون کا ایک عظیم الشان کلیسا تھا، جسکو وہ کعبہ کہتے تھے، اور حرم کعبہ کا جواب سمجھتے تھے، اُس مین بڑے بڑے مذہبی پیشوا رہتے تھے، جنکا لقب سیّد اور عاقب تھا، عرب مین عیسائیون کا کوئی مذہبی

[۱] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ، باب ماجاء فی خبر الطائف [۲] اصابہ ترجمہ جبیر بن حیہ ثقفی [۳] تاریخ طبری [۴] جامع ترمذی و ابوداؤد کتاب النکاح

مرکز اس کا ہمسر نہ تھا؛ اعشیٰ اسی کی شان مین کہتا ہے،

وکعبۃ نجران حتم علیک حتی تناخی بابوابھا

نزور یزید او عبد المسیح وقیسا ھم خیر اربابھا

یہ کعبہ، تین سو کھالون سے گنبد کی شکل مین بنایا گیا تھا، جو شخص اُسکے حدود مین آجاتا تھا وہ مامون ہوجاتا تھا، اِس کعبہ کے اوقاف کی آمدنی دو لاکھ سالانہ تھی[۱]،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اِن کو دعوت اسلام کا خط لکھا تو اُس کعبہ کے محافظ، اور ائمہ مذہب ساٹھ آدمیون کے ساتھ مدینہ مین آئے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اِنکو مسجد مین اُتارا، تھوڑی دیر کے بعد نماز کا وقت آیا تو ان لوگون نے نماز پڑھنی چاہی، صحابہؓ نے روکا، لیکن آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ پڑھنے دو، چنانچہ اِن لوگون نے مشرق کی طرف مُنھ کرکے نماز ادا کی؛ ابوحارثہ جو لارڈ بشپ تھا نہایت محترم اور فاضل شخص تھا قیصر روم نے اُسکو یہ منصب عطا کیا تھا اور اُسکے لیے گرجے اور معبد بنوائے تھے[۲]،

ان لوگون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے مختلف مذہبی مسائل پوچھے اور آپنے وحی کی رُو سے اِن کا جواب دیا۔

ان کے زمانۂ قیام مین سورۂ آل عمران کی ابتدا کی اسّی آیتین اُترین، ان آیتون مین اُنکے سوالات کا جواب تھا، جس آیت مین دعوتِ اسلام کی تشریح تھی وہ یہ ہے،

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ	کہدے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کو مان لین جو ہم
أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ	تم دونو مین مشترک ہے، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسیکی عبادت نہ کرین
بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا	اور کسیکو خدا کا شریک نہ بنائین، اور ہم مین کوئی کسیکو خدا کے سوا رب قرار دے
اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ، (آل عمران)	پھر اگر یہ لوگ نہ مانین تو کہدو کہ تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہین۔

[۱] یہ تمام تفصیل معجم البلدان مین ہے، پہلا فقرہ فتح الباری سے ماخوذ ہے جہان وفد نجران کا ذکر ہے [۲] زاد المعاد ابن قیم،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے جب انکو اسلام کی دعوت دی تو ان لوگون نے کہا، ہم تو پہلے سے مسلمان ہین، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ جب تک تم صلیب پوجتے ہو، عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہو کیونکر مسلمان ہو سکتے ہو؟ جب یہ لوگ اِس پر راضی نہ ہوئے تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے وحی کے مطابق اِن سے کہا کہ اچھا مباہلہ کرو یعنی ہم تم دونون اپنے اہل و عیال لیکر آئین اور دعا کرین کہ جو شخص جھوٹا ہو، اُس پر خدا کی لعنت ہو،

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ	تو جو شخص تجھسے علم آئے پیچھے جھگڑا کرتا ہے، اُس سے کہدے
تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَ	کہ آؤ اپنی اولاد اور اپنی عورتون کو اور خود اپنے آپ کو بُلائین
اَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى	پھر مباہلہ کرین اور خدا سے دعا کرین کہ ہم مین سے جو جھوٹا ہو اُسپر
الْكٰذِبِيْنَ ۝ (آل عمران)	خدا کی لعنت ہو،

لیکن جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) حضرت فاطمہ زہرا، اور امام حسن و حسین علیہما السلام کو لیکر مباہلہ کے لیے نکلے، تو خود اُنکی جماعت مین سے ایک شخص نے راے دی کہ مباہلہ نہین کرنا چاہیے؛ اگر یہ شخص واقعی پیغمبر ہے تو ہم لوگ ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائین گے، غرض اِن لوگون نے کچھ سالانہ خراج قبول کرکے صُلح کرلی،

بنو اسد، سنہ ۹ھ یہ وہ قبیلہ ہے جو لڑائیون مین قریش کا دست و بازو تھا، طلیحہ بن خویلد جس نے حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ مین نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اسی قبیلہ سے تھا، سنہ ۹ھ مین یہ لوگ بھی اسلام لائے، اور سفارت بھیجی لیکن ابتک اُن کے دماغ مین فخر کا نشہ باقی تھا، سفراء دربار رسالت مین آئے تو احسان کے لہجہ مین کہا کہ آپنے ہمارے پاس کوئی مہم نہین بھیجی بلکہ ہمنے خود اسلام قبول کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَيَّ اِسْلَامَكُمْ	یہ لوگ تمپر احسان رکھتے ہین کہ ہم اسلام لائے، کہدو کہ مجھپر
بَلِ اللّٰهُ يَمُنُّ عَلَيْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِيْمَانِ اِنْ كُنْتُمْ	اپنے اسلام کا احسان نہ رکھو، بلکہ خدا تمپر احسان رکھتا ہے کہ تمکو
صٰدِقِيْنَ ۝ (سورہ حجرات)	ایمان لانے کی ہدایت کی اگر تم سچے ہو۔

بنو فزارہ ۹ھ یہ نہایت سرکش اور زور آور قبیلہ تھا، عیینہ بن حصن اسی قبیلہ سے تھے، اس قبیلہ نے

رمضان ۹ھ مین جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) تبوک سے واپس تشریف لائے، اپنا وفد بھیجا، اور اسلام قبول کیا[1]،

کندہ ۱۰ھ

یہ حضرموت (یمن) کے اضلاع مین سے ایک شہر تھا، یہان کندی خاندان کی سلطنت تھی، اس زمانہ مین اس خاندان کے حاکم اشعث بن قیس تھے، یہ ۱۰ھ مین اسّی سوارون کے ساتھ بڑی شان وشوکت سے، حیرہ کی چادرین جنکے سنجاف حریر کے تھے کاندھون پر ڈالے بارگاہِ نبوی مین حاضر ہوئے، یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُنکو دیکھکر فرمایا "کیا تم اسلام نہین لاچکے"؟ بولے "ہان" آپ نے فرمایا کہ "پھر یہ حریر کیسا"؟ ان لوگون نے فوراً چادرین پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈالدین[2]،

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت مین اپنی بہن (ام فروۃ) سے اُنکی شادی کردی تھی، نکاح ہوچکا تو فوراً اٹھکر اونٹون کے بازار مین پہنچے اور جو اُونٹ سامنے آیا، تلوار سے اُسکی کوچین اڑا دین، تھوڑی دیر مین بیسون اونٹ زمین پر پڑے تھے، لوگون کو حیرت ہوئی، اُنہون نے کہا، مین اپنی دارالریاست مین ہوتا تو اور ہی سروسامان ہوتا، یہ کہکر اونٹون کے دام دیدیئے، اور لوگون سے کہا یہ آپ کی دعوت ہے[3]،

یہ جنگ قادسیہ ویرموک مین شریک تھے، اور صفین مین حضرت علیؓ کے ساتھ تھے،

عبدالقیس

یہ قبیلہ جیسا کہ اوپر گذر چکا، بحرین کا باشندہ تھا، یہان اسلام کا اثر بہت پہلے پہنچ چکا تھا، سب سے پہلے اس قبیلہ کے تیرہ آدمی ۵ھ مین یا اُس سے آگے پیچھے زمانہ مین خدمتِ نبوی مین حاضر ہوئے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ عرض کی، یارسول اللہ! ہم خاندان ربیعہ سے ہین، فرمایا "مرحباً لاخزایا ولاندامی" پھر ان لوگون نے عرض کیا، یارسول اللہ! ہمارا ملک بہت دُور ہے (بحرین) اور بیچ مین کُفّار مضر کی آبادیان ہین، ہم اشہرِ حرم کے سوا اور مہینون مین نہین آسکتے، چند ایسی باتین تلقین فرمائیے، جن پر ہمیشہ عمل کرین، اور اپنے اہل وطن کو بھی انکی تعلیم دین، ارشاد ہوا کہ مین تمکو چار باتون کا حکم دیتا ہون، خدا کو ایک جانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو، اور خمس دو، اور چار

---

[1] زرقانی [2] ابن ہشام وفد کندہ [3] اصابہ،

چیزون سے منع کرتا ہون، دُبّا، حنتم، نقیر، مزفّت،

دُبّا، حنتم، نقیر، مزفت، یہ عرب مین چار قسم کے برتن ہوتے تھے جنمین رکھکر شراب بنائی جاتی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف یہ جاری تھی کہ جس قبیلہ مین جو مخصوص عیوب ہوتے تھے اُن کے پند و موعظت مین انھین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے، لوگون کو تعجب تھا کہ حضور نے ان ظروف کا کیون مخصوص طور سے ذکر فرمایا، چنانچہ انہون نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! نقیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے؟ ارشاد فرمایا، ہان کھجور کی موٹی لکڑی کو اندر سے کھود کے تم اس مین پانی ڈالتے ہو، جب اُبال کم ہوجاتا ہے تو اُسکو پی کر اپنے بھائیون پر تلوار چلاتے ہو، اتفاق یہ کہ وفد مین ایک صاحب ایسے تھے جن پر یہی واقعہ گذرا تھا، انکی پیشانی پر تلوار کا داغ بھی تھا، اور اُسکو وہ شرم سے چھپائے[1] تھے،

بعض روایتون مین ہے کہ عبد القیس نے خود پوچھا[2] تھا کہ یا رسول اللہ! ہمکو کیا پینا چاہیے؟ اسکے جواب مین آپ نے اِن چارون چیزون کا ذکر فرمایا[3]،

بنو عامر بن صعصعہ ۹ھ

(بنو[4] عامر کا قبیلہ عرب کے مشہور قبیلہ قیس عیلان کی شاخ تھا، بنو عامر مین اُسوقت تین رئیس تھے، عامر بن طفیل، اربد بن قیس، اور جبّار بن سلمےٰ، عامر اور اربد صرف حصول جاہ کے خواہان تھے، یہ عامر وہی شخص تھا جو اس سے پہلے متعدد فتنون کا باعث ہوچکا تھا، اور اس وقت بھی شر کی نیت سے آیا تھا، جبّار اور قبیلہ کے عام لوگ البتہ خلوص قلب سے صداقت کے طالب تھے،

عامر مدینہ پہنچکر خاندان سلول کی ایک خاتون کا مہمان ہوا، جبّار اور مشہور صحابی کعب بن مالک مین پہلے کے مراسم تھے، اسلیے وہ تیرہ آدمیون کے ساتھ انہین کے گھر مہمان اُترے اور اسی تقریب سے کعب انکو لیکر خدمت

[1] صحیح بخاری وصحیح مسلم باب الایمان [2] صحیح مسلم باب الایمان، [3] بخاری ومسلم اور دیگر کتب صحاح مین عبد القیس کے اسی وفد کا ذکر ہے، ابن مندہ ودولابی وغیرہ نے اس قبیلہ کے ایک اور وفد کا ذکر کیا ہے جسمین ۴۰ آدمی شریک تھے، اس بنا پر علامہ قسطلانی نے اسی قبیلہ کے دو وفد قرار دیے ہین، پہلا تقریباً ۵ھ مین اور دوسرا ۱۰ھ مین، حافظ ابن حجر نے کتاب المغازی مین بعینہ یہی تحقیق کی ہے لیکن کتاب الایمان کی شرح مین دونون روایتون کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، [4] اضافہ ۱۲

رمضان سنہ ۹ھ مین جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) تبوک سے واپس تشریف لائے، اپنا وفد بھیجا، اور اسلام قبول کیا[1]،

کندہ سنہ ۱۰ھ — یہ حضرموت (یمن) کے اضلاع مین سے ایک شہر تھا، یہان کندی خاندان کی سلطنت تھی، اس زمانہ مین اس خاندان کے حاکم اشعث بن قیس تھے، یہ سنہ ۱۰ھ مین اسّی سوارون کے ساتھ بڑی شان و شوکت سے، حبرہ کی چادرین جنکے سنجاف حریر کے تھے کاندھون پر ڈالے بارگاہ نبوی مین حاضر ہوئے، یہ پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُنکو دیکھکر فرمایا "کیا تم اسلام نہین لا چکے"؟ بولے "ہان" آپ نے فرمایا کہ "پھر یہ حریر کیسا"؟ ان لوگون نے فوراً چادرین پھاڑ پھاڑ کر زمین پر ڈالدین[2]،

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت مین اپنی بہن (ام فروۃ) سے اُنکی شادی کردی تھی، نکاح ہوچکا تو فوراً اٹھکر اونٹون کے بازار مین پہنچے اور جو اُونٹ سامنے آیا، تلوار سے اُسکی کوچین اڑادین، تھوڑی دیر مین بیسون اونٹ زمین پر پڑے تھے، لوگون کو حیرت ہوئی اُنہون نے کہا، مین اپنی دارالریاست مین ہوتا تو اور ہی سروسامان ہوتا، یہ کہکر اونٹون کے دام دیدیئے اور لوگون سے کہا یہ آپ کی دعوت[3] ہی،

یہ جنگ قادسیہ و یرموک مین شریک تھے، اور صفین مین حضرت علیؓ کے ساتھ تھے،

عبدالقیس — یہ قبیلہ جیسا کہ اوپر گذر چکا، بحرین کا باشندہ تھا، یہان اسلام کا اثر بہت پہلے پہنچ چکا تھا، سب سے پہلے اس قبیلہ کے تیرہ آدمی سنہ ۵ھ مین یا اُس سے آگے پیچھے زمانہ مین خدمت نبوی مین حاضر ہوئے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ عرض کی، یا رسول اللہ! ہم خاندان ربیعہ سے ہین، فرمایا "مرحبا لا خزایا و لا ندامی" پھر ان لوگون نے عرض کیا، یا رسول اللہ! ہمارا ملک بہت دُور ہے (بحرین) اور بیچ مین کُفّار مضر کی آبادیان ہین، ہم شہر حرم کے سوا اور مہینون مین نہین آسکتے، چند ایسی باتین تلقین فرمایئے، جن پر ہمیشہ عمل کرین، اور اپنے اہل وطن کو بھی انکی تعلیم دین، ارشاد ہوا کہ مین تمکو چار باتون کا حکم دیتا ہون، خدا کو ایک جانو، نماز پڑھو، روزہ رکھو، اور خمس دو، اور چار

[1] زرقانی [2] ابن ہشام وفد کندہ [3] اصابہ،

چیزون سے منع کرتا ہون، دُبّا، حنتم، نقیر، مُزَفَّت،

دُبّا، حنتم، نقیر، مزفت، یہ عرب مین چار قسم کے برتن ہوتے تھے جنمین رکھکر شراب بنائی جاتی تھی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی عادت شریف یہ جاری تھی کہ جس قبیلہ مین جو مخصوص عیوب ہوتے تھے اُن کے پند و موعظت مین انھین کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرماتے تھے، لوگون کو تعجب تھا کہ حضور نے ان ظروف کا کیون مخصوص طور سے ذکر فرمایا، چنانچہ انہون نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! نقیر کے متعلق آپ کو کیا معلوم ہے؟ ارشاد فرمایا، ہان کھجور کی موٹی لکڑی کو اندر سے کھود کے تم اس مین پانی ڈالتے ہو، جب اُبال کم ہو جاتا ہے تو اُسکو پی کر اپنے بھائیون پر تلوار چلاتے ہو، اتفاق یہ کہ وفد مین ایک صاحب ایسے تھے جن پر یہی واقعہ گذرا تھا، انکی پیشانی پر تلوار کا داغ بھی تھا، اور اُسکو وہ شرم سے چُھپائے[1] تھے،

بعض روایتون مین ہے کہ عبد القیس نے خود پوچھا[2] تھا کہ یا رسول اللہ! ہمکو کیا پینا چاہیے؟ اسکے جواب مین آپ نے اِن چارون چیزون کا ذکر فرمایا[3]،

بنو عامر بن صعصعہ ۹ھ

(بنو عامر کا قبیلہ عرب[4] کے مشہور قبیلہ قیس عیلان کی شاخ تھا، بنو عامر مین اُسوقت تین رئیس تھے، عامر بن طفیل، اربد بن قیس، اور جبّار بن سلمیٰ، عامر اور اربد صرف حصول جاہ کے خواہان تھے، یہ عامر وہی شخص تھا جو اس سے پہلے متعدد فتنون کا باعث ہو چکا تھا، اور اس وقت بھی شر کی نیّت سے آیا تھا، جبّار اور قبیلہ کے عام لوگ البتہ خلوص قلب سے صداقت کے طالب تھے،

عامر مدینہ پہنچکر خاندان سلول کی ایک خاتون کا مہمان ہوا، جبّار اور مشہور صحابی کعب بن مالک مین پہلے کے مراسم تھے، اسلیے وہ تیرہ آدمیون کے ساتھ انہین کے گھر مہمان اُترے اور اسی تقریب سے کعب انکو لیکر خدمت

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الایمان [2] صحیح مسلم باب الایمان، [3] بخاری و مسلم اور دیگر کتب صحاح مین عبد القیس کے اسی وفد کا ذکر ہے، ابن مندہ و دولابی وغیرہ نے اس قبیلہ کے ایک اور وفد کا ذکر کیا ہے جسمین ۴۰ آدمی شریک تھے، اس بنا پر علامہ قسطلانی نے اسی قبیلہ کے دو وفد قرار دیے ہین، پہلا تقریباً ۵ھ مین اور دوسرا ۸ھ مین، حافظ ابن حجر نے کتاب المغازی مین بعینہ یہی تحقیق کی ہے لیکن کتاب الایمان کی شرح مین دونون روایتون کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، [4] اضافہ ۱۲

اقدس مین حاضر ہوئے، بنو عامر نے سلسلۂ کلام مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے خطاب کرکے کہا "انت سیّدنا" حضور ہمارے آقا ہین، آپنے فرمایا "السیّد اللہ" آقا خدا ہے، اُنھون نے پھر عرض کی، حضور ہم مین سبسے افضل اور سب سے بڑھکر فیاض ہین، ارشاد ہوا، بات بولو تو اس کا لحاظ رہے کہ شیطان تم کو بہکا نہ لیجائے، یعنی یہ تکلّف اور تملّق بھی ایک قسم کا جھوٹ [1] ہے،

عامر بن طفیل نے کہا، محمدؐ! تین باتین ہین، اہل بادیہ پر تم حکومت کرو، اور شہر میرے قبضہ مین ہون، اگر یہ نہین تو اپنے بعد مجھے اپنا جانشین بنا جاؤ، اگر یہ بھی منظور نہ ہو تو مین غطفان کو لیکر چڑھ آؤنگا، عامر نے اربد کو یہ سمجھا دیا تھا کہ مین اِدھر محمدؐ کو باتون مین لگاؤن گا اُدھر تم ان کا کام تمام کردینا، اب عامر نے جو دیکھا تو اربد مین جنبش تک نہ تھی، نبوت کے غیر مرئی جاہ وجلال نے اُسکی آنکھین خیرہ کردی تھین، دونون اُٹھکر چلے آئے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "خدایا اُنکے شر سے بچانا" عامر کو طاعون ہوگیا، عرب مین صاحب فراش ہونا شرم کی بات تھی، عامر نے کہا مجھے گھوڑے پر بٹھا دو، گھوڑے پر بٹھا دیا گیا، اور اُسی پر اُسنے دم توڑا،

جبّار اور عامر اشخاص ایمان کی دولت سے مالا مال ہوکر دار الاسلام سے واپس آئے [2]،

حمیر وغیرہ کی سفارت

حمیر مین مستقل سلطنت نہین رہی تھی، سلاطین حمیر کی اولاد نے چھوٹی چھوٹی ریاستین قائم کرلی تھین اور برائے نام بادشاہ کہلاتے تھے، عربی مین اُنکا لقب قیل تھا، یہ لوگ خود نہین آئے، لیکن قاصد بھیجے کہ ہمنے اسلام قبول کرلیا ہے،

اسی زمانہ مین بہراء، بنو بکار وغیرہ کی سفارتین بھی آئین،

---

[1] مشکوۃ باب المفاخرت، بحوالۂ ابو داؤد [2] عام واقعات ابن اسحاق وزرقانی سے ماخوذ ہین، عامر کی تقریر اور اُسکی موت کا واقعہ صحیح بخاری مین مذکور ہے۔

تاسیس حکومتِ الٰہی

استخلاف فی الارض،

لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ

(تیرہ و تار راتون کے بعد سپیدۂ صبح نمودار ہوتا ہے، گھنگھور گھٹائین جب چھٹ جاتی ہین تو خورشید تابان ضیا گستری کرتا ہے، دنیا گنہگاریون اور ظلم وستم کی تاریکیون سے گھری ہوئی تھی، کہ دفعتہً صبح سعادت نے ظہور کیا، اور حق وصداقت کا آفتاب پرتو افگن ہوا، عرب جس طرح ایک خدا کو پوجنے لگا تھا، اب وہ صرف ایک ہی حکومت کے ماتحت تھا،

خدائے پاک نے وعدہ فرمایا تھا،

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِیْنَھُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَھُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّھُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِھِمْ اَمْنًا ط یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ط (نور)

خدانے تم مین سے ایمان دارون اور نیکو کارون سے وعدہ کیا ہے کہ انکو بےشبہہ زمین مین اپنی خلافت اسی طرح عطا کریگا جسطرح کہ گذشتہ امتون کو اُسنے اپنی خلافت عطا کی تھی، اور اُنکے اس مذہب کو جسکو اُسنے انکے لیے پسند کیا ہے یقیناً قوت بخشے گا اور اُنکی بے امنی کو امن سے بدل دیگا کہ مجھکو پوجین اور کسی کو میرا شریک نہ بنائین،

حکومت الٰہی و استخلاف فی الارض نبوت کے ضروری لوازم نہین لیکن جب دعوتِ الٰہی سیاستِ مُلکی کی دیوارون سے آکر ٹکراتی ہے یا جب اصلاحات کا دامن ملک کی بدامنی و انتشار حال کے کانٹون مین اُلجھ جاتا ہے تو پیغمبر ابراہیم[1] اور موسیٰ کے قالب مین آگے بڑھتا ہے، اور قوم و ملک کو نمارده و فراعنہ کی غلامی سے آزادی دلاتا ہے،

[1] اضافہ ۲ حضرت ابراہیم اپنے قبیلہ کے شیخ تھے، چارسو غلامون کی فوج ساتھ رہتی تھی، شام و اطراف بابل کے کئی بادشاہون سے انکو لڑنا پڑا، اور خدانے ان سے وعدہ کیا کہ انکی اولاد کو ارض مقدس کی حکومت عطا کریگا، (توراۃ، سفر تکوین)

پیغمبرون مین عیسیٰ اور یحییٰ بھی گذرے ہین جنکو حکومت کا کوئی حصہ نہین ملا تھا، اور موسیٰ اور داؤد و سلیمان بھی جو قومون اور ملکون کی قسمت کے مالک تھے، لیکن محمد رسول اللہ عیسیٰ و یحییٰ بھی تھے، اور موسیٰ و داؤد بھی، عرب کے خزانے دست تصرف مین تھے، لیکن کاشانہ نبوت مین نہ کوئی نرم بستر تھا، نہ غذاے لطیف، نہ جسم مبارک پر خلعت شاہانہ تھا، نہ جیب و آستین مین درہم و دینار، عین اسوقت جب اُس پر کسریٰ و قیصر کا دھوکا ہوتا تھا، وہ گلیم پوش، مکہ کا یتیم، اور آسمان کا معصوم فرشتہ نظر آتا تھا۔

اسلام کی حکومت کی غرض و غایت جسکو خدا نے خود اپنے الفاظ مین ظاہر فرمایا ہے، یہ تھی،

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ،

(سورۃ الحج)

مسلمان جن سے (بلا سبب) جنگ کیجاتی ہے، اب اُن کو بھی جنگ کی اجازت دیگئی کہ وہ مظلوم ہین، اور خدا انکی مدد پر قادر ہے، وہ جو ناحق اپنے گھرون سے نکال دیے گئے، سوا اسکے ان کا کوئی اور قصور نہ تھا کہ وہ یہ کہتے تھے کہ ہمارا پروردگار ہی ہمارا خدا ہے، اگر دنیا مین ایک قوم کو دوسری قوم سے بچایا نہ جائے تو بہت سی خانقاہین، کلیسے، عبادتگاہین مسجدین جنمین اکثر خدا کا نام لیا جاتا ہے، برباد کردی جائین، جو خدا کی مدد کرتا ہے خدا اُسکی مدد کرتا ہے، خدا طاقتور اور غالب ہے، (مسلمان) وہ ہین جنکو اگر خدا زمین مین قوت عطا کرے تو عبادت الٰہی کرین، مستحقین کی مالی اعانت کرین (زکوٰۃ) لوگون کو نیکیون کی تاکید کرین، برائیون سے روکین انجام کار خدا ہی کے ہاتھ مین ہے۔

ان آیتون مین بالاجمال یہ بتایا گیا ہے کہ اسلام مین غزوات کی ابتدا کیون، اور کیونکر ہوئی؟ اسلام کی حکومت

کے کیا اغراض و مقاصد تھے، اور استخلاف فی الارض کے کیا فرائض ہین؟ اور دنیا کی عام حکومتون سے وہ کن امور مین ممتاز ہے؟ ان مباحث کا اصولی اور مفصل بیان کتاب کے دوسرے حصّون مین آئیگا، یہان عرب کے نظم ونسق کے متعلق عام اور جزئی باتین بیان کرنی منظور ہین۔

صفحات بالا سے معلوم ہوچکا ہے کہ اب تمام عرب مین امن وامان قائم ہے، سیاسی مشکلات کا خاتمہ ہوچکا ہے ملک کے ہر گوشہ مین دُعاۃ اسلام پھیلے ہوئے ہین، قبائل دور دراز صوبون سے بارگاہِ نبوت کا رُخ کررہے ہین، فتح مکہ اسلام کی شہنشاہی کا پہلا دن تھا، جو رمضان ۸ھ کا واقعہ ہے، اسی کے بعد آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے قبائل مین محصّلین زکوۃ کا تقرر فرمایا، لیکن اصل خلافتِ الٰہی کے تمام اجزاء، اواخر ۱۰ھ مین زمانۂ حجۃ الوداع کے قریب تکمیل پائے،

یورپ کی ناآشنا نگاہ مین اگرچہ آپکی زندگی کا یہ دور جدید ایشیائی شاہانہ زندگی کا ایک طرب انگیز منظر تھا، لیکن آشنایانِ حقیقت کو شہنشاہ عرب پھٹے پُرانے کپڑون مین، مدینہ کی گلیون کے اندر غلامون اور مسکینون کے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، وہ تاج وتخت سے بے نیاز، قصر وایوان سے مستغنی، حاجب ودربان سے بے پروا، مال وزر سے خالی، خدم وحشم کے بغیر دلون پر حکومت کررہا تھا، نہ اُسکی حکومت مین پولیس تھی، نہ بڑے بڑے انتظامی دفاتر، نہ کثیر التعداد ارباب مناصب، نہ وزراے مشورہ، نہ امراے سیاست، نہ الگ الگ حُکام وقضاۃ، وہ ایک ہی ذات تھی جو ہر فرض وخدمت کی خود ذمّہ دار تھی، لیکن بااین ہمہ وہ اپنے آپ کو عام مسلمانون سے اونٹ کے ایک بال کا بھی زیادہ مستحق[1] نہین سمجھتا تھا، اُسکے عدل وانصاف کے آگے فاطمہ جگر گوشۂ نبوّت اور عام مجرم برابر[2] تھے،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کا اصل مقصد دعوتِ مذہب، اصلاح اخلاق، اور تزکیۂ نفوس تھا، اسکے علاوہ اور تمام فرائض محض ضمنی تھے، اس بنا پر انتظامات ملکی آپنے اُسی حد تک قائم کیے، جہانتک ملکی بدامنی کے باعث دعوت توحید کے لیے عوائق پیش آتے تھے، تاہم یہ کام بھی کچھ کم اہم نہ تھا،

---

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب صلوۃ القاعد [2] صحیح بخاری کتاب الحدود،

انتظام ملکی

عمر شریف اسوقت ساٹھ برس کی تھی، اِس عمر مین اس حکومت کے تمام کام خود انجام دیتے تھے، ولاۃ، اور عمال کا تقرر، موذنین اور ائمہ کا تعین، مُحصّلین زکوۃ وجزیہ کی نامزدگی، غیر قومون سے مصالحت، سلمان قبائل مین جائدادون کی تقسیم، فوجون کی آراستگی، مقدمات کا فیصلہ، قبائل کی خانہ جنگیون کا انسداد، وفود کیلئے تعین وظائف، اجراے فرامین، نومسلمون کے انتظامات، مسائل شرعیہ مین افتا، جرائم کے لیئے اجراے تعزیر، ملک کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات، عہدہ دارون کی خبرگیری اور احتساب۔ دُور کے صوبون مین متعدد صحابہ گورنر اور والی بناکر بھیجدیئے گئے تھے، لیکن خود مدینہ اور اطراف مدینہ کے فرائض آپ خود انجام دیتے تھے،

خلافت الٰہی کے اِن فرائض واعمال نے آپ کے دل و دماغ پر جو بار عظیم ڈالا، اُس نے آپکے نظام جسمانی کو چور چور کردیا، عام روایتون سے ثابت ہی کہ آپ آخر زندگی مین تہجد کی نماز بیٹھکر پڑھا کرتے تھے جو ضعف جسمانی کا اقتضا تھا، لیکن یہ ضعف جسمانی خود کس چیز کا نتیجہ تھا، اس کا جواب حضرت عائشہ کی زبان سے سننا چاہیئے، جن سے بڑھکر آپکے اعمال زندگی کا کوئی ترجمان نہین ہوسکتا،

عن عبد اللہ بن شقیق قال سالت	عبد اللہ بن شقیق کہتے ہین کہ مین نے حضرت عائشہ سے
عائشۃ افکان یصلّی قاعدا قالت حین	پوچھا کہ کیا آنحضرت صلعم بیٹھکر نماز پڑھتے تھے، اُنھون نے کہا
حطمہ الناس[1]،	ہان لیکن اُسوقت جب لوگون نے آپکو چور چور کردیا تھا،

امیر العسکری

چھوٹے چھوٹے غزوات وسرایا کے امیر الجیش اگرچہ اکابر صحابہ ہوتے تھے، لیکن جو بڑے بڑے معرکے پیش آتے تھے، اُنکی قیادت خود آپ بہ نفس نفیس فرماتے تھے، چنانچہ بدر، اُحد، خیبر، فتح مکہ، تبوک، مین خود آپہی امیر العسکر تھے، اس کا مقصد صرف فوج کا لڑانا اور آخری فتح وظفر حاصل کرنا نہ تھا، بلکہ فوج کی عام اخلاقی اور روحانی نگرانی کرنا تھا، چنانچہ آپنے مجاہدین اسلام کی جن جزئی سے جزئی بے اعتدالیون پر گرفت فرمائی ہے وہ احادیث مین بہ تصریح مذکور ہین، اور اسلام کا قانون جنگ اسی دار وگیر کے ذریعہ سے وجود مین آیا ہے،

[1] ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ،

افتا | آپ کے عہد مبارک مین اگرچہ متعدد صحابہ بھی بطور خود فتویٰ دیتے تھے، لیکن زیادہ تر آپ ہی اس فرض کو بھی ادا کرتے تھے، فتویٰ دینے کے لئے آپ نے کوئی خاص وقت مقرر نہین فرمایا تھا، بلکہ چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، غرض جس وقت لوگ آپ سے احکام اسلام کے متعلق سوالات کرتے تھے آپ اُنکا جواب دیتے تھے، چنانچہ امام بخاری نے کتاب العلم مین، ان فتاوے کو اس قسم کے متعدد ابواب مین تقسیم کر دیا ہے، خلافت کا یہی فرض تھا، جسکو حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین نہایت ترقی دی اور اس کا ایک مستقل صیغہ قائم کر دیا،

فصل قضایا | اگرچہ آپکے عہد مبارک مین عہدۂ قضاءت قائم ہو چکا تھا، اور حضرت علیؓ، اور حضرت معاذ بن جبل کو آپ نے خود یمن کا قاضی مقرر فرما کے بھیجا تھا تاہم مدینہ اور اُسکے حوالی و مضافات کے تمام مقدمات کا آپ خود فیصلہ کرتے تھے، اس کے لیے کسی قسم کی روک ٹوک اور پابندی نہ تھی، امام بخاری نے ایک خاص باب باندھا ہے جسکا عنوان یہ ہے،

باب ما ذکر ان النبی صلے اللہ علیہ وسلم لم یکن لہ بواب | یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر دربان نہ تھا،

اس بنا پر گھر کے اندر بھی آپ اطمینان و سکون کے ساتھ نہین بیٹھ سکتے تھے، عورتون کے معاملات عموماً زنانخانہ ہی مین پیش ہوتے تھے، احادیث کی کتابون مین آپکے فیصلون کا اتنا ذخیرہ موجود ہے کہ اگر اُنکا استقصا کیا جائے تو ایک ضخیم جلد تیار ہو جائے، عموماً احادیث کی کتاب البیوع مین دیوانی کے مقدمات اور کتاب القصاص والدیات وغیرہ مین فوجداری کے مقدمات مذکور ہین،

توقیعات وفرامین | یہ اس قدر اہم کام تھا کہ عہد مبارک مین اگرچہ اور صیغون کا کوئی مستقل دفتر نہین قائم ہوا تھا تاہم توقیعات اور فرامین کے لئے اسکی ابتدائی شکل قائم ہو چکی تھی، چنانچہ اس خدمت پر حضرت زید بن ثابت، اور آخر مین معاویہؓ بھی مامور ہوئے، انکے علاوہ اور دوسرے صحابہؓ بھی وقتاً فوقتاً یہ خدمت انجام دیتے تھے، آپ نے سلاطین و ملوک کو دعوت اسلام کے جو خطوط روانہ فرمائے، غیر قومون کے ساتھ جو معاہدے کئے، مسلمان قبائل کو جو احکام بھیجے، عمال و محصلین کو جو تحریری فرامین عنایت کئے، فوج کا جو رجسٹر مرتب کرایا، بعض صحابہؓ کو جو

حدیثین لکھوائین، وہ سب اسی سلسلہ مین داخل ہین، زرقانی وغیرہ نے آپکے احکام وفرامین تحریری کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے،

مہمانداری

منصب نبوت کے بعد آپ کی ذاتی حیثیت تقریباً فنا ہوگئی تھی، اسلیئے آپکی خدمت مین جو لوگ حاضر ہوتے تھے انکا تعلق بھی خلافت الٰہی یا نبوت ہی کے ساتھ ہوتا تھا، اور آپ اسی حیثیت سے اُنکی مہمانداری فرماتے تھے، مہمانون کی زیادہ تر تعداد قبول اسلام کے لیئے آتی تھی، جن کی مہمانداری کے لیئے آپ نے ابتداء نبوت ہی سے خاص طور پر حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کو مامور فرما دیا تھا، چنانچہ جب کوئی تنگدست مسلمان آپکی خدمت مین حاضر ہوتا اور آپ اُسکو برہنہ تن دیکھتے تو حضرت بلالؓ کو حکم دیتے اور وہ قرض لیکر اُسکے کھانے اور کپڑے کا انتظام کرتے، جب آپکے پاس کہین سے کچھ مال آتا تو اُسکے ذریعہ سے وہ قرض ادا کیا جاتا، یہان تک کہ اگر کوئی شخص آپ کو ذاتی طور پر ہدیہ دیتا تو وہ بھی اسی صیغہ مین صرف کیا جاتا[1]، کبھی کبھی اس غرض کے لیئے آپ تمام صحابہؓ کو صدقہ وخیرات کی ترغیب دیتے، اور جو رقم وصول ہوتی وہ ان مفلوک الحال مہاجرین کی اعانت مین صرف ہوتی، چنانچہ ایک بار مہاجرین کی ایک برہنہ پا برہنہ تن جماعت آپکی خدمت مین حاضر ہوئی، ہر شخص کے بدن پر صرف ایک چادر اور گلے مین ایک تلوار حمائل تھی، آپنے ان کی پریشان حالی کو دیکھا تو چہرے کا رنگ بدل گیا، فوراً حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا، نماز سے فارغ ہونیکے بعد ایک خطبہ مین تمام صحابہ کو ان لوگون کی اعانت کی ترغیب دی، اسکا یہ اثر ہوا کہ ایک انصاری اُٹھے اور ایک توڑا جو اس قدر وزنی تھا کہ اُنسے بمشکل اُٹھ سکتا تھا لاکر آپکے آگے ڈال دیا، اِس سے تمام لوگون مین اور بھی جوش پیدا ہوا، تھوڑی دیر مین ان بے سروسامان مہاجرین کے آگے غلہ اور کپڑے کا ڈھیر لگ گیا[2]،

فتح مکہ کے بعد تمام اطراف ملک سے بکثرت ملکی و مذہبی وفود آنے لگے، آپ بہ نفس نفیس اُن کی خاطر مدارات کرتے تھے، اور اُنکے لیئے حسب حاجت وظائف اور سفر کے مصارف ادا فرماتے تھے، قبائل پر اس کا بہت اچھا اثر پڑتا تھا، آپ اس کا اس قدر لحاظ فرماتے تھے کہ وفات کے وقت آپ نے جو آخری وصیتین فرمائی تھین،

---

[1] ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین، [2] مسند امام احمد حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۵۸،

ان مین ایک یہ بھی تھا،

اجیزوا الوفود بنحو ما کنت اجیزھم[1]   جس طرح مین وفود کو عطیہ دیا کرتا تھا تم بھی اُسیطرح دیا کرنا،

وفود کے حالات آگے آتے ہین،

عیادت مرضیٰ | (مریضون کی عیادت، اور انکی تجہیز و تکفین مین شریک ہونا اگرچہ ایک مذہبی فرض تھا اور مذہبی حیثیت سے اس کی ابتدا بھی ہوئی، چنانچہ جب آپ مدینہ مین تشریف لائے تو یہ عام دستور ہوگیا کہ دم نزع، میت کے اعزہ آپ کو اطلاع دیتے، آپ اُنکے پاس آکر اُنکے لیئے دعائے مغفرت کرتے[2]، لیکن بعض حیثیتون سے اسکا تعلق خلافت کے ساتھ بھی ہوگیا تھا، کیونکہ بعض صحابہ اس حالت مین اپنی جائداد کو وقف یا صدقہ کرنا چاہتے تھے، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اس موقع پر اُن کا صحیح طریقہ بتاتے تھے، جن لوگون پر قرض آتا تھا، آپ اُنکے جنازہ مین شریک نہین ہوتے تھے، اسلیئے اُنکے ورثہ یا دوسرے صحابہ کو مجبوراً یہ قرض ادا کرنا پڑتا تھا، اور اس طرح بعض معاملات و نزاعات کا فیصلہ ہوجاتا تھا، چنانچہ احادیث مین اس قسم کی متعدد مثالین موجود ہین،)

احتساب | تمدن اسلام کے دور ترقی مین محکمہ احتساب ایک مستقل محکمہ تھا جو نہایت وسیع پیمانہ پر تمام قوم کے اخلاق و عادات، بیع و شراء، اور معاملات داد و ستد کی نگرانی کرتا تھا، لیکن آنحضرت صلعم کے عہد مبارک مین یہ محکمہ قائم نہین ہوا تھا بلکہ خود ہی آپ اس فرض کو ادا فرماتے تھے، ہر شخص کے جزئیات اخلاق اور فرائض مذہبی کے متعلق آپ وقتاً فوقتاً دار و گیر فرماتے رہتے تھے، تجارتی معاملات کی بھی نگرانی فرماتے تھے، عرب مین تجارتی معاملات کی حالت نہایت قابل اصلاح تھی، اور مدینہ مین آنے کے ساتھ ہی آپنے ان اصلاحات کو جاری کردیا، لیکن تمام لوگون سے اصلاحات پر عمل کرانا صیغۂ احتساب سے تعلق رکھتا تھا، چنانچہ آپ نہایت سختی کے ساتھ ان معاملات کی نگرانی فرماتے تھے، اور تمام لوگون سے ان پر عمل کراتے تھے، اور جو لوگ باز نہین آتے تھے اُنکو سزائین دلاتے تھے، صحیح بخاری کتاب البیوع مین ہے،

لقد رأیت الناس فی عہد النبی   حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ مینے آنحضرت صلعم کے

---

[1] صحیح بخاری جلد اوّل باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب، [2] مسند جلد ۳ صفحہ ۶۶،

صلے اللہ علیہ وسلم یبتاعون جزافا یعنی الطعام یضربون ان یبیعوہ فی مکانھم حتی یوووہ الی رحالھم،

عہد مین دیکھا کہ جو لوگ تخمیناً غلہ خریدتے تھے انکو اس بات پر سزا دیجاتی تھی کہ اپنے گھرون مین منتقل کرنے سے پہلے اُسکو خود اُسی جگہ بیچ ڈالین جہان اُسکو خریدا تھا،

کبھی کبھی تحقیق حال کے لیے آپ خود بازار تشریف لیجاتے، ایک بار آپ بازار مین گذرے تو غلہ کا ایک انبار نظر آیا، اس کے اندر ہات ڈالا تو نمی محسوس ہوئی، دوکاندار سے دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ اُسنے جواب دیا کہ بارش سے بھیگ گیا ہے، ارشاد ہوا کہ "پھر اسکو اوپر کیون نہین کرلیا تاکہ ہر شخص کو نظر آے، جو لوگ فریب دیتے ہین وہ ہم مین سے نہین ہین[1]"

فرائض احتساب مین آپ کا سب سے بڑا فرض عمال کا محاسبہ تھا، یعنی جب عمال زکوۃ اور صدقہ وصول کر کے آتے تھے تو آپ اس غرض سے انکا جائزہ لیتے تھے کہ اُنھون نے کوئی ناجائز طریقہ تو اختیار نہین کیا ہے، چنانچہ ایکبار آپنے **ابن اللتبیہ** کو صدقہ وصول کرنے کے لیئے مامور فرمایا، وہ اپنی خدمت انجام دیکر واپس آئے اور آپنے اُن کا جائزہ لیا تو انھون نے کہا یہ مال مسلمانون کا ہے، اور یہ مجھکو ہدیۃً ملا ہے، آپ نے فرمایا کہ "گھر بیٹھے بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیون نہین ملا" اِسکے بعد آپ نے ایک عام خطبہ دیا جس مین اسکی سخت ممانعت فرمائی[2]،

اصلاحِ بین النّاس اسلام تمام دنیا کے تفرقون کو عموماً، اور عرب کے اختلافات کو خصوصاً مٹانیکے لیے آیا تھا، اس بنا پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اس کو اپنا ایک ضروری فرض قرار دیا تھا، اور جب آپکو اس قسم کے منازعات کی خبر ہوتی تھی تو آپ اصلاح کو تمام مذہبی فرائض پر مقدم رکھتے تھے، چنانچہ ایک بار قبیلہ بنو عمرو بن عوف کے چند اشخاص کے درمیان نزاع پیدا ہوئی، آپ کو معلوم ہوا تو چند صحابہ کے ساتھ اُن مین مصالحت کرانے کے لیے تشریف لے گئے، آپ کو اس معاملہ مین دیر ہوئی اور نماز کا وقت آگیا، حضرت بلال رضؓ نے اذان دی، لیکن اذان کے بعد بھی آپ تشریف نہین لائے، تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد اُنھون نے حضرت ابوبکر رضؓ کو امام بنا کر نماز شروع کردی، آپ

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صفحہ ۳۰ ہ کتاب الایمان، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۶۸ کتاب الاحکام،

اسی حالت مین تشریف لائے اور صفون کو چیرتے ہوئے اگلی صف مین جا کھڑے ہوئے، حضرت ابوبکرؓ اگرچہ نماز مین اِدھر اُدھر نہین دیکھتے تھے، لیکن جب لوگون نے زور زور سے تالیان بجانی شروع کین تو اُنھون نے پیچھے مڑکر دیکھا کہ آنحضرت صلعم کھڑے ہین، آپ نے اگرچہ ہات سے اشارہ کیا کہ کھڑے رہین، لیکن آپ کی موجودگی مین اُنھون نے امامت کرنا سوءِ ادب خیال کیا اسلئے پیچھے ہٹ آئے، اور آنحضرت صلعم آگے بڑھکر اُنکی جگہ کھڑے ہو گئے[۱]،

ایک بار اہل قبا کے درمیان نزاع قائم ہوئی، اور نوبت یہان تک پہنچی کہ لوگون نے باہم سنگ اندازی کی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوئی تو آپ صحابہ کے ساتھ مصالحت کرانے کی غرض سے تشریف لے گئے[۲]، **بخاری** کی دوسری روایتون مین ہے کہ آپ اتنی دور پیدل گئے تھے،

ابن ابی حدرد پر حضرت کعب بن مالک کا کچھ قرض تھا، اُنھون نے مسجد مین تقاضا کیا، حدرد قرض کا ایک حصہ معاف کرانا چاہتے تھے، لیکن وہ اسپر راضی نہ ہوتے تھے، بات زیادہ بڑھی اور شور و غل ہوا تو آپ گھر کے اندر سے نکل آئے، اور کعب کو پکارا، کعب نے لبیک کہا، تو آپ نے فرمایا کہ "نصف معاف کردو" وہ راضی ہو گئے تو آپ نے حدرد سے کہا کہ "جاؤ اور بقیہ حصہ ادا کردو"[۲]،

اس قسم کے سیکڑون جزئی واقعات روزانہ پیش آیا کرتے تھے،

مدینہ مین اور مدینہ سے باہر دیگر فرائض کی انجام دہی کے لیئے اکابر صحابہ، اور ارباب استعداد کو مختلف عہدون پر نصب فرمایا، کتابت وحی، نامہ و پیام، اجراے احکام و فرامین کے لیے سب سے پہلی ضرورت عہدۂ انشا اور کتابت کی تھی، اسلام سے پہلے عرب مین عام طور سے لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا، لیکن اسلام عرب کیلئے رحمتون کا جو خزانہ لایا تھا، اس مین ایک یہ شے بھی تھی،

اسیران بدر مین نادار لوگون کا فدیہ صرف یہ قرار دیا گیا کہ وہ مدینہ کے بچون کو لکھنا سکھاوین، حضرت زید بن ثابت نے جنکے متعلق کتابت وحی کی مقدس خدمت تھی، اسی طریقہ پر تعلیم پائی تھی، ابوداؤد کی ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے

[۱] بخاری جلد ا صفحہ ۹۰، [۲] کتاب الصلح، [۲] بخاری کتاب الصلح،

کہ اصحاب صُفّہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی، اس کا ایک جُز کتابت کی تعلیم بھی تھی،)

کتاب (عہدۂ انشا، گویا آنحضرت صلعم کی ایک حیثیت سے نیابت تھی اس لئے مختلف اوقات مین بڑے بڑے صحابہ اس خدمت پر مامور کئے گئے، جن مین شرحبیل بن حسنہ کندی سب سے پہلے اس شرف سے ممتاز ہوئے، یہ نہایت قدیم الاسلام تھے، مکہ مین انہی نے سب سے پہلے کتابت وحی کا فرض انجام دیا، قریش مین سب سے پہلے کاتب عبد اللہ بن سعد ابی سرح تھے، مدینہ مین اسکی اولیت کا شرف حضرت ابی بن کعب کو حاصل ہوا،

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت عبد اللہ بن ارقم، حضرت ثابت بن قیس بن شماس، حضرت حنظلہ بن الربیع الاسدی، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت عبد اللہ بن رواحہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت خالد بن سعید بن العاص، حضرت علا بن حضرمی، حضرت حذیفہ بن الیمان، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت زید بن ثابت مختلف اوقات مین اس منصب پر مامور ہوئے،

اگرچہ ان تمام بزرگون کو کبھی کبھی یہ خدمت ادا کرنی پڑتی تھی، چنانچہ صلحنامۂ حدیبیہ حضرت علی نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا، اُمرا اور سلاطین کے نام خطوط حضرت عامر بن فہیرہ لکھتے تھے، اور اُمرائے عمان کے نام آپ نے جو مکتوب بھیجا تھا وہ حضرت ابی بن کعب کا لکھا تھا۔ قطن بن حارثہ کو جو خط بارگاہ نبوت سے بھیجا گیا تھا وہ حضرت ثابت بن قیس نے لکھا تھا، لیکن عام طور پر یہ خدمت حضرت زید بن ثابت کے متعلق تھی، اور صحابہ کے گروہ مین اُن کا نام اسی حیثیت سے زیادہ نمایان ہے،

حضرت زید بن ثابت نے آنحضرت صلعم کے ارشاد سے ان تمام بزرگون پر ایک خاص امتیاز حاصل کیا کہ عبرانی زبان سیکھی جسکی ضرورت یہ پیش آئی کہ مدینہ مین آنحضرت صلعم کو زیادہ تر یہود سے تعلق رہتا تھا جنکی مذہبی زبان عبرانی تھی، اس بنا پر آپ نے حضرت زید بن ثابت کو عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا، اور انھون نے پندرہ دن مین اس مین مہارت حاصل کرلی،)

حکام اور وُلاۃ (فصل قضایا، اقامت عدل، بسط امن، رفع نزاع کے لیے متعدد ولاۃ و حکّام کی ضرورت تھی، اس غرض سے آپ نے متعدد صحابہ کو مختلف مقامات کا حاکم و والی مقرر فرمایا، چنانچہ ان کے نامون کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

باذان بن ساسان، بہرام گور کے خاندان سے تھے اور سلاطین عجم مین سب سے پہلے مشرف باسلام

ہوئے، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسکو یمن کا والی مقرر فرمایا

شہر بن باذان	باذان بن ساسان کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن کو صنعاء کا والی مقرر فرمایا،
خالد بن سعید بن العاص	شہر بن باذان مارے گئے تو اُن کے بعد آپنے اُن کو صنعاء کا عامل مقرر فرمایا،
مہاجر بن امیۃ المخزومی،	آپ نے ان کو کندہ وصدف کا والی مقرر فرمایا تھا، لیکن وہ ابھی روانہ بھی نہ ہوئے تھے کہ آپ نے انتقال فرمایا،
زیاد بن لبید الانصاری،	حضرموت کے والی تھے،
ابوموسے اشعری،	زبید، عدن، رمع، وغیرہ کے والی تھے،
معاذ بن جبل	والیٔ جند،
عمرو بن حزم	والیٔ نجران،
یزید بن ابی سفیان،	والیٔ تیمار،
عتاب بن اسید،	والیٔ مکہ،
علی بن ابی طالب،	متولی اخماس یمن
عمرو بن العاص،	والیٔ عمان،
علاء بن حضرمی،	والیٔ بحرین،

ان وُلاۃ یعنی گورنروں کا تقرر ملک کی وسعت اور ضروریات کے لحاظ سے ہوتا تھا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے عہد مبارک میں عرب کے جو حصے اسلام کے زیر اثر آئے، ان میں یمن سب سے زیادہ وسیع اور متمدن تھا اور مدت تک ایک باقاعدہ سلطنت کے زیر سایہ رہ چکا تھا، اس بنا پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُس کو

پانچ حصّون مین منقسم فرمایا اور ہر ایک کے لیے علیحدہ علیحدہ گورنر مقرر فرمائے، خالد بن سعید کو صنعا پر، مہاجر بن ابی امیہ کو کندہ پر، زیاد بن لبید کو حضرموت پر، معاذ بن جبل کو جند پر، ابو موسیٰ اشعری کو زبید، رمعہ، عدن اور سواحل پر[1]،

عموماً جب کسی مہاجر کو کہین کا عامل مقرر فرماتے تھے، تو اُسی کے ساتھ ایک انصاری کا تقرر بھی فرماتے[2] تھے، ملکی انتظام، فصل مقدمات، اور تحصیل خراج وغیرہ کے علاوہ اِن عمال کا سب سے مقدم فرض اشاعت اسلام اور سنن و فرائض کی تعلیم تھی، اس لحاظ سے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، یہ لوگ حاکم ملک اور والی صوبہ ہونے کے ساتھ مُبلّغ دین اور معلّم اخلاق کی حیثیت بھی رکھتے تھے، استیعاب، تذکرہ معاذ بن جبل مین ہے،

وبعثہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قاضیاً	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یمن کے ایک حصّہ
الی الجند من الیمن یعلم الناس القرآن	یعنی جند کا قاضی بنا کر روانہ فرمایا کہ لوگون کو قرآن
وشرائع الاسلام ویقضی بینھم وجعل الیہ	اور شرائع اسلام کی تعلیم دین، اور جو عمال یمن مین تھے
قبض الصدقات من العمال الذین بالیمن،	اُنکے صدقات کے جمع کرنے کی خدمت بھی اُنکے متعلق کی،

چنانچہ جب یہ لوگ روانہ ہوتے تھے تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) ان فرائض کی تعیین فرما دیتے تھے، معاذ بن جبل کو روانہ فرمایا تو یہ وصیت کی،

انک تاتی قوماً من اھل الکتاب فادعھم	تم اہل کتاب کے پاس جاتے ہو، پہلے اُنکو کلمۂ توحید
الی شھادۃ ان لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ	کی دعوت دو، اگر وہ اسکو قبول کرلین تو اُن کو بتاؤ کہ
فان ھم اطاعوا لذلک فاعلمھم ان اللہ	خدا نے رات اور دن مین اُن پر پانچ نمازین فرض کی
افترض علیھم خمس صلوات فی کل یوم ولیلۃ	ہین، اگر وہ اسکو بھی مان لین تو انکو بتاؤ کہ خدا نے اُنپر
فان ھم اطاعوا لذلک فاعلمھم ان اللہ	صدقہ فرض کیا ہے، جو اُن کے امراء سے لیکر

[1] استیعاب تذکرہ معاذ بن جبل، [2] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۱۸۶،

افترض علیھم صدقۃ توخذ من اغنیاءھم وترد	ان کے غربا پر تقسیم کردیا جاے گا، اگر وہ اُسکو بھی تسلیم
الی فقرائھم فان ھم اطاعوا لذلک فایاک	کرلین تو اُن کے بہترین مال سے احتراز کرنا، اور مظلوم
وکرائم اموالھم واتق دعوۃ المظلوم فانہ	کی بد دعا سے بچنا، کیونکہ اُس مین اور خدا کے درمیان
لیس بینھا وبین اللہ حجاب،	کوئی پردہ نہین ہے،

ان فرائض کے ادا کرنے کے لیئے سب سے زیادہ ضرورت تبحر علمی، وسعت نظر اور اجتہاد کی تھی، اس بنا پر آپ ان لوگون کے تبحر علمی اور طرز عمل کا امتحان لے لیتے تھے، چنانچہ جب حضرت **معاذ** کو روانہ فرمایا تو پہلے انکی اجتہادی قابلیت کے متعلق اطمینان فرمالیا، ترمذی مین ہے،

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لمعاذ	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبل کو
بن جبل حین وجھہ الی الیمن بم تقضی قال	یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا کس چیز سے مقدمات کا فیصلہ
بما فی کتاب اللہ قال فان لم تجد بما فی	کروگے، اُنھون نے کہا قرآن مجید سے، آپنے فرمایا، اگر
سُنۃ رسول اللہ قال فان لم تجد قال اجتھد	اس مین وہ فیصلہ تمکو نہ ملے، انھون نے کہا احادیث سے
رائی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	پھر آپنے فرمایا اگر احادیث مین بھی اسکے متعلق ہدایت
الحمد اللہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یحب	نہ ملے؟ تو انھون نے کہا مین اپنی راے سے اجتہاد کرونگا، اسپر آپنے
رسول اللہ،	فرمایا اُس خدا کا شکر ہے جسنے رسول اللہ کے رسول کو اس چیز
	کی توفیق دی جسکو خود اسکا رسول محبوب رکھتا ہے،

لیکن اہل عرب کے دلون کے مسخر کرنے کے لیے ان تمام چیزون سے زیادہ، رفق و ملاطفت، نرمی اور خوشخوئی کی ضرورت تھی، جنکی آمیزش سیاست اور حکومت کے اقتدار کے ساتھ تقریباً ناممکن ہوجاتی ہے، اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گورنرون کو بار بار اسکی طرف متوجہ فرماتے رہتے تھے، چنانچہ جب معاذ بن جبل کو ایک صحابی کے ساتھ یمن کی گورنری پر روانہ فرمایا تو پہلے دونون کو عام طور سے وصیت فرمائی،

یسرا ولا تعسرا وبشرا ولا تنفرا وتطاوعا و	آسانی پیدا کرنا، دشواری نہ پیدا کرنا۔ لوگون کو بشارت دینا

لاتختلفا۔ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۳ کتاب الایمان) اور اُن کو وحشت زدہ نہ کرنا، باہم اتفاق رکھنا اور اختلاف نہ کرنا،

اِس پر بھی تسکین نہ ہوئی تو معاذ بن جبل جب رکاب مین پانون ڈال چکے تو اُن سے خاص طور پر یہ الفاظ فرمائے،

احسن خلقك للناس، (ابن سعد تذکرۂ معاذ بن جبل) لوگون کے ساتھ خوش خلقی کے ساتھ برتاؤ کرنا،

اگر یہ اصول صحیح ہے کہ کوئی حکومت کتنی ہی رحمدل کیون نہ ہو لیکن ابتدا مین جب وہ کسی ملک کو اپنے قبضۂ اقتدار مین لاتی ہے تو سرکش لوگون کے مطیع کرنے کے لیے اُسکو مجبوراً سختیان کرنی پڑتی ہین تو عرب اس کا سب سے زیادہ مستحق تھا لیکن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اسی مقدس تعلیم کا یہ نتیجہ تھا کہ ریگستان عرب کا ایک ذرہ بھی وُلاۃ کے مظالم کے سنگِ گران سے نہ دبا، یہان تک کہ اخیر زمانہ مین جب صحابہ، عمال حکومت کے مظالم کو دیکھتے تھے تو اُن کو سخت استعجاب ہوتا تھا، اور وہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تلقینات کے ذریعہ سے اُن کو روکتے تھے، چنانچہ ایک بار ہشام بن حکیم بن حزام نے دیکھا کہ شام کے کچھ نبطی دھوپ مین کھڑے کئے گئے ہین، اُنھون نے لوگون سے اسکی وجہ پوچھی، لوگون نے کہا کہ جزیہ وصول کرنے کے لئے اِن لوگون کے ساتھ یہ سختی کیجا رہی ہے، اُنھون نے یہ سُنکر کہا،

اشهد لسمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ان الله یعذب الذین یعذبون الناس فی الدنیا[1]، مین گواہی دیتا ہون کہ مین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا ہے کہ خدا اُن لوگون کو عذاب دیگا جو لوگون کو دنیا مین عذاب دیتے ہین،

محصلین زکوٰۃ وجزیہ

(عرب کا خلوص اور جوش ایمان اگرچہ خود اُن کو صدقہ و زکوٰۃ کے ادا کرنے پر آمادہ کر دیتا تھا چنانچہ اسلام لانے کے ساتھ ہی ہر قبیلہ اپنی قوم کا صدقہ آنحضرت صلعم کی خدمت مین خود پیش کرتا، اور آپ کی دعا سے برکت اندوز ہوتا تھا لیکن ایک وسیع ملک، اور ایک وسیع حکومت کے لئے یہ طریقہ کافی نہ تھا، اسلئے وُلاۃ کے علاوہ یکم محرم سنہ ۹ھ کو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے صدقہ و زکوٰۃ کے وصول کرنے کے لئے ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ

[1] صحیح مسلم باب الوعد الشدید لمن عذب الناس لغیر حق،

محصلین مقرر فرمائے جو قبائل کا دورہ کرکے لوگون سے زکوٰۃ اور خراج وصول کرکے آپ کی خدمتِ مبارک مین پیش کرتے تھے، عموماً خود رؤسائے قبائل اپنے اپنے قبیلون کے مُحصِّل ہوتے تھے، اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً اُنکا تقرر وقتی ہوتا تھا

بہرحال آپنے اس فرض کی انجام دہی کے لیے حسب ذیل اشخاص کو مختلف قبائل اور شہرون مین متعین فرمایا[1]۔

نام	مقام تقرر	نام	مقام تقرر
عدی بن حاتم	طے وبنی اسد	ابوجہم بن حذیفہ	بنولیث
صفوان بن صفوان[2]	بنی عمرو	ایک ہذیمی	بنوہذیم
مالک بن نویرہ	بنوحنظلہ	عمر فاروق رض	شہر مدینہ
بریدہ بن حصیب الاسلمی	غفار واسلم	عبیدہ بن جراح	شہر نجران
عباد بن بشر الاشہلی	سلیم ومزینہ	عبداللہ بن رواحہ	شہر خیبر
رافع بن مکیث جُہنی	جُہینہ	زیاد بن لبید	حضرموت
زبرقان بن بدر	بنوسعد	ابوموسیٰ اشعری	صوبہ یمن
قیس بن عاصم	"	خالد رض	"
عمرو بن عاص	بنوفزارہ	ابان بن سعید	بحرین
ضحاک بن سفیان کلابی	بنوکلاب	عمرو بن سعید بن العاص	تیمار
بسر بن سفیان الکعبی	بنوکعب	محمیہ بن جزء الاسدی	تحصیل خمس
عبداللہ بن اللتبیہ	بنوذبیان	عیینہ بن حصن فزاری	بنوتمیم

[1] اس فہرست کے اکثر نام ابن سعد جزء مغازی، صفحہ ۱۱۵ مین مذکور ہین، عمر فاروق رض، محمیہ اور عبیدہ بن جراح کا ذکر بخاری کتاب الصدقات اور بعض کا ابوداؤد کتاب الخراج مین ہے، بقیہ کے لیے زاد المعاد ذکر مصدقین وامراے نبوی اور فتوح البلدان بلاذری دیکھو،

[2] اصابہ، باب صفوان،

اِن محصّلین کے تقرر مین آپ حسب ذیل امور کی پابندی فرماتے تھے،

(۱) ان کو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس مین بہ تصریح بتایا جاتا تھا کہ کس قسم کے مال کی کتنی تعداد مین زکوٰۃ کی کیا مقدار ہے؟ چھانٹ کر مال لینے کی یا حق سے زیادہ لینے کی اجازت نہ تھی، عام حکم تھا کہ ایاک وکرائم اموالھم، یہ عمال نہایت شدّت کے ساتھ اس فرمان پر عمل کرتے تھے، اور اُس سے سر مو تجاوز جائز نہین رکھتے تھے، بعض لوگون نے بخوشی حق سے زیادہ دینا چاہا، لیکن انھون نے قبول نہین کیا، سوید بن غفلہ کا بیان ہے کہ ہمارے پاس آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا محصّل آیا، مین جاکر اُسکے پاس بیٹھا تو اُس نے پہلے جانورون کے اُن اقسام کو بیان کیا جن کے لینے کی فرمان مین اجازت نہ تھی، چنانچہ اُسی وقت ایک شخص ایک نہایت عمدہ کوہان دار اونٹنی لیکر حاضر ہوا، اور اُسکی خدمت مین پیش کیا لیکن اُس نے انکار کردیا[۱]، اسیطرح جب ایک شخص نے ایک محصّل کو بچے والی بکری دی تو اُس نے کہا کہ ہمکو اِسکے لینے کی ممانعت کیگئی ہے[۲]،

(۲) عرب کے مال و دولت کی کل کائنات بکریون کے ریوڑ اور اونٹون کے گلّے تک محدود تھی، جو جنگلون مین، بیابانون مین، پہاڑون کے دامنون مین چرتے رہتے تھے، لیکن بجائے اِسکے کہ دنیوی حکومتون کی طرح جابرانہ احکام کے ساتھ لوگ خود زکوٰۃ کے جانور لاکر محصّلین کے سامنے پیش کرتے، محصّلون کو خود اِن درون میں جاکر زکوٰۃ وصول کرنا پڑتا تھا، ایک صحابی کا بیان ہے کہ مین پہاڑ کے ایک درہ مین بکریان چرا رہا تھا کہ دو شخص اونٹ پر سوار ہو کر آئے اور کہا کہ ہم رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے قاصد ہین، یہان تمھاری بکریون کا صدقہ وصول کرنے کے لیے آئے ہین، مین نے ایک بچہ والی شیر دار بکری پیش کی، لیکن اُنھون نے کہا کہ ہمکو اس کے لینے کا حکم نہین، مین نے ایک دوسرا بچّہ دیا تو اُنھون نے اُسکو اپنے اونٹ پر لادلیا اور چلتے ہوئے[۳]،

(۳) اگرچہ صحابہؓ اپنے تقدس اور پاک باطنی کی بنا پر ہر قسم کے ناجائز مال کے لینے سے خود احتراز کرتے تھے، چنانچہ جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کو خیبر کے یہودیون کے پاس بھیجا کہ وہان کی

---

[۱] نسائی صفحہ ۳۹۰، [۲] نسائی صفحہ ۳۹۳ [۳] نسائی صفحہ ۳۹۳،

زراعت کی نصف پیداوار حسب معاہدہ تقسیم کراکے لائین، تو انھون نے انکو رشوت دینی چاہی، لیکن اُنھون نے یہ کہکر انکار کردیا کہ "اے خدا کے دشمنو! کیا مجھے حرام مال کھلانا چاہتے ہو"[1] لیکن بانیہمہ زہد و تقدس جب محصّل اپنے دورہ سے واپس آتے تھے تو رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) خود ان کا محاسبہ فرماتے تھے، چنانچہ ایک بار آپنے ابن اللتبیہ کو صدقہ وصول کرنے کے لیئے روانہ فرمایا، جب وہ واپس آئے اور آپ نے اُن کا محاسبہ کیا تو اُنھون نے کہا یہ آپ کا مال ہے، اور یہ مجھے ہدیۃً ملا ہے، یہ سُنکر آپ نے فرمایا کہ تم کو گھر بیٹھے بیٹھے ہدیہ کیون نہین ملا؟ اِس پر بھی تسکین نہین ہوئی تو ایک عام خطبہ دیا اور تمام لوگون کو اس قسم کے مال لینے سے سختی کے ساتھ ممانعت فرمائی[2]،

(۴) چونکہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے خاندان پر صدقہ و زکوٰۃ کا مال حرام کردیا تھا اِس لیے خاندان نبوت کا کوئی شخص صدقہ کا محصّل مقرر نہین ہوا، ایک بار عبدالمطلب بن زمعہ بن حارث اور فضل بن عباس نے کہ عم زاد بھائی اور بھتیجے تھے، آپ کی خدمت مین درخواست کی کہ اب ہمارا سن نکاح کے قابل ہوگیا ہے تمام لوگون کی طرح ہمکو بھی صدقہ کا عامل مقرر فرما دیجیے، تاکہ اُس کے معاوضہ سے کچھ مال جمع کرکے نکاح کے لیے سرمایہ مہیّا کرین، لیکن آپنے فرمایا کہ صدقہ آل محمدؐ کے لیئے جائز نہین ہے، وہ لوگون کا میل ہے[3]،

(۵) عمال کا انتخاب خود رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) فرماتے تھے، اور جو لوگ اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے خود پیش کرتے تھے، اُنکی درخواست نامنظور ہوتی تھی، چنانچہ ابوموسیٰ اشعری کے ساتھ دو شخص آئے اور عامل بننے کی درخواست کی، آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم کیا کہتے ہو؟ اُنھون نے کہا کہ مجھکو یہ خبر نہ تھی کہ یہ لوگ اس غرض سے آئے ہین، آپنے ان دونون کی درخواست نامنظور کی اور فرمایا کہ جو لوگ خود خواہش کرتے ہین ہم ان کو عامل مقرر نہین کرتے، لیکن اُسیوقت حضرت ابوموسیٰ اشعری کو بلا درخواست یمن کا عامل مقرر کرکے روانہ فرمایا[4]،

(۶) عمال کو صرف بقدر ضرورت معاوضہ ملتا تھا، آپ نے عام منادی فرمادی تھی کہ جو شخص ہماری مقررہ

---

[1] فتوح البلدان صفحہ ۳۱، [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۱۳، [3] صحاح کتاب الصدقات [4] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۹،

شرح سے زیادہ لے گا وہ خیانت مالی ہے، مقدارِ ضرورت کی تصریح خود آپ نے فرمادی تھی[1]،

من كان لنا عاملا فليكتب زوجة فان لم يكن له خادم فليكتب خادما وان لم يكن له مسكن فليكتب مسكنا ومن اتخذ غير ذلك فهو غال،	جو شخص ہمارا عامل ہو اُسکو ایک بی بی کا خرچ لینا چاہیے اگر اُس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا، اگر مکان نہ ہو تو گھر کا، لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا، تو وہ خائن ہوگا۔

آپ کے زمانہ مین حضرت عمر فاروق کو بھی اس قسم کا معاوضہ ملا تھا، چنانچہ اُنکے عہد خلافت مین جب صحابہؓ نے زہد وتقدس کی بنا پر معاوضہ لینے سے انکار کیا، تو اُنھون نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اسی طرزِ عمل سے استدلال کیا[1]،

قضاۃ | ان مناصب کے علاوہ بعض اور عہدے بھی سادہ طور سے قائم ہوگئے تھے، مثلاً فصل مقدمات کا کام اگرچہ زیادہ تر آپ خود انجام دیتے تھے، لیکن کبھی کبھی آپکے حکم سے حسب ذیل صحابہؓ نے بھی اس فرض کو انجام دیا ہے[2]،

حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف، ابی بن کعبؓ، معاذؓ بن جبل،

پولیس | اگرچہ خلفائے راشدین کے زمانہ مین بھی باضابطہ طور پر پولیس کا محکمہ قائم نہین ہوا، اور اسکی ابتدا بنوامیہ کی سلطنت مین ہوئی[2]، تاہم آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے عہد مبارک مین بھی اُس کا ابتدائی نمونہ قائم ہوچکا تھا، چنانچہ آپکے عہد مبارک مین قیس بن سعد اس خدمت کو انجام دیتے تھے، اور اس غرض سے ہمیشہ آپکے ساتھ رہتے تھے[3]،

جلاد | (مجرمون کی گردن مارنے کی خدمت حضرت زبیر، حضرت علی، مقداد بن الاسود، محمد بن مسلمہ، عاصم بن ثابت، ضحاک بن سفیان کلابی[4]، کے سپرد تھی۔)

غیر قومون سے معاہدے | (عرب مین اب کفر وشرک کا بالکل وجود نہ تھا، کہین کہین صرف مجوس، نصاریٰ اور یہود کی آبادیان تھین، ان مین سے معتدبہ افراد نے گو نور ایمان سے قلوب کو روشن کرلیا تھا، لیکن مجموعی حیثیت

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ باب ارزاق العمال مین دونون حدیثین ہین، [2] فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۶۱ [3] بخاری کتاب احکام [4] زادالمعاد ابن قیم،

سے وہ اب تک تاریکی مین تھے، تاہم خلافت الٰہی کی ہمہ گیر قوت سے وہ سرتابی نہ کر سکے، حجاز کے یہودیون کے سوا عرب کی تمام قومون نے بخوشی اسلام کی اطاعت قبول کی، اس لیے اسلام نے بھی ان کی جان و مال، عزت وآبرو اور مذہب کی حفاظت کی تمام ذمہ داری اپنے سر لے لی، اور اس کے مقابلہ مین جزیہ کی ایک خفیف رقم (یعنی ہر مستطیع عاقل بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ) ان پر مقرر کی، اس رقم کا نقد روپے کی صورت مین ادا ہونا ضروری نہ تھا، بلکہ عموماً جہان جس چیز کی پیداوار ہوتی تھی، یا جو چیز بنتی تھی، وہی جزیہ قرار پائی[1]،

غیر قومون مین سب سے پہلے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سنہ ۷ھ مین خیبر، فدک، وادی القرےٰ اور تیمار کے یہودیون سے مصالحت فرمائی، اس وقت تک آیت جزیہ کا نزول نہین ہوا تھا، اس بنا پر باہمی رضامندی سے جو شرائط قرار پا گئے تھے، وہ آیت جزیہ کے نزول کے بعد بھی قایم رہے[2]، اصل شرط یہ تھی کہ وہ رعایا کی حیثیت سے کام کرین گے، اور پیداوار کا نصف حصہ خود لین گے اور نصف مالکون کو ادا کرین گے[3]،

سنہ ۹ھ ہجری مین جزیہ کی آیت نازل ہوئی، اس کے بعد تمام معاہدے اسی کی رو سے قرار پائے، نجران کے عیسائیون نے مدینہ مین آکر مصالحت کی درخواست کی، جسکو آپ نے منظور فرمایا، شرائط صلح یہ تھے کہ "وہ مسلمانون کو سالانہ دو ہزار کپڑے دین گے اور ان کو دو قسط مین یعنی آدھا ماہ صفر اور آدھا ماہ رجب مین ادا کرینگے اگر یمن مین کبھی بغاوت یا شورش ہوگی تو وہ عاریۃً تیس زرہین، تیس گھوڑے، تیس اونٹ اور تیس تیس عدد ہر قسم کے ہتیار دین گے اور مسلمان انکی واپسی کے ضامن ہون گے، اس کے معاوضہ مین جب تک وہ سودی لین دین یا بغاوت نہ کرین گے، نہ اُن کے گرجے ڈھائے جائین گے، نہ اُنکے پادری نکالے جائینگے نہ ان کو اُنکے مذہب سے برگشتہ کیا جائے گا[4]"،

حدود شام مین بہت سے عیسائی اور یہودی گاؤن مین آباد تھے، رجب سنہ ۹ھ مین غزوۂ تبوک کے

---

[1] زاد المعاد ابن قیم جلد اول فصل جزیہ، [2] زاد المعاد ابن قیم، جلد اول، [3] بخاری ومسلم وابوداؤد، ذکر خیبر وفتوح البلدان بلاذری ذکر فدک ووادی القریٰ وتیمار، [4] ابوداؤد کتاب الخراج باب اخذ الجزیہ،

موقع پر، دومۃ الجندل، ایلہ، مقنا، جرباء، اذرح، تبالہ، اور جرش کے جو عیسائی اور یہودی زمیندار بھی اسلام نہین لاے، بلکہ جزیہ دینا قبول کیا، ہر بالغ مرد پر ایک دینار سالانہ مقرر ہوا اور مسلمان جب اِدھر سے گذرین تو اُنکی ضیافت[1] بھی ان پر لازمی قرار دی گئی،

یمن کے جن یہودیون نے اسلام قبول نہین کیا ان پر بھی جزیہ کی یہی مقدار مقرر کیگئی، ان کو ایک آسانی یہ بھی دی گئی کہ اگر نقد نہ ادا کر سکین تو اسی کے برابر معافری کپڑے دیا کرین[2]، بحرین کے مجوسیون سے بھی جزیہ کی اسی شرح مقدار پر مصالحت کی گئی،[3]

اصناف محاصل ومخارج

مختلف اغراض ومصالح کی بنا پر اسلام مین آمدنی کے صرف پانچ ذرائع تھے، غنیمت، فَیْ، زکوٰۃ، جزیہ، خراج، اوّل کے سوا بقیہ ذرائع آمدنی سالانہ تھے،

غنیمت کا مال صرف فتوحات کے موقع پر آتا تھا، عرب مین قاعدہ تھا کہ رئیس فوج غنیمت کا چوتھا حصّہ خود لیتا تھا، جس کو اصطلاح مین مِرْبَاع کہتے تھے، اور بقیہ جو جس کے ہاتھ لگ جاتا تھا، لے لیتا تھا، تقسیم کا کوئی نظام نہ تھا، غزوۂ بدر کے بعد خدا نے غنیمت کو خود اپنی ملک قرار دیا، جس مین خُمس یعنی پانچوان حصّہ خدا اور رسول کے نام سے حکومت الٰہی کے مصالح واغراض کے لئے مخصوص فرمایا۔

يَسْئَلُونَكَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (انفال)

اے پیغمبر لوگ تجھ سے مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہین کہدے کہ وہ خدا و رسول کی ملک ہی۔

خدا و رسول کی ملکیت سے مقصود یہ ہے کہ وہ سپاہیون کی شخصی ملکیت نہین ہی، بلکہ مصالح کی بنا پر صاحب خلافت جسطرح مناسب سمجھے، اس کو صرف کر سکتا ہے، اسی طرح خمس کی نسبت ارشاد ہوا ہے۔

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْئٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

مسلمانو! جان لو کہ تم کو جو مال غنیمت ہاتھ آئے اُس کا

---

[1] فتوح البلدان، بلاذری [2] ابوداؤد باب اخذ الجزیہ،
[3] ابوداؤد واخذ الجزیۃ من المجوس، وتاریخ بلاذری ذکر بحرین۔

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ، (انفال)

پانچوان حصہ خدا و رسول، اہل قرابت، اور یتیمون اور مسکینون کا ہے۔

ایک دو استثنائی واقعہ کے سوا جس مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے مال غنیمت مخصوص مہاجرین کو یا مکہ کے نومسلمون کو عنایت فرمایا؛ ہمیشہ آپکا یہ طرز عمل رہا کہ خمس کے بعد ایک ایک جبہ سپاہیون پر برابر برابر تقسیم فرما دیتے تھے سوارون کو تین حصے اور پیادہ کو ایک حصہ، بعض روایتون مین ہے کہ سوارون کو صرف دو حصے ملتے تھے[1] خمس کا بھی عموماً بہت کم حصہ ذاتی مصرف مین آتا تھا، آیت بالا مین جن ارباب استحقاق کا ذکر ہے، زیادہ تر ان ہی پر صرف کر دیا جاتا تھا۔

زکوٰۃ، صرف مسلمانون پر فرض تھی، اور وہ چار مدون سے وصول ہوتی تھی، نقد[1] روپیہ، پھل[2]، اور پیداوار، مویشی[3] (بجز گھوڑا) اسباب[4] تجارت[5]، دو سو درہم چاندی، بیس مثقال سونے اور پانچ اونٹ سے کم پر زکوٰۃ نہ تھی؛ پیداوار سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی اس کے لیے ضروری تھا کہ اس کی مقدار ہ وسق (۳۰۰ صاع بہ تحقیق امام ترمذی) سے زیادہ ہو سونا اور چاندی کا چالیسوان حصہ وصول کیا جاتا تھا، مویشیون کا نرخ زکوٰۃ بھی مختلف جنس کی مختلف تعداد پر مقرر تھا، جو حدیث اور فقہ کی تمام کتابون مین مفصل مذکور ہے۔ اراضی کی دو قسمین کی گئین، ایک وہ جسکی سیرابی صرف بارش کے پانی سے کی جاتی تھی، اس قسم کی اراضی کی پیداوار مین دسوان حصہ (عشر) وصول ہوتا تھا، اور جس کو آبپاشی کے ذریعہ سے سیراب کیا جاتا تھا، اس مین نصف عشر یعنی بیسوان حصہ لیا جاتا تھا[3]، سبزی پر کوئی زکوٰۃ نہ تھی[4]۔

زکوٰۃ کے آٹھ مصرف تھے جن کی تفصیل خود قرآن مجید نے کر دی تھی، فقرا[1]، مساکین[2]، نومسلم[3]، غلام[4] جن کو خرید کر آزاد کرانا ہے، مقروض[5]، مسافر[6] محصلین زکوٰۃ کی تنخواہ، دیگر کار خیر، عموماً جہان سے زکوٰۃ کی رقم وصول کیجاتی

---

[1] ابوداؤد حکم ارض خیبر بروایت مجمع، [2] ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب العروض، اذا کانت للتجارۃ، [3] ترمذی کتاب الزکوٰۃ،
[4] ترمذی کتاب الزکوٰۃ،

تھی وہین کے مستحقین پر صرف کردی جاتی تھی، صحابہ اس حکم کے اس قدر عادی ہوگئے تھے کہ ایک صحابی کو زیاد نے عامل بناکر ایک مقام مین بھیجا، جب وہ واپس آئے تو زیاد نے ان سے رقم کا مطالبہ کیا، انھون نے جواب مین کہا کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ سے جس طرح ہم کرتے آئے تھے وہی ہم نے کیا[1]۔ معاذ بن جبل رض جب عامل بناکر یمن بھیجے گئے، تو زکوۃ کے متعلق آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا وصدقۃ توخذ من اغنیائھم وترد علی فقرائھم،

جزیہ غیر مسلم رعایا سے ان کی حفاظت اور ذمہ داری کے معاوضہ مین لیا جاتا تھا، اس کی مقدار متعین نہ تھی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے زمانہ مین ہر مستطیع بالغ مرد سے ایک دینار وصول کرنے کا حکم دیا تھا، بچے اور عورتین اس مین داخل نہ تھین، ایلہ کے جزیہ کی مقدار ۳۰۰ دینار تھی، اذرح کی سو دینار تھی، عہد نبوی مین جزیہ کی سب سے بڑی مقدار بحرین سے وصول ہوتی تھی۔

خراج، غیر مسلم کاشتکارون سے حق مالکانہ کے معاوضہ مین زمین کی پیداوار کا جو مخصوص حصہ باہمی مصالحت سے طے ہوگیا ہو، اس کا نام خراج ہے، خیبر، فدک، وادی القریٰ، تیما، وغیرہ سے خراج ہی وصول ہوتا تھا، پھل یا پیداوار کے تیار ہونے کا جب وقت آتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو بھیجدیتے تھے، وہ باغون اور کھیتون کو دیکھکر تخمینہ لگاتے تھے، رفع اشتباہ کے لیے تخمینہ مین سے ثلث کم کردیا جاتا تھا[2]، بقیہ پر حسب شرایط خراج وصول کیا جاتا، خیبر وغیرہ مین آدھی پیداوار پر صلح ہوئی تھی۔

جزیہ اور خراج کی رقم سپاہیون کی تنخواہ اور جنگی مصارف مین صرف ہوتی تھی، تمام صحابہ ضرورت کے وقت والنفیر سپاہی تھے، جو کچھ وصول ہوکر آتا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سب کو اسی وقت تقسیم فرمادیتے۔ اوّل آپ اُن لوگون کو عطا فرماتے تھے جو پہلے غلام رہ چکے تھے، ایک رجسٹر پر لوگون کے نام لکھے ہوتے تھے، اسی ترتیب سے نام پکارے جاتے تھے، جو لوگ صاحب اہل وعیال ہوتے تھے، ان کو دو حصے اور مجرد لوگون کو ایک[3] حصہ ملتا تھا۔

جاگیرین اور افتادہ زمینون کی آبادی (ملک عرب کا اکثر حصہ ریگستانی، پتھریلا، شورا اور بنجر تھا، جو سرسبز قطعات تھے اُن پر بیرونی

---

[1] ابو داؤد کتاب الزکوۃ، باب الصدقۃ تحمل من بلد الی بلد [2] بحوالۂ مذکور باب فی الخرص، [3] ابو داؤد کتاب الخراج باب قسم الفئی،

تو مین قابض تھین، بقیہ افتادہ زمینین تھین، مدینہ اور طایف مین البستہ کاشتکاری ہوتی تھی۔ بقیہ عام اہل عرب تجارت یا
لوٹ مار پر زندگی بسر کرتے تھے، عربون کی غیر مامون زندگی کا راز یہی تھا کہ وہ مستقل پیشہ ور نہ تھے، اس بنا پر قیام امن کے
لیے بھی ضروری تھا کہ زمین کا نئے سرے سے بندوبست کیا جائے، حجاز و یمن مین غیر قومون کے انخلاء کے سبب سے
یون بھی بہت سی زمینین خالی ہو گئی تھین، جن کا انتظام ضروری تھا۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پہلے عام طور پر صحابہ کو اسکی ترغیب دی۔

من احیا ارضا میتة فھی لہ — جس شخص نے افتادہ زمینون کو آباد کیا وہ اسکی ملک ہو

من احاط حائطا علی ارض فھی لہ — جس شخص نے کسی زمین کو گھیر لیا وہ اسکی ملک ہو

ترغیب عام کے ساتھ خاص خاص انتظامات بھی فرمائے، بنو نضیر اور قریظہ کے نخلستان اور کھیت خاص بارگاہ
نبوت کی ملک فرمائے، اور آپ نے اپنی طرف سے ان کو مہاجرین اور بعض انصار مین تقسیم فرما دیا، خیبر کی زمین کچھ خاصہ رہی
اور بقیہ ان مہاجرین اور انصار مین تقسیم فرما دی جو حدیبیہ مین شریک تھے، لیکن عملاً یہودیون کے ساتھ ان کا بندوبست
رہا، پیداوار کا نصف حصہ وہ خود لیتے تھے اور نصف مالکون کو ادا کرتے تھے، جو زمینین آباد تھین ان کو بعض شرایط پر اصل
مالک کے ہاتھ مین رہنے دیا، چنانچہ عک، ذوخیوان اور ایلہ، اذرح، بخران وغیرہ مین اسی طرح معاملات طے پائے، افتادہ زمینین
بھی صحابہ کو بطور جاگیر عطا فرما دین۔ حضرت وایل کو حضر موت مین ایک قطعہ زمین عنایت فرمایا، بلال بن حارث مزنی کو
کو قابل زراعت زمین کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اور کانین مرحمت فرمائین۔ حضرت زبیر کو مدینہ کے پاس، اور حضرت عمرؓ
کو خیبر مین جاگیرین عطا کین، بنو رفاعہ کو دومة الجندل کے پاس زمین عنایت کی۔

یہ جاگیرین اس فیاضی اور وسعت کے ساتھ دی جاتی تھین کہ ہر شخص حسب استطاعت ان کا انتخاب اور ان کے
رقبہ کی تحدید کر سکتا تھا۔ ایک بار آپ نے حضرت زبیر کو حکم دیا کہ جہان تک ان کا گھوڑا دوڑ سکے وہ زمین انکی جاگیر مین داخل ہوگی
چنانچہ انھون نے گھوڑا دوڑایا، جب گھوڑا ایک خاص حد تک پہنچ کر رک گیا تو انھون نے اپنا کوڑا پھینکا۔ اور وہ جس
نقطے پر گرا، وہی انکی جاگیر کا رقبہ قرار پایا۔ عرب کی خشک زمین مین سب سے زیادہ ضرورت چشمہاے آب کی تھی، چنانچہ

ایک بار جب آپ نے حکم عام دیا من سبق الی ماءلم یسبقہ الیہ مسلم فہولہ۔ یعنی "جو شخص ایسے چشمہ پر قبضہ کرے جس پر کسی مسلمان نے قبضہ نہین کیا ہے تو وہ اس کا ہے" تو تمام لوگون نے دوڑ دوڑ کر اپنے اپنے چشمون کے حدود مقرر کرلیے۔ اس فیاضی کی اس قدر شہرت ہوئی کہ لوگون نے دُور دُور سے آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جاگیرون کی درخواست کرنا شروع کی، ابیض بن حمال یمن سے خدمت مبارک مین حاضر ہوئے اور ایک نمک کی کان کی درخواست کی، جس کو آپ نے منظور فرمالیا۔ لیکن ایک صحابی نے کہا کہ آپ نے اس کو جو چیز جاگیر مین عطا فرمائی ہے وہ پانی کا ایک بہت بڑا چشمہ ہے، چونکہ وہ ایک پبلک چیز تھی اس بنا پر آپ نے اس کو واپس لے لیا۔

یہ تمام فیاضیان صرف انھین چیزون کے ساتھ مخصوص تھین جن کا تعلق پبلک کے ساتھ نہین ہوسکتا تھا، لیکن جو چیزین رفاہ عام کے کام مین آسکتی تھین ان کو آپ نے اُسی قدیم حالت پر چھوڑ دیا۔ عرب کا قدیم دستور تھا کہ اپنے مویشیون کے لیے چراگاہ متعین کرلیتے تھے جنکو حمیٰ کہتے تھے، عرب مین پیلو کا درخت اونٹون کی عام غذا تھی، اور اس کے متعلق کسی قسم کی روک ٹوک نہ تھی، لیکن ابیض ابن حمال نے جب اس کو اپنے حمیٰ مین داخل کرنا چاہا تو آپ نے منع فرمایا لاحمی فی الاداک۔

عرب مین یہ بھی دستور تھا کہ مویشیون کے چرانے کے لیے رؤسا اور ارباب اقتدار اپنے لیئے چراگاہ مخصوص کرلیتے تھے اور وہان کسی دوسرے کو نہین آنے دیتے تھے، چونکہ اس سے عام لوگونکو تکلیف ہوتی تھی اسلیئے اس طریقہ کو بھی روکدیا۔[1]

اسی طرح عرب مین ایک مقام دہنا ہی، جسکے ایک طرف بکر بن وایل کا قبیلہ تھا اور دوسری طرف بنو تمیم رہتے تھے، حریث بن حسان نے بکر بن وایل کے لیے اس زمین کی درخواست کی آپ نے فرمان لکھنے کا حکم دیا، اتفاق سے اس وقت ایک تمیمیہ موجود تھی، آپ نے اس کی طرف دیکھا، اسنے عرض کی یارسول اللہ! وہ اونٹون، اور بکریون کی چراگاہ ہے اور اسی کے پاس بنو تمیم کی عورتین اور بچے رہتے ہین، آپ نے فرمایا "بیچاری سچ کہتی ہی، فرمان نہ لکھو، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے" "ایک چشمہ اور ایک چراگاہ سب کو کافی ہوسکتا ہے"

---

[1] یہ تمام واقعات ابوداؤد کتاب الخراج کے مختلف ابواب مین مذکور مین۔

مذہبی انتظامات

(ملک مین امن وامان قایم رکھنے کی غرض سے جو بعض ضروری ملکی انتظامات سرانجام پاے تھے اُن سے زیادہ ضروری مسلمانون کے مذہبی امور کے انتظامات کا مسئلہ تھا، یہودیون مین مذہبی فرایض کے اداکرنے کے لیے ایک مخصوص خاندان معترر تھا، اس کے علاوہ کسی اور کو ان خدمات کی بجاآوری کا حق حاصل نہین ہوسکتا تھا۔ عیسائیون مین گو خاندان کی تخصیص نہ تھی، لیکن اُن مین ایک خاص طبقہ پیدا ہوگیا تھا جس نے ان خدمات کو اپنا حق قرار دے لیا تھا، ہندؤن مین غیر برہمن کسی مذہبی خدمت کا مستحق نہین، دنیا کی اور دوسری قومون کا بھی یہی حال تھا، لیکن جو شریعت محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دنیا مین قایم کی اُس مین مخصوص اشخاص، مخصوص خاندان، اور مخصوص طبقہ کی حاجت نہ تھی، بلکہ ہر شخص جو اسلام کا کلمہ گو تھا اس رتبہ کا مستحق ہوسکتا تھا،)

دعاۃ اور معلمین اسلام ایک مشہور مغربی مورخ نے لکھا ہے کہ "مدینہ مین آکر اسلام نبوت کا منصب چھوڑ کر سلطنت بن گیا تھا، اور اب اسلام کے معنی بجاے اس کے کہ خدا پر ایمان لایا جائے، یہ رہ گئے تھے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حکومت تسلیم کرلی جائے"۔ اسلام کا مقصد، وہ تھا جو خدا نے قرآن مجید مین بیان کیا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ، (حج)

(وہ لوگ جن کو ہم زمین مین اگر طاقت دین تو نماز قایم کرین، زکوۃ دین، اچھی باتون کا حکم دین اور بُری باتون سے روکین)

اِس بنا پر ہر مسلمان، واعظ بھی ہوتا تھا اور محتسب بھی، داعی مذہب بھی اور ماہر شریعت بھی، یہی وجہ ہے کہ یا تو اسلام سے پہلے عرب مین اس قدر جہالت پائی جاتی تھی کہ شرفا مین لکھنا پڑھنا عیب خیال کیا جاتا تھا، یا ایک ایک گھر، فقہ، حدیث اور تفسیر کا دار العلم بنگیا۔ تاہم چونکہ ہر شخص کو تفقہ و تدریس کا کافی وقت نہین مل سکتا تھا، اس لیے

---

[1] دیکھو ولیھوسن صاحب کا آرٹیکل اسلام پر انسائیکلوپیڈیا،

یہ ضروری قرار دیا گیا کہ ہر جماعت اور ہر قبیلہ مین کچھ ایسے لوگ موجود رہین جو تعلیم وارشاد کا فرض انجام دے سکین،

اسی بناپر قرآن مجید مین حکم آیا۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝

(توبہ، رکوع آخر)

اور سب کے سب مسلمان توسفر کرکے (مدینہ) نہین آسکتے، اس لیے ہر قبیلہ سے ایک گروہ کو آنا چاہیے تاکہ وہ شریعت اور دین مین تفقہ حاصل کرین، اور تاکہ واپس جاکر اپنی قوم کو ڈرائین شاید وہ لوگ بُری باتون سے بچین۔

ان کی تعلیم و تربیت چونکہ مقصد یہ تھا کہ ایک ایسی جماعت طیار کی جائے جو نہ صرف شریعت کے اوامر ونواہی سے واقف ہو، بلکہ شب و روز آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین رہنے سے تمامتر اسلامی رنگ مین ڈوب جائے جسکی گفتار، کردار، بات چیت نشست برخاست، قول وعمل ایک ایک چیز تعلیم نبوی کے پرتو سے منور ہو جائے تاکہ وہ تمام ملک کے لیے اسوہ حسنہ اور نمونۂ عمل بن سکے، اس لیے عرب کے ہر قبیلہ سے ایک جماعت آتی تھی اور آپ کی خدمت مین رہ کر تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتی تھی۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے۔

کان ینطلق من کل حی من العرب عصابۃ فیاتون النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیسألونہ عما یریدون من امر دینھم ویتفقھون فی دینھم[1]

عرب کے ہر قبیلہ کا ایک گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاتا تھا اور آپ سے مذہبی امور دریافت کرتا تھا، اور دین مین تفقہ حاصل کرتا تھا۔

داعیانِ اسلام جو اطراف عرب مین بھیجے جاتے تھے اُن کو ہدایت کی جاتی تھی کہ لوگون کو اس بات پر آمادہ کرین کہ وطن چھوڑ کر **مدینہ** مین آجائین اور یہین بود و باش اختیار کرین۔ اس کا نام **ھجرت** تھا۔ اِس بناپر بیعت کی دوقسمین کردی گئی تھین۔ بیعت اعرابی، اور بیعت ہجرت، بیعت اعرابی صرف ان بدوؤن کے لیے

[1] تفسیر خازن سورہ توبہ آیت وماکان المومنون لینفروا کافۃ

جنکو مدینہ منورہ مین رکھکر تعلیم دینا مقصود ہوتا تھا۔ مختصر شکل الآثار مین روایت ہے کہ عقبہ جہنی جب اسلام لائے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان سے دریافت کیا کہ بیعت اعرابی کرتے ہو، یا بیعت ہجرت، اس کے بعد مصنف لکھتا ہی۔

ان البیعۃ من المھاجر توجب الاقامۃ عندہ صلی اللہ علیہ وسلم لیصرف فیما یصرف فیہ من امور الاسلام بخلاف البیعۃ الاعرابیۃ۔	ہجرت کی بیعت کرنے سے یہ لازم ہوجاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قیام کرے تاکہ آنحضرت صلعم کو ان اسلامی امور مین لگائین اور بیعت اعرابی مین یہ ضرور نہین۔

اسی بنا پر عرب کے بہت سے خاندان اپنے گھرون سے ہجرت کرکے مدینہ مین چلے آئے تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعری آئے تو اسیؔ شخصون کو لیکر آئے اور مدینہ مین آباد ہوئے۔ خلاصۃ الوفا سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ مین جہینہ وغیرہ قبایل کی الگ الگ مسجدین تھین یہ وہی قبایل تھے جو ہجرت کرکے مدینہ مین آگئے تھے اور چونکہ مسجد نبوی سب کے لیے کافی نہ تھی اس لیے الگ الگ مسجدین بنگئی تھین۔

تعلیم وارشاد کے مختلف طریقے تھے۔

ایک یہ کہ دس بیس دن، یا مہینہ دو مہینہ رہ کر عقائد اور فقہ کے ضروری مسایل سیکھ لیتے تھے اور اپنے قبایل مین واپس جاتے تھے اور ان کو تعلیم دیتے تھے۔ مثلاً مالک بن الحویرث جب سفارت لیکر آئے تو بیسؔ دن تک قیام کیا، اور ضروری مسایل کی تعلیم حاصل کی، جب چلنے لگے تو آپ نے فرمایا۔

ارجعوا الی اھلیکم فعلّموھم ومروھم وصلّوا کما رأیتمونی اُصلّی، (بخاری باب رحمۃ البہائم)	اپنے خاندان مین واپس جاؤ ان مین رہکر انکو اوامر شریعت کی تعلیم دو اور جس طرح مجھکو نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اسی طرح نماز پڑھو

دوسرا مستقل طریقہ درس کا تھا یعنی لوگ مستقل طریقہ سے مدینہ مین رہتے تھے اور عقاید شریعت، اور اخلاق کی تعلیم پاتے تھے۔ اُن کے لیے صُفّہ کا خاص درسگاہ تھا اور اس مین زیادہ تر وہ لوگ قیام کرتے تھے جو تمام دنیاوی تعلقات سے آزاد ہوکر شب و روز، زہد و عبادت اور زیادہ تر خدمتِ علم مین مصروف رہتے تھے۔

مشکوٰۃ کتاب العلم مین روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مسجد مین تشریف لے گئے۔ اُسوقت

مسجد مین دو حلقے تھے، حلقۂ ذکر، اور حلقۂ درس۔ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) حلقۂ درس مین جا کر بیٹھ گئے۔

اُسوقت کی اصطلاح مین ان طالبانِ علم کو قُرّاء کہتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ مین ہر جگہ یہی نام آتا ہے۔ عرینہ مین جو لوگ تعلیم وارشاد کے لیے گئے تھے اور کفار نے ان کو دھوکے سے شہید کر دیا تھا وہ اسی درسگاہ کے تربیت یافتہ تھے، اور کتب حدیث مین انکا نام اسی لقب (قُرّاء) کے ساتھ آیا ہے۔ ارباب سیر نے لکھا ہے کہ ان لوگون مین سے جب کوئی شادی کر لیتا تھا تو اُس جماعت سے نکل آتا تھا اور انکے بجائے دوسرے لوگ داخل ہوتے تھے۔

اصحاب صفہ، اگرچہ اس قدر مفلس اور نادار تھے کہ کسی کے پاس ایک کپڑے سے زیادہ نہین ہوتا تھا جسکو گردن سے باندھ کر گھٹنون تک چھوڑ دیتے تھے کہ چادر اور تہمد دونون کا کام دیتا تھا۔ تاہم یہ لوگ پانون توڑ کر نہین بیٹھتے تھے، بلکہ جنگل مین جا کر لکڑیان چُن لاتے تھے اور انکو بیچ کر آدھا خیرات کر دیتے تھے اور آدھا اخوان طریقت مین تقسیم ہوتا تھا۔ اس بنا پر تعلیم اور درس کا وقت رات کو مقرر کیا گیا تھا۔ بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ اس درسگاہ کے معلمین مین سے حضرت عبادہ بن الصامت بھی تھے جو مشہور صاحب علم تھے اور جنکو حضرت عمرؓ نے زمانۂ خلافت مین تعلیم فقہ و قرآن کے لیے فلسطین بھیجا تھا۔ ابوداؤد مین حضرت عبادہ بن الصامت سے روایت ہے۔

علّمت ناسًا من اهل الصفۃ القران والکتاب فاھدی الیّ رجل منھم قوسا (صفحہ ۱۲۹، جلد دوم)

مین نے اصحاب صفہ مین سے چند لوگون کو قرآن مجید اور لکھنے کی تعلیم دی، اس کے صلہ مین مجھکو ایک شخص نے ایک کمان تحفہ مین دی۔

ایک روایت مین یہ بھی ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عبادہ کو اس تحفہ کے قبول کرنے کی اجازت نہین دی۔ بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ درسگاہ صفہ کے علاوہ اور بھی کوئی جگہ تھی جہان اصحاب صفہ رات کو تعلیم پاتے تھے۔ مسند امام ابن حنبل مین ہے۔

عن انس کانوا سبعین فکانوا اذا جنھم اللیل انطلقوا الی معلم لھم بالمدینۃ فید رسون اللیل حتی یصبحوا (مسند جلد ۳ صفحہ ۱۳۷)

حضرت انسؓ کہتے ہین کہ اصحاب صفہ مین سے ستر شخص رات کو ایک معلم کے پاس جاتے تھے اور صبح تک درس مین مشغول رہتے تھے۔

۱؎ صحیح بخاری غزوۂ بیر معونہ۔

عرب مین لکھنے پڑھنے کا رواج بہت کم تھا لیکن اسلام آیا تو تحریر وکتابت کا فن بھی گویا ساتھ لیکر آیا، سب سے بڑی ضرورت قرآن مجید کے ضبط وتدوین کی تھی، اس بنا پر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے شروع ہی سے کتابت کی ترویج کی طرف توجہ فرمائی، جنگ بدر کے ذکر مین گذر چکا ہے کہ اسیرانِ جنگ مین سے جو لوگ فدیہ نہین ادا کرسکے ان کو اس شرط پر رہا کیا گیا کہ مدینہ مین رہ کر لوگون کو لکھنا سکھادین، ابوداؤد کی مذکورہ بالا حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب صفہ کو جو تعلیم دی جاتی تھی اس مین لکھنا بھی داخل تھا، چنانچہ حضرت عبادہ قرآن مجید کے ساتھ لکھنے کی بھی تعلیم دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر

(آنحضرت[۱] (صلے اللہ علیہ وسلم) اگرچہ ترفہ وجاہ پرستی سے طبعاً نفور تھے، اور اِسلیے اینٹ اور مٹی پر صرفِ زر ناپسند فرماتے تھے، تاہم چونکہ اسلام کی تمام تحریکات کا مقصد صرف رفع ذکر اور تسبیح وتقدیسِ الٰہی تھا، اس بنا پر ہر قبیلہ کو مسلمان ہونے کے ساتھ سب سے پہلے مسجد کی ضرورت پیش آتی تھی، ایک سبب اس کا یہ بھی تھا کہ یہ مسجدین صرف نماز ہی پڑھنے کے کام مین نہین آتی تھین، بلکہ درحقیقت یہ تمام اہل قریہ یا اہل محلہ کو دن مین پانچ بار ایک جگہ جمع کرکے ان کے اجتماعی اور اتحادی قوت کو روز بروز اور زیادہ ترقی دینے کا ذریعہ بنتی تھین، اس لیے آپ باجماعت نماز پڑھنے کی سخت تاکید فرماتے تھے۔

خود مدینہ کے اندر بہت سے قبایل آباد تھے، ہر قبیلہ کا الگ الگ محلہ تھا، اور ہر محلہ مین ایک ایک مسجد تھی، ابوداؤد نے کتاب المراسیل مین بہ سند لکھا ہے کہ صرف مدینہ کے اندر آپ کے زمانہ مین ۹ مسجدین تھین، جہان الگ الگ جماعتین ہوتی تھین، ان کے نام یہ ہین، مسجد بنی عمرو[۱]، مسجد بنی ساعدہ[۲]، مسجد بنی عبید[۳]، مسجد بنی سلمۃ[۴]، مسجد بنی رابح[۵]، مسجد بنی زریق[۶]، مسجد غفار[۷]، مسجد اسلم[۸]، مسجد جہینہ[۹]، ان کے علاوہ متفرق روایات مین، مختلف قبایل کی حسب ذیل مسجدون کا اور پتہ لگتا ہے، مسجد بنی حذرہ[۱۰]، مسجد بنی امیہ[۱۱] (انصار کا ایک قبیلہ تھا) مسجد بنی بیاضہ[۱۲]، مسجد بنی الحبلی[۱۳]، مسجد بنی عصیہ[۱۴]، مسجد ابی فصیلی[۱۵]، مسجد بنی دینار[۱۶]، مسجد ابی بن کعب[۱۷]، مسجد النابغہ[۱۸]، مسجد ابن عدی[۱۹]، مسجد بلحارث بن خزرج[۲۰]، مسجد بنی حطمہ[۲۱]، مسجد الفضیح[۲۲]، مسجد بنی حارثہ[۲۳]، مسجد بنی ظفر[۲۴]، مسجد بنی عبد الاشہل[۲۵]، مسجد واقم[۲۶]، مسجد بنی معاویہ[۲۷]، مسجد عاتکہ[۲۸]، مسجد بنی قریظہ[۲۹]، مسجد بنی وائل[۳۰]، مسجد الشجرۃ[۳۱] ([۲])

---

[۱] اضافہ تا ختم باب "موذنین"، [۲] یہ تمام تفصیل عینی شرح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۶۰ سے ماخوذ ہے،

(روایتون سے یہ بھی ثابت ہی کہ اشاعت اسلام کے ساتھ ہی مدینہ سے باہر عرب کے گوشہ گوشہ مین مسجدین بنتی جاتی تھین، جہان دن مین پانچ بار خدا کا نام پکارا جاتا تھا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے غزوات مین معمول کر لیا تھا کہ رات بھر انتظار فرماتے تھے، صبح کو جہان سے اذان کی آواز آتی وہان حملہ نہ فرماتے، چنانچہ ایک سفر جہاد مین آپ کے کانون مین ایک طرف سے اللہ اکبر کی آواز آئی تو آپ نے فرمایا، "یہ تو فطری شہادت ہے" اس کے بعد آپ نے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کی آواز سنی تو فرمایا "آگ سے نجات ہوگی"، صحابہ نے اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی تو معلوم ہوا کہ بکرے کے چرواہے کی آواز ہے[1]۔ تمام مجاہدینِ اسلام کو بھی یہی حکم تھا، چنانچہ ایک بار آپ نے ایک سریّہ کو روانہ کیا تو یہ وصیت فرمائی،

اذا رأیتم مسجدا او سمعتم صوتاً	اگر کہین مسجد دیکھو یا اذان کی آواز سنو تو وہان
فلا تقتلوا احدا[2]،	کسی شخص کو قتل نہ کرو،

ان روایتون سے ایک طرف تو عہد نبوت مین اشاعت اسلام کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے، اور دوسری طرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو قبایل اسلام لائے تھے، انھون نے الگ الگ مسجدین تعمیر کر لی تھین، اور ان مین پنجوقتہ غلغلۂ تکبیر و اذان بلند ہوا کرتا تھا،

اگرچہ اس وقت کی عام غربت اور سادگی کیوجہ سے جو مسجدین تعمیر ہوئی تھین، وہ ایک زمانۂ ممتد تک قایم نہین رہ سکتی تھین، اسلیے ان باقیات الصالحات کا بہت بڑا حصہ صفحۂ ہستی سے مٹ گیا، اور اُن کے ساتھ انکا نام اور ان کی تاریخ بھی مٹ گئی، تاہم جو مسجدین مدتون قائم رہین ان کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کا کوئی گوشہ اِن مذہبی یادگارون سے خالی نہ تھا[3]۔

عرب کے عام قبایل سے پہلے بحرین کا ایک قبیلہ **عبد القیس** اسلام لا چکا تھا، اس قبیلہ نے ایک مسجد

---

[1] صحیح مسلم جلد اول کتاب الاذان باب الامساک عن الاغارۃ علی قوم فی دار الکفر اذا سمع فیہم الاذان۔ [2] ابو داؤد کتاب الجہاد فی دعاء المشرکین [3] نسائی کتاب المساجد صفحہ ۱۱۸،

تعمیر کی تھی، چنانچہ اسلام مین مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز اسی مسجد مین ادا کی گئی، بخاری کتاب الجمعہ مین ہے،

عن ابن عبّاس انه قال ان اوّل جمعة جمعت	حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہو کہ مسجد نبوی کے بعد
بعد جمعة فی مسجد رسول اللہ صلعم فی	پہلا جمعہ قبیلہ عبدالقیس کی مسجد مین پڑھا گیا جو بحرین کے ایک
مسجد عبد القیس بجواثی من البحرین،	گانون جواثی نامی مین واقع تھی۔

اہل طایف جب اسلام لائے تو آپ نے ہدایت فرمائی کہ خاص اس جگہ مسجد تعمیر کرائین، جہان ان کا بت نصب[1] تھا، حضرت طلق بن علی سے روایت ہے کہ جب ہماری قوم کے لوگ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوئے اور ہمنے عرض کی کہ ہمارے ملک مین ایک گرجا ہے تو آپ نے اپنے وضو کا پانی عنایت فرمایا، اور ہدایت کی کہ گرجے کو توڑ ڈالو اور وہان یہ پانی چھڑک کر مسجد بنالو، چنانچہ جب وہ لوگ واپس آئے تو حسب ارشاد مسجد تعمیر کرلی[2]۔

اس قسم کی مسجدین اگرچہ عرب کے گوشہ گوشہ مین تعمیر ہوئی ہون گی لیکن عموماً احادیث کی کتابون سے صرف ان مسجدون کا حال معلوم ہوسکتا ہے، جو مدینہ اور حوالی مدینہ مین تعمیر ہوئین، صحیح مسلم مین ہے کہ حوالی مدینہ مین انصار کے جو گانون آباد تھے، عاشورا کے دن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک دن اُن مین منادی کرادی کہ جو لوگ روزہ دار ہین وہ اپنے روزے کو پورا کرلین، اور جو لوگ افطار کرچکے ہین وہ بقیہ دن روزہ رکھین، اس اعلان کے بعد صحابہ نے اسپر اس شدت کے ساتھ عمل کیا کہ خود روزے رکھتے تھے اور اپنے بچون سے روزے رکھواتے تھے، یہان تک کہ انکو گھر سے باہر مسجدون مین لے جاکر رکھتے تھے اور جب وہ کھانے کے لیے روتے تھے تو ان کو اون کے بنے ہوئے کھلونون سے بہلاتے[3] تھے،

---

[1] زاد المعاد جلد اول صفحہ ۸۰۸، بروایت ابوداؤد الطیالسی، [2] سنن نسائی، کتاب المساجد، [3] صحیح مسلم کتاب الصیام، باب من اکل فی عاشوراء فلیکف بقیة یومه،

امام بخاری نے صحیح بخاری مین ایک مستقل باب باندھا ہے کہ "مساجد کو اشخاص کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے یا نہین ؟" اور اس باب کے تحت مین جو حدیث لائے ہین، اس مین بہ تصریح مسجد بنی زریق کا نام لیا ہے، حضرت انس بن مالک، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ عصر کی نماز پڑھکر اپنے محلہ مین آتے تھے، یہان لوگ مسجد مین منتظر رہتے تھے، وہ آکر کہتے تھے کہ مسجد نبوی مین نماز ہوچکی تب لوگ یہان نماز پڑھتے تھے[۱]، ان روایتون سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان قبایل کی مسجدین الگ الگ تھین، صحاح کی روایتون سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ بعض لوگ اپنی قوم کی امامت کرکے آتے تھے اور پھر دوبارہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ شریک جماعت ہوجاتے تھے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبل کا اسی پر عمل تھا، مدینہ مین جو قبایل آباد تھے اُن کے علاوہ جو قبایل ہجرت کرکے آتے تھے وہ بھی اپنی مسجد تعمیر کرلیتے تھے، چنانچہ طبقات ابن سعد مین ہے۔

ولجھینۃ مسجد بالمدینۃ[۲]، — مدینہ مین جہینہ کی ایک مسجد ہے۔

قبایل کی ضروریات کے علاوہ مسجدون کی تعمیر کا ایک بڑا سبب یہ ہوتا تھا کہ آن حضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) راہ مین جہان کہین نماز پڑھتے تھے وہان صحابہ تبرکاً مسجد تعمیر کرلیتے تھے، امام بخاری نے صحیح بخاری مین ایک مستقل باب باندھا ہے، جسکا عنوان یہ ہے، باب المساجد التی علے طرق المدینۃ والمواضع التی صلے فیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم، یعنی وہ مسجدین جو مدینہ کے راستون اور ان مقامات مین واقع ہین جہان آپ نے نماز پڑھی ہے، اور اس کے تحت مین اس قسم کی متعدد مسجدون کا نام لیا ہے، اور حافظ ابن حجر نے ان کے حسب ذیل نام گنائے ہین،

مسجد قبا، مسجد الفضیخ، مسجد بنی قریظہ، مشربہ ام ابراہیم، مسجد بنی ظفر یا مسجد بغلہ، مسجد بنی معاویہ، مسجد فتح، مسجد القبلتین

حافظ ابن حجر نے یہ بھی لکھا ہے[۳] کہ مدینہ اور اطراف مدینہ مین جو مسجدین منقش پتھرون سے تعمیر ہوئی ہین اُن سب مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز ادا فرمائی ہے، کیونکہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے جب ان مساجد کی تجدید

---

[۱] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۳۲ [۲] طبقات ابن سعد جزو رابع صفحہ ۱، [۳] فتح الباری جلد اول صفحہ ۱۷۴۔

کی تھی تو اہل مدینہ سے اس کی تحقیق کر لی تھی)[1]

ائمہ نماز کا تقرر | مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ مختلف قبایل کے لیے الگ الگ امام مقرر کر دیے جائین عموماً عادت شریف یہ جاری تھی کہ جو قبیلہ مسلمان ہوجاتا، اس مین جو شخص سب سے زیادہ حافظ قرآن ہوتا، وہی امام مقرر کر دیا جاتا، اور اس شرف مین چھوٹے بڑے، غلام اور آقا سب برابر تھے، آپ کی تشریف آوری سے پہلے مدینہ مین جو مہاجرین آچکے تھے، اُن کے امام حضرت ابو حذیفہ رضہ کے آزاد کردہ غلام سالم رضہ تھے، جرم کا قبیلہ جب اسلام لایا، تو عمرو بن سلمہ جرمی اسوقت سات یا آٹھ برس کے کم سن بچہ تھے، لیکن چونکہ اپنے قبیلہ مین قرآن کے سب سے بڑے حافظ وہی تھے، اس لیے وہی امام قرار پائے،

امامت کے انتخاب کے لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے چند اصول مقرر فرما دئے تھے،

عن ابی مسعود الانصاری، قال قال رسول اللہ	ابو مسعود انصاری سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ
صلعم یؤمّ القوم اقرأهم لکتاب اللہ فان کانوا	جماعت کی امامت وہ کرے جو سب سے زیادہ کلام اللہ پڑھا
فی القراءۃ سواء فاعلمهم بالسنۃ فان کانوا	ہو، اگر اس مین سب برابر ہون تو جو سنت سے سب سے زیادہ واقف
فی السنۃ سواء فاقدمهم هجرۃ فان کانوا فی	ہو، اگر اس مین بھی مساوات ہو تو جس نے پہلے ہجرت کی تھی
الهجرۃ سواء فاقدمهم سنا، (مسلم)	اگر اس مین بھی برابر ہون تو جسکی عمر زیادہ ہو۔

جب کوئی ایسا قبیلہ خدمت اقدس مین حاضر ہوتا تو آپ پوچھتے کہ تم مین سب سے زیادہ حافظ قرآن کون ہے اگر کوئی ایسا شخص ہوتا تو لوگ اس کا نام لیتے، اور آپ اُس کو اُس عہدہ پر خود ممتاز فرماتے، چنانچہ اہل طایف کے امام عثمان بن ابی العاص اسی طرح مقرر ہوئے تھے، اور اگر سب مساوی الحیثیت ہوتے تو ارشاد ہوتا، تم مین جو بڑا ہو وہ جماعت کی امامت کرے، مالک بن حویرث جب اپنی قوم کی طرف سے بارگاہ نبوت مین حاضر ہوئے تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہی ارشاد فرمایا۔

[1] فتح الباری جلد اوّل صفحہ ۴۷۱،

مدینہ مین، مدینہ سے باہر اطراف مین، عرب کے مختلف صوبون مین جہان جہان مسجدین تعمیر ہوئی تھین، ظاہر ہے کہ وہان ہر جگہ الگ الگ امام مقرر ہوئے ہون گے، جن قبایل مین عمال مقرر ہوتے تھے، وہی اُن کے امام بھی ہوتے تھے[1]، بڑے بڑے مقامات مین یہ دونون عہدے الگ الگ ہوتے تھے، عمان مین حضرت عمرو بن العاص عامل تھے، اور ابو زید رض انصاری امام[2]، لیکن افسوس ہو کہ احادیث وسیر کی کتابون مین نام بنام انکی مستقل تفصیل مذکور نہین ہے، ضمنی واقعات مین جہان تک سراغ لگ سکا ہے وہ حسب ذیل ہی،

نام	مقام تقرر	کیفیت
مصعب رض بن عمیر،	مدینہ منورہ مسجد نبوی	ہجرت نبوی سے پہلے انصار کی امامت کرتے تھے، (ابن ہشام ذکر بیعت عقبہ،)
سالم مولی ابی حذیفہ رض،	"	آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری سے پہلے مہاجرین کے امام تھے، (بخاری وابوداؤد)
ابن رض ام مکتوم،	"	جب آپ مدینہ سے باہر غزوات مین تشریف فرما ہوتے تو اکثر صحابہ بھی ہمرکاب ہوتے۔ لیکن چونکہ یہ آنکھون سے معذور تھے اس لیے مدینہ ہی مین رہتے تھے، اس سبب سے۔ اس موقع پر انھین کو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) امام مقرر فرما جاتے (ابوداؤد)
ابوبکر صدیق رض،	"	آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی عدم تشریف آوری پر مسجد نبوی مین امام ہوتے تھے (صحیح بخاری وابوداؤد)
عتبان رض بن مالک،	بنو سالم	اپنے قبیلہ کے امام تھے، (ابوداؤد، ونسائی)
معاذ رض بن جبل،	بنو سلمہ	" (بخاری وغیرہ)

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۱۸ [2] فتوح البلدان بلاذری۔

نام	مقام تقرر	کیفیت
ایک انصاری	مسجد قباء	اپنے قبیلہ کے امام تھے، (بخاری)
عمروؓ بن سلمہ	بنو جرم	" (ابوداؤد و نسائی)
اسیدؓ بن حضیر	٠	" (ابوداؤد)
انس بن مالک (یا کوئی دوسرے صحابی)	بنو نجار	" امام کا نام مشکوک ہی (مسند جلد ۳ صفحہ ۲۳۲)
مالکؓ بن حویرث	٠	" (ابوداؤد)
عتابؓ بن اسید	مکۂ معظمہ	" (نسائی[1])
عثمانؓ بن ابی العاص	طایف	" (ذکر وفد طایف)
ابوزید انصاری	عمّان	" (بلاذری ذکر عمان)

موذنین (عام طور پر اذان کے لیے کوئی خاص شخص منتخب نہین کیا جاتا تھا، تاہم چند مثالون سے قیاس ہوتا ہی کہ بڑی بڑی مسجدون مین یہ عہدہ الگ آپ نے قایم فرمایا تھا، چنانچہ مکۂ معظمہ اور مدینۂ طیبہ مین اس عہدہ پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان صاحبون کو ممتاز فرمایا تھا،

بلالؓ بن رباح	مدینۂ منورہ	موذن مسجد نبوی،
عمرو بن ام مکتوم قرشی	"	"
سعد القرظ	عوالی مدینہ	موذن مسجد قبا،
ابو محذورہ[1] جمحی قرشی	مکہ مکرمہ	موذن مسجد حرام[2])

[1] کتب مذکورہ کے کتاب الصلوۃ سے یہ نام ملتقط ہین۔ [2] نسائی صفحہ ۱۸۰

تاسیس و تکمیل شریعت

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا،

آج ہمنے تمہارا مذہب کامل کردیا، اور اپنی نعمت تمپر تمام کردی، اور اسلام کو تمہارے لیے مذہب پسند کیا

(یہ تمام انتظامات اور نظم و نسق اسلام کا حقیقی نصب العین نہ تھا، بلکہ جیسا کہ بتفصیل بیان کیا جا چکا ہے، یہ اس لیے تھا کہ ملک مین امن و امان پیدا ہو، اور ایک منتظم اور باقاعدہ حکومت کا وجود ہو، تاکہ مسلمان بے روک ٹوک اور بلا مزاحمت، اپنے مذہبی فرائض انجام دے سکین، صحیح بخاری مین ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے کسی نے اس آیت کے معنی پوچھے،

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ — ان کافرون سے جہاد کرو، یہان تک کہ فتنہ نہ رہے،

وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ، — اور مذہب تمامتر خدا کے لیے ہو جائے،

اونھون نے فرمایا کہ "یہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ مین تھا، جب اسلام کم تھا، آدمی اپنے مذہب کی بنا پر فتنہ مین مبتلا ہو جاتا تھا، لوگ اُس کو قتل کر دیتے تھے، اب جب اسلام ترقی کر گیا تو کوئی فتنہ نہین رہا۔"[1])

ہجرت سے آٹھ برس تک کا زمانہ تمامتر انھین فتنون کی دار و گیر، مخالفین کی شورشون اور ہنگامون کی مدافعت اور ملک مین امن و امان قایم کرنے مین گذرا، اسی لیے آٹھ برس کی وسیع مدت مین فرائض اسلام مین سے جو چیز ہر جگہ اور ہر موقع پر نمایان نظر آتی ہے وہ صرف جہاد ہی، یہی وجہ ہی کہ تاریخ مین ایک ایک غزوہ کی تفصیل سیکڑون صفحے مین ہی، لیکن نماز، روزہ، زکوۃ کے متعلق دو دو چار چار سطرون سے زیادہ واقعات نہین ہین۔ وہ بھی اس طرح کہ جب کوئی سنہ ختم ہوتا ہی تو اس قدر لکھدیتے ہین کہ اسی سال فرض نماز کی رکعتین دو سے چار ہوگئین۔

اسکی وجہ یہ نہین کہ خدانخواستہ ارباب سیَر دیگر فرائض کی اہمیت اور عظمت پیش نظر نہین رکھتے تھے، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ غزوات کی مصروفیت (اور ملک کی بدامنی) کی وجہ سے اکثر فرائض دیر مین فرض ہوئے، اور جو پہلے فرض

([1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۷، تفسیر سورۂ انفال،)

ہو چکے تھے، ان کی تکمیل بھی بتدریج اسی زمانہ مین ہوتی رہی جس کے لیل ونہار زیادہ تر مخالفین کے تیر باران کے روکنے مین بسر ہو گئے۔

(جن احکام کا تعلق قانون ملکی سے تھا، وہ اس وجہ سے نازل نہ ہو سکے کہ اب تک اسلام کوئی حکمران طاقت نہ تھا، خالص مذہبی فرایض اور احکام بھی رفتہ رفتہ اُسی زمانہ مین نازل ہوتے رہے، اور بتدریج جیسے جیسے اُن کے مناسب حالات پیدا ہوتے جاتے تھے، وہ تکمیل کو پہنچ رہے تھے، سب سے بڑا نکتہ احکام کے تدریجی نزول مین یہ تھا کہ اُن سے مقصود محض عربون کو انکا بتا دینا نہین تھا، بلکہ عملاً انکی زندگی کو ان پر کاربند بنا دینا تھا، اس لیے نہایت آہستہ آہستہ، بتدریج، ترتیب کے ساتھ، اُن کو آگے بڑھایا گیا، اسی نکتہ کو حضرت عایشہؓ نے نہایت خوبی سے بیان فرمایا ہے کہ "پہلے عذاب وثواب کی آیتین نازل ہوئین، جب دلون مین استعداد اور رقت پیدا ہو گئی، تو احکام نازل ہوئے، ورنہ اگر پہلے ہی دن یہ حکم ہوتا کہ شراب نہ پیو[1]، تو کون مانتا؟"

الغرض ان مختلف اسباب کی بنا پر اسلام کے اکثر فرایض اور احکام اُس وقت تکمیل کو پہنچے جب تمام ملک مین امن وامان قایم ہو گیا) مکہ معظمہ کے قیام تک روزہ سرے سے فرض نہین ہوا، مدینہ منورہ مین روزے فرض ہوئے، لیکن زکوٰۃ کی فرضیت سات آٹھ سال کے بعد ہوئی، اسکی وجہ یہی تھی، رات دن کی معرکہ آرائیون سے مالی حالت اس حد تک پہنچنے کہان پائی تھی کہ زکوٰۃ کی فرضیت کا موقع آئے، فتح مکہ سے پہلے مسلمان اس سرزمین مقدس مین قدم نہین رکھ سکتے تھے، اس لیے اسوقت تک حج بھی فرض نہ ہوا۔ نماز روزانہ کا فرض ہے، اور یہ فرض اسلام کے وجود کے ساتھ آیا، لیکن اسکی تکمیل بتدریج ہجرت کے چھ سات برس کے بعد ہوئی، ۸ سنہ ہجری تک نماز مین بات چیت کرنا جائز تھا، اور کوئی باہر کا آدمی سلام کرتا، تو نمازی عین نماز مین جواب دیتے تھے، جیسا کہ ابوداؤد وغیرہ مین متعدد روایتین مذکور ہین[2]۔

غرض فتح مکہ کے بعد جب کفر کا زور ٹوٹ گیا، اور تمام ملک مین امن وامان قایم ہو گیا، تو مذہبی احکام کی تفصیل،

---

[1] صحیح بخاری باب تالیف القرآن [2] ابوداؤد باب رد السلام فی الصلوۃ

اور نظام شریعت کی تکمیل کا موقع آیا، احکام بہت سے ایسے تھے جو سرے سے ابھی شروع ہی نہین ہوئے تھے، مثلاً زکوۃ حج، حرمت ربا، وغیرہ، بہت سے ایسے تھے کہ ابتدائی ارکان قایم ہوگئے تھے۔ لیکن تکمیل نہین ہوئی تھی[1]

عقاید[2] اور اسلام کے اصول اولین

(اسلام کے فرایض اولین عقاید ہین یعنی، توحید، رسالت، ملائکہ، قیامت، حشر و نشر، وغیرہ پر ایمان لانا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اوّل اوّل جو وحی نازل ہوئی، یعنی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ، اس مین خدا کی بڑائی کے سوا کسی مخصوص عقیدہ کی تعلیم نہ تھی، لیکن دوسری بار جو وحی نازل ہوئی وہ یہ تھی[3]

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ	اے چادر اوڑھنے والے اُٹھ، لوگون کو ڈرا، اپنے پروردگار
وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ۔ (مدثر)	کی بڑائی کر، اور بتون کو چھوڑ دے،

اس کے بعد مکہ معظمہ کے قیام کے زمانہ مین جس قدر آیتین نازل ہوئین وہ بیشتر عقائد کے متعلق تھین، شرک، اور بت پرستی کی برائی، خدا کی عظمت وجلال کا اظہار، قیامت کے ہولناک سمان اور جنت و دوزخ کا پر اثر بیان، رسالت کے خواص اور اُس کی ضرورت کے دلایل، مکہ مین تیرہ برس تک زیادہ تر یہی مطالب ادا ہوتے رہے[4]

غرض عقاید کے تمام اجزا اگرچہ آغاز اسلام ہی مین لوگون کو سنائے جاچکے تھے، لیکن مکی آیتون کے استقصا سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر ایک کا بیان اب تک الگ الگ ہوتا تھا، عقاید کا مسلسل بیان سورۂ بقرہ، اور سورۂ نسار مین ہی، اور یہ دونون سورتین مدینہ مین نازل ہوئین، مکی سورتون مین زیادہ تر زور، توحید، قیامت، کے اعتقاد،

---

[1] اسلام کے بعض احکام کے نزول اور تدریجی تکمیل کی تاریخ جلد اول کے واقعات متفرقہ کے تحت مین بھی ضمناً گذر چکی ہے، ناظرین ایک دو جگہ احکام کی تاریخ اور سنین مین یہان سے اختلاف پائین گے، اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ جلد اول مین عام مورخین اور ارباب سیر کی تقلید کی گئی ہے اور یہان احادیث اور کتب شان نزول سے استقرار کرکے جو امر محقق نظر آیا ہے اسکی تفصیل کی گئی ہے۔ اور اصل یہ کہ احکام کے سنین اور تاریخین کتب حدیث مین بالتصریح مذکور نہین ہین، محدثین اور ارباب روایت کے قیاسات اور استنباطات ہین، اور اسی بنا پر باہم ان مین اختلافات ہین، ہم نے کوشش کی ہے کہ صحیح اور معتبر دلایل کی رہنمائی سے اس راستہ کو طے کرین۔ والعصمۃ بید اللہ (س،

[2] اضافہ تا ختم باب ''دیمم''، [3] صحیح بخاری تفسیر سورہ مدثر،

[4] صحیح بخاری باب تالیف القران،

اور رسولؐ کی صداقت پر صرف ہوا ہے، لیکن مدینہ آکر اسلام کے تمام عقاید اور اصول اولین کی مجموعی تعلیم شروع ہو جاتی ہی

ایمان اور اسلام کے اصول اولین کے متعلق سورۂ بقرہ کی سب سے پہلی آیت یہ ہی،

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ	جو بن دیکھے ایمان لاتے ہین۔ نماز کھڑی کرتے ہین، ہمنے جو روزی
مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ، وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ	دی ہے اس سے خرچ کرتے ہین اور جو اُن باتون پر ایمان رکھتے
بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَبِالْاٰخِرَۃِ	ہین جو (اے محمدؐ) تجھپر اتاری گیین اور جو تجھسے پہلے نازل
ھُمْ یُوْقِنُوْنَ،	ہوئین، اور ان کو آخرت پر بھی یقین ہی۔

وسط سورہ مین یہ اصول دوبارہ ادا ہوتے ہین،

لٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ	لیکن نیکی یہ ہی کہ کوئی خدا پر، روز قیامت پر، فرشتون پر کتاب
وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ،	پر، پیغمبرون پر ایمان لائے۔

اس کے بعد نماز، زکوۃ، اور بعض اخلاقی احکام گنائے گئے ہین، یہ آیتین تحویل قبلہ کی آیت کے ساتھ ۲ ہجری مین نازل ہوئین،

اسی کی تفصیل سورہ کے آخر مین کی گئی ہی، یہ آیتین ہجرت کے چند سال بعد غالبًا نازل ہوئی ہین، جیسا کہ حضرت عایشہ[۱] اور ابن عباس[۲] کی روایتون سے ثابت ہی،

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ	پیغمبر اس پر ایمان لایا جو اس پر اترا، اور تمام مسلمان خدا پر، خدا کے
کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ،	فرشتون پر، اسکی کتابون پر، اور اُس کے پیغمبرون پر سب ایمان لائے۔

سورۂ نسار کی آیت یہ ہے جس مین بالتفصیل بتایا گیا ہے کہ جو لوگ مسلمان ہو چکے ہین، اُن کے کیا عقاید ہونے چاہئین،

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ	اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو، ایمان لاؤ خدا پر، اسکے رسول پر

[۱] صحیح بخاری تفسیر یمحق اللہ الربوا۔ [۲] اسباب النزول سیوطی، بحوالہ صحیح مسلم و مسند احمد،

الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا،

اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری، اور اس کتاب پر جو اس سے پہلے اتاری اور جو شخص خدا کا اور اُس کے فرشتوں کا اور اسکی کتابوں کا، اس کے پیغمبرون کا، اور روز آخرت کا انکار کریگا وہ سخت گمراہ ہوا۔

احادیث کتاب الایمان مین بہت سے ایسے واقعات مذکور ہین جنمین لوگون نے آپ سے اسلام اور ایمان کے معنی دریافت کیے ہین، اور آپ نے سایل کی، یا وقت کی، مناسبت سے مختلف جوابات دیے ہین، آپ نے فرمایا کہ "مجھکو حکم دیا گیا ہے کہ مین اسوقت تک لڑون جب تک لوگ یہ گواہی ندین، خدا ایک ہی، محمد خدا کا پیغمبر ہے، نماز پڑھین، اور زکوٰۃ دین،"

ایک دفعہ کسی دیہات سے ایک مسلمان حاضر خدمت ہوا، اور دریافت کیا کہ اسلام کی حقیقت کیا ہی؟ آپ نے تین چیزین بتائین، "رات دن مین پانچ وقت کی نماز، رمضان کے روزے، اور زکوٰۃ، عبدالقیس کے وفد نے ۵ھ مین حاضر ہوکر عرض کی کہ ہم دشمنون کی مزاحمت کے سبب سے ہمیشہ نہین حاضر ہوسکتے اس لیے ایسے احکام بتا دیے جائین جو ان لوگون کو بھی سنا دیے جائین، جو شرف حضوری حاصل نہین کرسکتے ہین، آپ نے فرمایا،

شہادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ، وان محمد ارسول اللّٰہ واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ، وصیام رمضان وان تعطوا من المغنم الخمس،

اس بات کی شہادت کہ خدا ایک ہی ہے، محمد خدا کے پیغمبر ہین نماز پڑھنا، زکوٰۃ دینا، روزے رکھنا، اور مال غنیمت مین سے پانچوان حصہ دینا،

ایک دفعہ آپ صحابہ کے مجمع مین تشریف فرما تھے، اس اثنا مین ایک شخص نے آکر سوال کیا، ایمان کیا چیز ہی؟ آپ نے فرمایا "ایمان یہ ہے کہ خدا پر، فرشتون پر، خدا کی ملاقات پر، اس کے پیغمبرون پر، اور مرنے کے بعد جی اُٹھنے پر یقین ہو،" اُس نے پوچھا اور اسلام کیا ہے، فرمایا "اسلام یہ ہے کہ صرف خدا کو پوجو، کسی کو اس کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، فرض زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو،" اسنے پھر دریافت کیا کہ "احسان کسکو کہتے ہین" ارشاد ہوا کہ

خدا کی اس طرح عبادت کرو، گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ ہو سکے تو یہ سمجھو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہی،

یہ اصولِ اسلام کا تقریبًا کامل نقشہ ہے، غالبًا یہ سوال وجواب فتح مکہ یعنی ۸ھ سے پہلے کا واقعہ ہی، کیونکہ اس مین حج کا ذکر نہین ہی تاہم اس قدر اطمینان حاصل ہو چکا تھا کہ تکمیل عبادت کے لیے خضوع وخشوع کی قید بھی اضافہ کیجا سکی

اصولِ اسلام کا آخری اعلان یہ ہی،

بنی الاسلام علی خمسٍ شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ والحج وصوم رمضان،

اسلام کی بنا پانچ باتون پر ہے، اس بات کی گواہی کہ خدا کے سوا کوئی اور خدا نہین، محمدؐ اسکا پیغمبر ہے، نماز پڑھنا زکوٰۃ دینا، حج کرنا۔ رمضان کے روزے رکھنا۔

رفتہ رفتہ ایمان اور اسلام کے اصول کلیہ کی جب تکمیل ہو چکی تو اس کے جزئیات اور دیگر لوازم کی بھی تعلیم دی گئی آپ نے فرمایا کہ ایمان کی کچھ اوپر ساٹھ شاخین ہین جن مین ایک شاخ حیا ہی،" ایک دفعہ فرمایا کہ "بہترین اسلام یہ ہے کہ مسلمان اسکی زبان اور ہاتھ سے محفوظ رہے،" ایک اور صاحب کے جواب مین فرمایا کہ "بہترین اسلام یہ ہی کہ محتاجون کو کھانا کھلاؤ، اور کسی سے جان پہچان ہو یا نہ ہو، مگر اسکو سلام کرو،" یہ بھی فرمایا کہ "اسوقت تک تم مومن نہین جب تک اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرو جو تم اپنے لیے پسند کرتے ہو"[1]۔

غرض اسلام کے تمام اصول وفروع کی تعلیم اسی طرح بتدریج تکمیل کو پہونچتی گئی، اور آخر ۹ ذیحجہ ۱۰ھ جمعہ کے روز وہ ساعت آئی جب خدا نے فرمایا[2]،

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ،)

آج ہمنے تمہارا مذہب کمل کر دیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی۔

عبادات

(اوپر یہ حدیث گذر چکی ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزون پر قایم کی گئی ہے، ان مین سے توحید ورسالت کے علاوہ بقیہ

[1] یہ تمام حدیثین صحیح بخاری کتاب الایمان مین ہین۔ [2] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور،

چار چیزین یعنی نماز، روزہ، حج، زکوۃ، عبادات مین داخل ہین، ان مین سب سے اول شے نماز ہی، نماز کی صحت کے لیے متعدد شرائط ہین، سب سے اوّل اور ضروری شرط طہارت ہی،

طہارت

(طہارت کے معنی یہ ہین کہ جسم اور لباس، ظاہری اور معنوی ہر قسم کی نجاستون سے پاک ہو، طہارت کو اسلام مین جو اہمیت حاصل ہی، اُسکا اندازہ اس سے کرو کہ دوسری ہی دفعہ کی وحی سے جب احکام اور فرائض کا آغاز ہوا تو توحید کے بعد دوسرا حکم طہارت ہی کا دیا گیا۔

یَا اَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ، وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ	اے چادر اوڑھنے والے اٹھ، اور ڈرا، اور اپنے
وَالرُّجْزَ فَاھْجُرْ، (مدثر)	کپڑے پاک کر، اور ناپاکی کو چھوڑ دے،

اگرچہ مفسرین نے عموماً کپڑے کی طہارت سے "دل کی طہارت" اور "ناپاکی" سے "بت پرستی" مراد لی ہی، تاہم اس سے ظاہری طہارت اور پاکیزگی کی اہمیت کا اندازہ بھی ہوسکتا ہے، نماز سے پہلے وضو کرنا فرض ہی، اس فرضیت کا ثبوت ابتداے اسلام سے ثابت ہوتا ہی، تاریخ وسیر اور بعض روایات حدیث مین ہی کہ وضو کا طریقہ آغاز وحی ہی مین حضرت جبریل نے آپ کو سکھایا[1] تھا، حاکم نے مستدرک مین حضرت ابن عباس سے ایک روایت کی ہی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے بھی وضو فرماتے[2] تھے لیکن قرآن مین وضو کا حکم باتفاق محدثین مدینہ مین نازل ہوا،

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا	مسلمانو! جب نماز کے لیے کھڑے ہو، تو منھ اور کہنیون تک
وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا	ہاتھ دھولو، سر پر مسح کرو، اور گھٹنون تک پانون دھو
بِرُءُوْسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ،	ڈالو،

یہ آیت سورۂ مائدہ مین ہے اور اس سورہ کی اکثر آیتین ہجرت کے چار پانچ سال بعد کی ہین، اس آیت کے متعلق بخاری مین تصریح ہے کہ وہ آیت تیمم کے ساتھ اتری ہے، آیت تیمم ۶ھ ہجری مین نازل ہوئی اسی بنا پر اکثر علماء کی راے یہ ہے کہ وضو پر عمل تو پہلے سے تھا لیکن قرآن مین اس کی فرضیت ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد نازل ہوئی، ایسا

---

[1] ابن ہشام وفتح الباری، بحوالہ مغازی ابن لہیعہ وامام احمد وابن ماجہ، [2] فتح الباری جلد اصفحہ ۲۰۵ وطبرانی فی الاوسط،

معلوم ہوتا ہی کہ ابتداءً لوگ نہایت جلدی جلدی وضو کرلیتے تھے، کچھ حصہ بھیگتا تھا، کچھ نہین بھیگتا تھا سنہ ۶ھ مین یا اس کے بعد کے کسی سفر مین آپ مکہ سے واپس آرہے تھے، کچھ لوگ جھپٹکر تالاب کے پاس پہنچے، اور جلدی جلدی ہاتھ منھ دھولیا، ایڑیان کچھ بھیگین کچھ خشک رہین، آپ نے فرمایا[۱]،

ویل للاعقاب من النار اسبغوا الوضوء ان ایڑیون پر دوزخ کی پھٹکار ہی، وضو کو کامل کرو۔

اس وقت سے "اِسباغ وضو"، یعنی سکون وطمانیت کے ساتھ وضو کے تمام فرایض ادا کرنا، لازم قرار پاگیا، اسباغ وضو کے فضایل آپ نے بیان فرمائے، ابتداءً وضو ٹوٹے یا نہ ٹوٹے، ہر نماز کے وقت تازہ وضو کرتے تھے، لیکن آخر عام مسلمانون پر جبر ہونے کے خیال سے ہر وقت ضروری نہ رہا[۲]، اور اس کا اعلان آپ نے عملاً فتح مکہ کے وقت فرمایا[۳]۔)

تیمم | (وضو کے لیے پانی کی ضرورت ہی لیکن ہر وقت سفر مین اس کا ملنا مشکل ہی، نیز بیماری کی حالت مین پانی کا استعمال کبھی مضر ہی اسلیے سنہ ۵ھ مین تیمم کی آیت نازل ہوئی۔

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ	اگر تم بیمار ہو یا سفر مین ہو، یا تم مین سے کوئی جاے ضرور سے
مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا	آئے، یا تمنے عورتون سے مقاربت کی ہو، اور پانی میسر نہ آئے
صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ	تو طاہر مٹی لیکر اُس سے تیمم یعنی منھ اور ہاتھون کا اُس سے مسح
مِّنْهُ، مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ	کرلو، اللہ تمپر کسی طرح کی تنگی کرنا نہین چاہتا، بلکہ یہ چاہتا ہی
يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ	کہ تمکو پاک وصاف کردے اور اپنا احسان تمپر پورا کردے
تَشْكُرُوْنَ ٥ (مائدہ)	تاکہ تم شکر گذار بنو۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ غزوہ بنی مصطلق (سنہ ۵ھ) سے آپ واپس آرہے تھے، ام المومنین حضرت عایشہ ساتھ تھین، مدینہ کے قریب جب قافلہ پہنچا تو اتفاقاً ام المومنین رض کا ہار کہین گرگیا، سارا قافلہ وہین اتر پڑا، نماز کا وقت آیا تو پانی نہ ملا، تمام صحابہ پریشان خاطر تھے، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی، اتنے مین یہ آیت نازل ہوئی، مسلمانونکو

---

[۱] صحیح مسلم باب وجوب غسل الرجلین۔ [۲] فتح الباری بحوالہ ابوداؤد، واحمد، [۳] صحیح مسلم،

اس اجازت سے بڑی خوشی ہوئی، اسید بن حضیر ایک صحابی نے کہا "اے آل ابی بکر تم لوگون کے لیے سرمایۂ برکت ہو"

حدیثون مین آیا ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) چھوٹے بچون کو نماز مین کندھے پر چڑھا لیتے سجدہ مین جاتے وقت اتار دیتے، دوسری رکعت مین کھڑے ہوتے تو پھر چڑھا لیتے، حضرت عائشہ باہر سے آتین اور دروازہ کھٹکھٹاتین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نماز پڑھتے ہوئے، عین اسی حالت مین جاکر دروازہ کھولدیتے[1]، ان حدیثون کی بنا پر بہت سے فقہا کی یہ راے ہے کہ یہ سب افعال نماز نفل مین جایز ہین، نفل کی تخصیص اس لیے کہ جن نمازون مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے افعال کیے وہ فرض نہ تھین، بلکہ نفل تھین، لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہین، ایک حدیث مین صاف موجود ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) امامہ بنت ابوالعاص کو کاندھے پر چڑھائے مسجد مین آے، اور نماز ادا[2] کی، ہمارے نزدیک یہ تمام روایتین اسی زمانہ کی ہین، جبکہ نماز مین بات چیت اور اس قسم کے حرکات ممنوع نہین قرار پاے تھے،

رفتہ رفتہ نماز تکمیل کی اس حد کو پہنچی کہ وہ تمام تر خضوع وخشوع ومراقبہ ومحویت بنگئی،

قرآن مجید مین آیت اتری، قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ، یعنی "فلاح پانے والے مسلمان، وہ مسلمان ہین، جو خشوع کے ساتھ نماز ادا کرتے ہین"، اس بنا پر نماز مین اِدھر اُدھر دیکھنا یا کوئی حرکت خضوع وخشوع کے خلاف کرنا منع ہوگیا، نماز کے تمام ارکان کا نہایت سکون اور اطمینان کے ساتھ ادا کرنا لازمی قرار پایا۔ یہان تک کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم کے سامنے نماز ادا کی اور تمام ارکان ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح نہین ادا کیے، تو آپ نے اُس سے فرمایا کہ "تم نے نماز نہین پڑھی، جاکر پھر پڑھو"، اُس نے دوبارہ اسی طرح ادا کی، آپ نے پھر فرمایا کہ نماز نہین ہوئی، تیسری دفعہ اُسنے پوچھا کہ کیون کر پڑھون، آپ نے رکوع، سجدہ، قیام، سب کی نسبت ہدایت کی کہ نہایت اطمینان سے ساتھ ادا کیے جائین، چنانچہ صحیح بخاری[3] وغیرہ مین یہ روایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

غرض یا تو یہ حالت تھی کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم مسجد مین جمعہ کی نماز پڑھ رہے تھے، اتفاقاً شام سے تجارت کا قافلہ آیا، دس بارہ آدمیون کے سوا جسقدر لوگ نماز مین شریک تھے، اُٹھ کر قافلہ کی طرف دوڑے، اُس پر

[1] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب العمل فی الصلوۃ [2] ابوداؤد باب العمل فی الصلوۃ [3] صحیح بخاری باب امر النبی صلعم من لا یتم صلوۃ بالاعادۃ،

یہ آیت[1] اتری،

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انْفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا، قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ ۝

اور جب لوگ تجارت، یا کھیل تماشا دیکھ پاتے ہین، تو ٹوٹ کر اُس پر گرتے ہین اور تجھکو کھڑا چھوڑ دیتے ہین کہدے کہ جو کچھ خدا کے ہان ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے،

اور یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و تعلیم سے یہ حالت ہوئی کہ[2] ایک انصاری نماز کی حالت مین تین دفعہ تیر کا زخم کھاتے ہین، لیکن نماز نہین توڑتے کہ جو سورہ انھون نے شروع کیا تھا، اسکی لذت معنوی اُس درد زخم سے زیادہ تھی، اِس سے بڑھکر یہ) کہ حضرت عمر فاروق نماز مین زخم کھا کر گرتے اور تڑپتے ہین، یہ قیامت خیز منظر سب کے سامنے ہے لیکن ایک شخص مڑکر نہین دیکھتا، کیونکہ خشیت الٰہی اور محویت کا عالم جو دلون پر طاری ہے وہ اور کسی طرف متوجہ نہین ہونے دیتا،

نماز جمعہ اور عیدین مکہ مین چار شخصون کا یکجا ہو کر نماز ادا کرنا ناممکن تھا، اس لیے جمعہ کی نماز فرض نہ تھی (کیونکہ) جمعہ کی پہلی شرط جماعت ہی ہے لیکن مدینہ منورہ مین انصار کی ایک بڑی جماعت اسلام لا چکی تھی اور کوئی شخص ادائے نماز مین خلل انداز نہین ہوسکتا تھا، اس لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری سے قبل جو مسلمان مدینہ آچکے تھے، اسعد بن زرارہ کی تحریک سے بنی ساعدہ کے محلہ مین انھون نے جمعہ کی سب سے پہلی نماز ادا[2] کی، مصعب بن عمیر[3] امام تھے، اور کل چالیس مسلمان نمازی[4] تھے، اس کے بعد آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب مدینہ تشریف لاے تو پہلے قبا مین قیام فرمایا یہان سے روانگی کے لیے آپ نے قصداً جمعہ کا دن تعین فرمایا، بنی سالم کے محلہ مین پہنچے تو نماز کا وقت آگیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے نماز جمعہ یہین ادا فرمائی، یہ اواخر ربیع الاول سنہ ۱ھ کا واقعہ[5] ہے، مدینہ سے باہر عرب کے

[1] صحیح بخاری کتاب البیوع و تفسیر آیت مذکور۔ [2] ابوداؤد و ابن ماجہ و دارقطنی کتاب الجمعہ۔ نیز عبدالرزاق و احمد و خزیمہ حسب حوالہ فتح الباری، [3] ابن اسحاق۔

[4] ابوداؤد و ابن ماجہ وغیرہ، کتاب الجمعہ، [5] طبری صفحہ ۱۲۵۶۔

دوسرے حصون مین مسلمانون کی یکجا تعداد سب سے زیادہ جواثیٰ مین تھی، جو بحرین مین واقع تھا، حضرت ابن عباس کی روایت ہو کہ مسجد نبوی کے بعد سب سے پہلے نماز جمعہ یہین قایم ہوئی۔[1]

لیکن بظاہر نماز جمعہ کا اہتمام مسلمانون مین پہلے اتنا نہ تھا، جتنا کہ ہونا چاہیے، ابھی اوپر گذر چکا ہو کہ ایک دفعہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مسجد مین جمعہ کی نماز پڑھا رہے تھے، اور ایک روایت مین ہو کہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اتفاقاً شام سے غلہ کے بیوپاری آگئے، سب لوگ اُٹھکر اُدھر چلے گئے، جماعت مین صرف بارہ[2] آدمی، اور دوسری روایت کی رو سے چالیس آدمی[3] رہ گئے، اس پر یہ آیتین نازل ہوئین،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ	ایمان والو! جب نماز جمعہ کے لیے پکارا جاے تو یاد الٰہی کی
مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ	طرف دوڑو، اور خرید و فروخت چھوڑ دو، یہ تمہارے لیے
وَذَرُوا الْبَيْعَ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ	بہتر ہے، اگر تم کو علم ہو، جب نماز سے فراغت ہو جائے تو زمین
فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ	مین چلو پھرو اور خدا کی روزی تلاش کرو، اور خدا کو اکثر
وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ	یاد کیا کرو، تاکہ فلاح پاؤ، جب لوگ تجارت اور کھیل
كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً	تماشہ دیکھ پاتے ہین، تو ٹوٹ کر اس پر گرتے ہین، اور
أَوْ لَهْوًا انفَضُّوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا قُلْ	تجھکو اے پیغمبر، کھڑا چھوڑ دیتے ہین، کہدے کہ جو کچھ
مَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ	خدا کے پاس ہے وہ تجارت اور کھیل تماشہ سے بہتر ہے
وَاللَّهُ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ۞ (جمعہ)	اور خدا بہتر روزی دینے والا ہے۔

اس کے بعد یہ حالت ہوگئی کہ نماز کے سامنے تمام دنیا کی دولت کا خزانہ بھی اُن کے آگے ہیچ ہوگیا، خدا نے انکی مدح فرمائی،

رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَن	یہ وہ لوگ ہین جن کو تجارت اور خرید و فروخت خدا کی

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجمعہ، [2] صحیح بخاری باب الجمعہ، [3] دارقطنی کتاب الجمعہ،

ذِكْرِ اللّٰهِ ، | یاد سے غافل نہین کرتی ،

عید کی نماز بھی مدینہ ہی مین آکر قایم ہوئی ہلیکن جس سال آپ تشریف لائے اس سال عید کی نماز نہین ہوئی ، بلکہ ۲ھ مین مسنون[1] ہوئی جسکی وجہ یہ ہے کہ عید کی نماز ، روزۂ رمضان کے تابع ہے ، اور رمضان کے روزے دوسرے سال فرض ہوئے ۔)

نماز نماز آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت کے ساتھ فرض ہوئی[2] ، (چنانچہ دوسری ہی وحی مین حکم ہوا ،

وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (مدثر) | اپنے پروردگار کی بڑائی (تکبیر) بیان کر ،

اس تکبیر سے مقصود بجز نماز کے اور کیا ہوسکتا ہے ؟ لیکن چونکہ تین برس تک دعوت اسلام مخفی رہی اور کفار کے ڈر سے علانیہ نماز پڑھنا ممکن نہ تھا ، اس لیے صرف رات کو دیر تک نماز پڑھتے رہنے کا حکم تھا ، دن مین کوئی نماز فرض نہین ہوئی چنانچہ سورۂ مزمل مین جو ابتدائی سورتون مین سے ہے یہ حکم بتصریح مذکور ہے ،

يَا أَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا	اے کملی اوڑھ کر سونے والے ! رات کو تھوڑی دیر کے
نِصْفَهُ أَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا أَوْ زِدْ	علاوہ ساری رات اُٹھکے نماز پڑھاکر ، آدھی رات تک
عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا إِنَّا	یا اس سے بھی کچھ کم کر ، یا اس سے بھی کچھ بڑھا دے ، اور
سَنُلْقِي عَلَيْكَ قَوْلًا ثَقِيلًا إِنَّ نَاشِئَةَ	قرآن ٹھہر ٹھہر کر پڑھ ، ہم تجھپر عنقریب ایک بھاری بات
اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْئًا وَأَقْوَمُ قِيلًا	ڈالنے والے ہین ، رات کا اُٹھنا نفس کو خوب زیر کرتا ہے

[1] طبری صفحہ ۱۲۸۱ ، یورپ ، [2] نماز کے بیان تاریخ مین محدثین مختلف الراے ہین ، ابن حجر نے فتح الباری (جلد اول صفحہ ۳۹۳) مین جو خلاصۂ مباحث نقل کیا ہے اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہے " ایک جماعت اس طرف گئی ہے کہ معراج سے پہلے رات کی غیر موقت نماز کے علاوہ کوئی اور نماز فرض نہ تھی ، حربی کی راے ہے کہ صبح وشام دو دو رکعتین فرض تھین ، امام شافعی نے بعض اہل علم سے روایت کی ہے کہ پہلے رات کی (دیر تک) نماز فرض تھی ، بعد ازین فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ کی آیت سے یہ حکم منسوخ ہوگیا ، اور صرف تھوڑی رات تک نماز فرض رہ گئی ، اس کے بعد نماز پنجگانہ نے اس حکم کو بھی منسوخ کر دیا "، ہم نے نماز کی جو تاریخ بیان کی ہے وہ انھین چند سطرون کی تفصیل ہے جسکی تطبیق قرآن مجید کی چند آیتون سے کر دی گئی ہے ، اس تفصیل سے یہ گرہ بھی کھل جاتی ہے کہ قرآن مجید مین ، اوقات نماز کے مختلف بیانات کیون ہین ؟ ؟ س

اِنَّ لَكَ فِی النَّهَارِ سَبۡحًا طَوِیۡلًا ۔ وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلۡ اِلَیۡهِ تَبۡتِیۡلًا ؕ

اور یہ وقت دُعا کے لیے مناسب بھی زیادہ ہی، دن کو تجھکو زیادہ شغل رہتا ہی، اپنے پروردگار کا نام لے، سب سے ٹوٹ کر اسی کا ہورہ،

اس کے بعد صبح وشام کی دُو دُو، رکعتین اور فرض ہوئین۔

وَاذۡكُرِ اسۡمَ رَبِّكَ بُكۡرَةً وَّاَصِیۡلًا وَمِنَ الَّیۡلِ فَاسۡجُدۡ لَهٗ وَسَبِّحۡهُ لَیۡلًا طَوِیۡلًا (دھر)

صبح وشام خدا کا نام لیا کر، اور رات کے وقت دیر تک اسکو سجدہ کیا کر اور اس کی تسبیح بیان کر

رات کو دیر تک نماز پڑھنے کا جو حکم تھا، ایک سال تک قایم رہا، چنانچہ حضرت عایشہ بیان کرتی ہین کہ آپکا اور اکثر صحابہ کا ایک سال تک اسی حکم پر عمل رہا، نماز پڑھتے پڑھتے ان کے پانون سوج جاتے تھے، ایک سال کے بعد فرضیت منسوخ[1] ہوگئی، اور حکم ہوا،

اِنَّ رَبَّكَ یَعۡلَمُ اَنَّكَ تَقُوۡمُ اَدۡنٰی مِنۡ ثُلُثَیِ الَّیۡلِ وَنِصۡفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِیۡنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ یُقَدِّرُ الَّیۡلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ فَتَابَ عَلَیۡكُمۡ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنۡ سَیَكُوۡنُ مِنۡكُمۡ مَّرۡضٰی ۙ وَاٰخَرُوۡنَ یَضۡرِبُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ یَبۡتَغُوۡنَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوۡنَ یُقَاتِلُوۡنَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ ۫ۖ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَیَسَّرَ مِنۡهُ ،

تیرا پروردگار جانتا ہی کہ دو تہائی رات سے کم، اور آدھی رات، اور تہائی رات تک نماز پڑھا کرتا ہے اور کچھ لوگ اور تیرے ساتھ خدا ہی رات اور دن کا اندازہ کرتا ہی اسنے جان لیا کہ تم اس کو گن نہین سکتے، تم پر اسنے مہربانی کی، اب جتنا ہو سکے اُتنا ہی قرآن نمازمین پڑھو، اسنے جان لیا کہ تم مین بیمار بھی ہونگے مسافر بھی ہونگے، جو خدا کی روزی ڈھونڈنے کو سفر کرین گے اور لوگ خدا کی راہ مین سفر جہاد کرین گے، پس اب جتنا ہو سکے اتنا ہی پڑھو،

رات کی اس نفل نماز کا نام تہجد ہے۔ نماز نفل کے تہجد ہو جانے کے بعد، فجر، مغرب، اور عشا، تین

وقت کی نمازین فرض ہوئین،

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّیْلِ (ھود) دن کے دونون (ابتدائی اور انتہائی) کنارون مین (یعنی فجر ومغرب) اور تھوڑی رات گذرنے کے بعد نماز پڑھاکرو،

معراج مین جو نبوت کے پانچوین سال ہوئی پانچ وقت کی نمازین فرض ہوئین[1] (اور سورۂ اسرا مین جو معراج کے بیان پر مشتمل ہی یہ آیت اُتری،

اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْکِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ اللَّیْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ، اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ کَانَ مَشْھُوْدًا، وَمِنَ اللَّیْلِ فَتَھَجَّدْ بِہٖ نَافِلَۃً لَّکَ،) نماز کے اوقات زوال آفتاب سے لیکر ظلمت شب تک ہین، (ظہر عصر، مغرب، عشا) اور صبح کی نمازین سب جمع ہوتے ہین، اور رات کو تہجد پڑھ۔ یہ تیرے لیے مزید ہے")

لیکن رکعتین دو ہی رہین، مدینہ منورہ مین آکر جب نسبتہً کسی قدر اطمینان ہوا تو اس فرض نے وسعت حاصل کی اور دو کے بجائے چار رکعتین فرض ہوگئین[2]،

باین ہمہ نماز مین خضوع وخشوع اور تمکین ووقار کے لیے جو ارکان ضروری ہین ان کے لیے جس اطمینان کی ضرورت تھی وہ مدت تک نصیب نہین ہوا، اس لیے فوراً وہ ارکان اور آداب لازمی نہین قرار پائے، بلکہ رفتہ رفتہ ان کی تکمیل کی گئی، پہلے لوگ نماز مین آنکھ اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیا کرتے تھے۔ بالآخر آن حضرت (صلے اللہ علیہ وسلم،) نے فرمایا،

ما بال اقوام یرفعون البصر الی السماء فی صلواتھم[3]، یہ کیسے لوگ ہین کہ نماز مین آسمان کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا کرتے ہین،

ایک مدت تک یہ حالت تھی کہ نماز پڑھنے مین کوئی کام یاد آجاتا تو کسی سے کہدیتے، یا کوئی سلام کرتا تو نماز ہی مین جواب دیتے، پاس پاس کے آدمی نماز مین باہم باتین کیا کرتے، جب مہاجرین حبش ۲ھ مین واپس آکر خدمت اقدس

[1] فتح الباری مصری جلد، صفحہ ۱۵۵، [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ، [3] بخاری کتاب الصلوۃ باب رفع البصر الی السماء فی الصلوۃ۔

مین حاضر ہوئے تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نماز مین مشغول تھے، معمول کے موافق لوگون نے سلام کیا، لیکن جواب نہین ملا، نماز کے بعد آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ "خدا نے اب حکم دیا ہی کہ نماز مین باتین نہ کرو[1]"، اُس وقت سے بات چیت کرنا یا سلام کا جواب دینا بالکل منع ہوگیا،

معاویہ بن حکم کا بیان ہی کہ ایک دفعہ مین نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ نماز ادا کی، ایک صاحب کو چھینک آئی، مین نے یرحمك اللہ کہا، لوگون نے تیز نگاہون سے میری طرف دیکھا، مین نے کہا "آپ لوگ کیا دیکھتے ہین"؟ لوگون نے زانو پر ہات مارے، اُس وقت مین سمجھا کہ بات کرنے سے روکنا چاہتے ہین، مین چپ ہوگیا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نماز سے فارغ ہوکر (خلق احمدی سے) مجھکو نہ سزا دی، نہ ڈانٹا، نہ بُرا کہا، صرف یہ فرمایا کہ "نماز تسبیح وتکبیر اور قرأت کا نام ہی، اس مین بات چیت جائز نہین[2]"،

تشہُّد کا جو طریقہ اب ہے، پہلے نہ تھا، بلکہ مختلف اشخاص کے نام لے کر کہتے تھے، السلام علی فلان وفلان، بالآخر التحیات کے خاص الفاظ سکھائے گئے جو اب نماز مین معمول بہا ہین[3]،

صلوۃ خوف | (نماز کسی حالت مین قضا نہین کی جاسکتی، خوف کی حالت مین مثلاً جنگ مین یہ حکم ہے کہ تمام فوج کے دو ٹکڑے کر دیے جائین، پہلے ایک جماعت تمام ہتیارون سے مسلح ہوکر امام کے پیچھے کھڑی ہو اور قصر نماز ادا کرے پھر بہ ترتیب یہ آگے بڑھے اور دوسری جماعت جو دشمن کے مقابلہ مین تھی وہ پیچھے ہٹے، اور وہ بھی قصر نماز ادا کرے، امام اپنی جگہ پر قیام کرے، راویون مین اختلاف ہے کہ ہر جماعت دو دو رکعت امام کے ساتھ ادا کرے یا ایک ایک رکعت امام کے ساتھ اور دوسری رکعت علیحدہ علیحدہ پڑھے، یا صرف ایک ہی رکعت اس حالت مین فرض ہی، ابو داؤد نے صلوۃ الخوف کی تمام صورتین بروایت صحابہ الگ الگ لکھدی ہین، ہمارے نزدیک ان مین کوئی اختلاف نہین ہی، یہ جنگ کی حالت پر موقوف ہے، امام جسوقت جو مناسب سمجھے کرے، اگر لڑائی پورے زور اور شدت پر ہو تو ہر سپاہی اپنی اپنی جگہ پر اشارات سے نماز ادا کرے گا، سورۂ نساء مین صلوۃ الخوف کی صورت

---

[1] ابو داؤد کتاب الصلوۃ۔ [2] ایضا [3] ابو داؤد کتاب الصلوۃ باب التشہد،

بہ تفصیل مذکور ہے،

صلوۃ الخوف کا حکم غزوۃ الرقاع ۵ھ مین نازل ہوا، اسی غزوہ کا نام بعض راویون نے غزوہ نجد بتایا ہے ابوداؤد مین ابوعباس زرقی کی ایک روایت ہی جس سے معلوم ہوتا ہی کہ صلوۃ الخوف کی آیت صلح حدیبیہ کے موقع پر مقام عسفان مین نازل ہوئی، یعنی ۶ھ مین، لیکن زیادہ تر رواۃ حدیث اور اہل سیر غزوۃ الرقاع ہی کو اس حکم کا زمانہ سمجھتے ہین[۱]

روزہ | اسلام سے پہلے قریش عاشورا کے دن روزہ رکھتے تھے، (اس دن خانہ کعبہ پر غلاف چڑھایا جاتا ہی[۲]) آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی اس دن روزہ رکھا کرتے تھے، اور عجب نہین کہ آپ کی تبعیت مین دوسرے صحابہ بھی روزہ رکھتے ہون، ۵ نبوی مین یعنی ہجرت سے آٹھ برس پہلے حضرت جعفر نے حبش کے نجاشی کے سامنے اسلام پر جو تقریر کی تھی اس مین روزہ کا ذکر بھی موجود ہی، وہ غالباً اسی دن کا روزہ ہوگا، اس کے بعد) جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود بھی اس دن روزہ رکھتے ہین، آپ نے لوگون سے وجہ پوچھی، لوگون نے بیان کیا کہ حضرت موسےٰ نے اسی روز فرعون کے ہات سے نجات پائی تھی، آپ نے فرمایا "تو ہم کو موسےٰ کی تقلید کا زیادہ حق ہے" چنانچہ آپ نے (یہان بھی) عاشورا کا روزہ رکھا، (اور صحابہ کو بھی رکھنے کا حکم دیا) پھر ۲ھ مین رمضان کے روزے فرض ہوئے، تو عاشورا کا روزہ مستحب ہوگیا، یعنی جس کا جی چاہتا تھا، رکھتا تھا، اور جو نہین چاہتا تھا نہین رکھتا تھا[۳] لیکن آپ نے بہ نفس نفیس اس دن کا روزہ برابر رکھا، ۱۱ھ مین لوگون نے عرض کی یا رسول اللہ! یہود تو اس دن کی بڑی عزت کرتے ہین، فرمایا کہ آیندہ سال ۱۰ کے بجاے ۹ کو روزہ رکھون گا، لیکن افسوس کہ آپ نے اسی سال وفات پائی[۴]،

یہود اس طرح روزہ رکھتے تھے کہ نماز عشا کے بعد پھر نہین کھاتے تھے، اور اس کو حرام سمجھتے تھے، عورت کے ساتھ

---

[۱] دیکھو کتب احادیث صلوۃ الخوف اور طبری جلد ۳ صفحہ ۵۴، ابن سعد جلد ۲ صفحہ ۴۳، (۲) مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۴۴ (معجم کبیر طبرانی)،
[۳] ابوداؤد کتاب الصوم، (۴) یہ تمام واقعات صحیح بخاری، صحیح مسلم اور ابوداؤد کتاب الصوم مین بہ تفصیل مذکور ہین)

ہم بستری بھی منع تھی، ابتداے اسلام مین مسلمان بھی اسی طریقہ کے موافق مامور ہوئے۔ لیکن اسلام کے تمام احکام مین سب سے مقدم یہ اصول ملحوظ رہتے تھے۔

يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (بقرہ)	خدا تمھارے حق مین آسانی چاہتا ہی سختی نہین چاہتا،
لا صرورۃ فی الاسلام (ابوداؤد واحمد)	اسلام مین جوگی پن نہین ہے،

اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی،

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ وَ	روزے کی راتون مین تمھارے لیے عورتون سے لطف اٹھانا
كُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ	حلال کر دیا گیا ہی (جب تک صبح کی سپید لکیر (رات کی) سیاہ لکیر
الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ، (بقرہ)	سے الگ نہو جائے تم کھاتے پیتے رہو)

اہل عرب روزہ کے بہت کم خوگر تھے، اوّل اوّل روزہ ان پر شاق ہوا[1] اس لیے نہایت تدریج کے ساتھ روزہ کی تکمیل کی گئی، اول اول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ مین تشریف لائے تو سال مین تین روزے رکھنے کا حکم دیا۔ پھر روزے کی فرضیت نازل ہوئی تو یہ اختیار رہا کہ جو شخص چاہے روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ کے بدلے ایک غریب کو کھانا کھلا دے۔ رفتہ رفتہ جب لوگ روزے کے خوگر ہو چلے تو یہ آیت اُتری،

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ[2]	جو رمضان کا مہینہ پاے، وہ ضرور روزہ رکھے،

اب بالتعیین روزہ فرض ہو گیا، اور فدیہ کی اجازت جاتی رہی، البتہ جو شخص بیمار ہو یا سفر مین ہو، اس کے لیے یہ حکم ہوا کہ اس وقت روزہ توڑ دے اور ان کے بدلے کسی اور وقت قضا کر دے۔ چونکہ اور تمام قومون مین خصوصاً عیسائیون مین رہبانیت بڑی فضیلت کی بات سمجھی جاتی تھی، اس لیے جو لوگ زیادہ خداپرست تھے، روزہ مین زیادہ سختی برداشت کرتے تھے، لیکن آنحضرت صلعم وقتاً فوقتاً اس سے روکتے رہتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم سفر مین تھے، ایک شخص کو دیکھا کہ اس کے گرد بھیڑ لگی ہوئی تھی، اور اس پر لوگون نے سایہ کر رکھا ہے، سبب پوچھا معلوم

---

[1] ابوداؤد کتاب الصوم، باب مبدء فرض الصیام و اسباب النزول للسیوطی صفحہ ۲۰۔ [2] صحیح بخاری مین ہی نزل رمضان فشق علیھم،
[3] ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب کیف الاذان۔

ہوا کہ سخت گرمی مین اس شخص نے روزہ رکھا ہے، آپنے ارشاد فرمایا کہ "سفر مین روزہ رکھنا کچھ ثواب کی بات نہین"[1]

بعض لوگون نے صوم وصال رکھنا چاہا یعنی رات دن روزہ رکھین، بیچ مین افطار نہ کرین، آپ نے اس سے منع فرمایا۔

روزہ کا مقصد عام طور پر صرف یہ سمجھا جاتا تھا کہ اپنے آپ کو تکلیف مین ڈالنا ثواب کی بات ہے، اسلیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ہر طرح کی آسانیون کا حکم دیا، سفر اور بیماری مین روزہ رکھنا فرض نہ تھا۔

راتون کو صبح صادق تک کھانے پینے اور تمام اشغال کی اجازت تھی، سحر کھانے کی فضیلت بیان کی اور یہ بھی فرمایا کہ صبح کے قریب کھائی جائے، تاکہ دن بھر قوت باقی رہے۔

روزہ کا مقصد صرف معاصی سے کف نفس تھا، اور روزہ اس کا معین تھا، اس لیے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "جو شخص روزہ مین جھوٹ فریب نہین چھوڑتا، خدا کو اُس کی فاقہ کشی کی کوئی حاجت نہین[2]۔"

زکوۃ

خیرات اور زکوۃ کی ترغیب اور تحریص اسلام مین ابتدا ہی سے معمول بہ تھی، مکہ مین جو سورتین اترین ان مین زکوۃ کا لفظ تصریحاً مذکور ہے، اور خیرات نہ دینے والون پر نہایت عتاب ہی،

اَرَأَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ فَذٰلِكَ	تم نے اس شخص کو دیکھا جو قیامت کو جھٹلاتا ہی، یہی وہ
الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى	شخص ہی جو یتیم کو دھکے دیتا ہی اور مسکین کے کھانا کھلانے
طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝	کی لوگون کو ترغیب نہین کرتا۔

مدینہ منورہ مین زیادہ تاکیدی آیتین نازل ہوئین، ۲ھ مین عید کے دن صدقہ فطر دینا واجب قرار پایا[3]، ہجرت کے ابتدائی زمانہ مین عام مسلمان اور خصوصاً مہاجرین سخت فقر وفاقہ مین مبتلا تھے، حدیثون مین صحابہ کے فقر وتنگدستی کے جو واقعات کثرت کے ساتھ مذکور ہین، اسی زمانہ کے ہین۔ اس بنا پر یہ حکم ہوا کہ جس شخص کے پاس ضروری مصارف سے جو کچھ بچے سب کو خیرات کر دینا چاہیے، ورنہ عذاب ہوگا، چنانچہ خاص آیت نازل ہوئی[4]۔

[1] صحیح بخاری کتاب الصوم [2] ایضاً بحوالہ بالا، [3] طبری مطبوعۂ یورپ صفحہ ۱۲۸۱، [4] صحیح بخاری بقول حضرت عبداللہ بن عمر،

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ۵

جو سونا چاندی جمع کرتے ہین، اور خدا کی راہ مین خیرات نہین کرتے،

اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے۔

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ ۵

لوگ تجھسے پوچھتے ہین کہ کیا خیرات دین کہدے کہ جو کچھ مصارف ضروری سے بچرہے،

بہت سے لوگ خیرات کرتے تھے لیکن عمدہ مال کو محفوظ رکھتے تھے، بے کار، یا ردی چیزین خیرات مین دیتے تھے، اسپر حکم ہوا۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبَاتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ ۵

مسلمانو! اپنی کمائی مین سے اور اُس چیز مین سے جو ہمنے تمہارے لیے زمین مین پیدا کیا، اچھا حصّہ خیرات دو۔

مزید تاکید کے لیے یہ حکم ہوا کہ جو شخص اپنی محبوب چیز نہ دے گا، اُس کو ثواب نہ ملے گا۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵

تم لوگ ثواب نہین پاسکتے جب تک کہ وہ چیز خیرات نکرو جو تمکو عزیز ہے۔

اب صدقہ اور خیرات کی طرف یہ عام رغبت پیدا ہوئی کہ جو لوگ نادار تھے وہ صرف اس لیے بازار مین جاکر مزدوری کرتے اور کندھون پر بوجھ لادکر لوگون کے پاس پہنچاتے تھے کہ مزدوری ملے تو خیرات کرین[1]،

باایں ہمہ ۸ھ تک زکوۃ فرض نہین ہوئی، فتح مکہ کے بعد اُسکی فرضیت ہوئی، تو اس کے مصارف بیان کیے گئے اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمام ممالک مقبوضہ مین زکوۃ کے وصول کرنے کے لیے (محرم ۹ھ مین) محصلین مقرر کیے[2]، زکوۃ کے مصارف حسب ذیل تھے،

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنِ وَالْعَامِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغَارِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

زکوۃ ان مصارف کے لیے ہے، فقراء، مساکین، زکوۃ کے وصول کرنے والے، مولفۃ القلوب، غلام جن کو آزاد کرانا ہی، مقروض، مسافر، اور خدا کی راہ۔ یہ خدا کا فرض ہے

[1] بخاری کتاب الزکوۃ، [2] طبری مطبوعہ یورپ جلد ۴ صفحہ ۱۷۲۲، (ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۱۱۵)

وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (توبہ) — اور خدا علیم و حکیم ہے۔

زکوۃ کی شرح نہایت تفصیل سے فرامین نبوی مین منقول ہو، فقہ مین کتاب الزکوۃ انھین فرامین سے ماخوذ ہی۔

حج دنیا مین سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا پرستی کے لیے عبادت گاہ عام بنایا اور تمام دنیا کو وہان آکر عبادت کرنے کی دعوت دی،

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرَاهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ ٥

اور جب کہ ہمنے ابراہیم کے لیے کعبہ کی جگہ مقرر کردی کہ ہمارے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ہمارے گھر کو طواف کرنیوالون اور قیام اور رکوع وسجود کرنیوالون کے لیے پاک وصاف رکھو اور حج کی منادی کردے تو لوگ ہر طرف سے دوڑے آئین گے کچھ پیدل اور کچھ دبلی اونٹنیون پر سوار تاکہ فائدہ اُٹھائین اور تاکہ ایام مقررہ مین خدا کا ذکر کرین۔ (حج)

حضرت ابراہیم کی دعوت عام پر دنیا نے لبیک کہا، اور ہر سال عرب کے دور دور از اطراف سے لوگ حج کو آتے تھے لیکن ایک طرف تو یہ افسوسناک انقلاب ہوا، کہ جو گھر خالص توحید کے لیے تعمیر ہوا تھا، وہ تین سو ساٹھ بتون کا تماشا گاہ بنگیا۔ دوسری طرف اس گھر کی تولیت کا سب سے زیادہ جس کو حق تھا وہ یہان سے نکلنے پر مجبور ہوا، اور پورے آٹھ برس تک اِدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھ بھی نہ سکا۔

بالآخر ظہور حق کا وقت آیا۔ مکہ فتح ہوا، اور جانشین ابراہیم اور اُن کے متبعین کو موقع ملا کہ شعار ابراہیمی کو پھر زندہ کیا جائے، چنانچہ ۹ھ مین حج فرض ہوا[۱]۔ تاہم آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اس سال یہ فرض ادا نہین کیا۔ کہ عرب ننگے ہوکر طواف کعبہ کرتے تھے، اور آنحضرت صلعم ایسی بے حیائی کا منظر آنکھ سے دیکھنا گوارا نہین فرما سکتے تھے، اس لیے حضرت ابوبکر اور حضرت علی ایام حج مین روانہ کیے گئے کہ کعبہ مین جاکر منادی کردین کہ آیندہ سے

[۱] زاد المعاد جلد اصفحہ ۱۸۰،

کوئی شخص عریان ہوکر کعبہ کا طواف نہ کرنے پائے گا۔[1]

ایک اور وجہ یہ تھی کہ نسئی کے قاعدہ سے حج کا مہینہ ہٹتے ہٹتے ذو قعدہ مین آگیا تھا، چنانچہ ۹ھ کا حج، اسی مہینہ مین ادا ہوا، لیکن حج کا اصلی مہینہ ذوالحجہ تھا، اسلیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک سال کا انتظار فرمایا اور اس وقت حج ادا کیا جب وہ اپنے اصلی مرکز پر آگیا۔[2]

حج کے اصلاحات حج کی رسم اگرچہ کفار نے قایم رکھی تھی، لیکن اسکی صورت بالکل بدل دی تھی اور اس مین اسقدر بدعات اضافہ کردیے تھے کہ وہ ثواب کے بجاے عذاب کا کام بن گیا تھا، سبسے مقدم یہ کہ حج اور تمام عبادات کا مقصد خدا کا ذکر اور توجہ الی اللہ ہے، لیکن اہل عرب جب حج مین جمع ہوتے تھے تو خدا کے بجاے اپنے باپ دادا کے مفاخر اور کارنامے بیان کرتے تھے، اس بنا پر یہ آیت اتری،

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا[3] (بقرہ ۲۵)

پھر جب حج کے ارکان پورے کرلو، تو خدا کا ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے، بلکہ اس سے بڑھکر،

خاص اہل مدینہ نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ مناۃ جو بت تھا، اس کا طواف کرتے تھے اور اس بنا پر جب کعبہ کا حج کرتے تھے، تب بھی صفا و مروہ کا طواف نہین کرتے تھے، حالانکہ حج کے مقاصد مین سے ایک بڑا مقصد یہ بھی ہے کہ حضرت ابراھیم علیہ السلام کی یادگارین قایم رکھی جائین، اور صفا و مروہ کا طواف اسی عہد کی یادگار ہے، اسی بنا پر یہ آیت اتری،

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا،

صفا اور مروہ خدا کی یادگارین ہین، اسلیے جو شخص حج یا عمرہ کرے تو اُس کو ان دونون مقامون کا بھی طواف کرنا چاہیے۔[4]

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج باب لایحج البیت مشرک ولا یطوف بالبیت عریان [2] آنحضرت صلعم نے حجۃ الوداع کے خطبہ مین یہ الفاظ فرماے تھے "الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ السموات والارض السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلث متوالیات ذوالقعدۃ و ذوالحجۃ والمحرم ورجب مضر الذی بین جمادی وشعبان" اس سے اسی طرف اشارہ تھا۔ [3] اسباب النزول للواحدی، [4] قرآن مجید مین جناح کا جو لفظ ہے اس کا عام ترجمہ "ہرج" یا "نقصان" ہے۔ اِس بنا پر ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ صفا اور مروہ کے طواف مین کچھ ہرج نہین۔ لیکن جناح کا لفظ واجب اور مستحب کے معنون مین بھی آیا ہے۔

ایک طریقہ یہ جاری ہوگیا تھا کہ اکثر لوگ (آجکل کی طرح) جن کے پاس زاد سفر نہین ہوتا تھا، یون ہی حج کے لیے چل کھڑے ہوتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہین، ان لوگون کو اکثر راہ مین گداگری اور دوستون کی دستگیری کا محتاج ہونا پڑتا تھا، اسی بنا پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی[1] ○ اور گھر سے زاد سفر لے کر چلو، کیونکہ اچھا زاد سفر تقویٰ ہے۔

احرام حج مین سر کے بالون کا منڈوانا یا ترشوانا منع ہے لیکن اس مین اہل جاہلیت نے بہت سختی کردی تھی، یہان تک کہ بعض صاحبون کے بالون مین اسقدر جوئین پڑگئین کہ بینائی جاتے رہنے کا خوف ہوگیا، تاہم وہ بال نہ ترشوا سکے، اسلام مین چونکہ سب سے مقدم یہ امر پیش نظر ہے کہ اسکی عبادات اور احکام تکلیف مالایطاق نہ بنجائین، اسلیے حکم ہوا۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ، تو جو شخص بیمار ہو یا اُس کے سر مین کچھ عارضہ ہو تو وہ (اگر بال منڈائے) تو فدیہ ادا کردے یعنی یا روزہ یا خیرات یا قربانی،

قربانی جو کرتے تھے اس کا خون لیکر کعبہ کے در و دیوار پر ملتے تھے، اور اس کو ثواب سمجھتے تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی[2]،

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ، خدا کو قربانی کا گوشت اور خون نہین پہنچتا، بلکہ تمہاری پرہیزگاری اس تک پہنچتی ہے۔

اس آیت مین صرف اس فعل سے نہین روکا گیا، بلکہ یہ بھی بتایا گیا کہ قربانی خود کوئی مقصود بالذات چیز نہین بلکہ اصل چیز جسکو خدا قبول کرتا ہے وہ تقویٰ اور پرہیزگاری ہے؛

رسوم حج مین ایک بڑی چیز جو **قریش** نے اصول اسلام کے خلاف قایم کردی تھی یہ تھی کہ وہ عرفات جو حج کا اصلی عبادت گاہ عام تھا، نہین جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اہل حرم ہین، ہم حدود حرم سے باہر نہین جاسکتے،

[1] بخاری کتاب الحج باب "تزودوا فان خیر الزاد التقوی" [2] تفسیر بیضاوی (یہ رسم یہودیون سے آئی تھی۔ لادیین ۱۷-۶-تاریخ دوم ۲۹-۲۲)

یہ ہمارے خاندان کی توہین ہے اس لیے وہ صرف مزدلفہ تک جاکر ٹھہر جاتے تھے، باقی تمام عرب عرفات مین جمع ہوتے تھے، اور وہان سے چل کر مزدلفہ اور منیٰ مین آتے تھے، چونکہ اسلام کا اصول اصلی مساوات عامہ ہے اور عبادت مین سب یکسان ہین، اس لیے حکم آیا[1] کہ،

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ	پھر جب عرفات سے لوٹو تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس خدا کا ذکر کرو جس طریقہ سے اس نے تمکو ہدایت کی ہو اور اس سے پہلے بیشک تم گمراہ تھے، پھر وہین سے چلو جہان سے اور لوگ چلتے ہین، اور خدا سے معافی مانگو وہ غفور رحیم ہے۔

قربانی کے جانور کو چونکہ سمجھتے تھے کہ خدا پر چڑھا دیا گیا ہے، اِس لیے اُس پر سوار نہین ہوتے تھے اور پیدل چلنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے، یہ رسم اسلام کے زمانہ تک قایم رہی، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو سفر حج مین دیکھا کہ قربانی کے اونٹ ساتھ ہین، لیکن خود پیدل جا رہے ہین، آپ نے ان سے فرمایا کہ "سوار ہولو"، بولے "یہ قربانی کے اونٹ ہین" آپ نے دوبارہ فرمایا، اُنھون نے دوبارہ وہی عذر کیا، آپنے زجر کے ساتھ حکم دیا کہ "بیٹھ لو[2]"

ایک قسم کا حج ایجاد کرلیا تھا، جس کو حجِ مُصْمِتْ کہتے تھے، یعنی جو شخص حج کرتا تھا، وہ آغاز حج سے اخیر تک منھ سے کچھ بولتا نہ تھا، اسلام نے اس تکلیف مالایطاق سے منع کیا، صحیح بخاری مین ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے قریش کی ایک عورت کو جس کا نام زینب تھا، دیکھا کہ کسی سے بات چیت نہین کرتی، دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حج مُصْمِتْ کی نیت کی ہے، حضرت ابوبکرؓ نے اس سے کہا کہ "یہ جائز نہین، یہ زمانۂ جاہلیت کی بات[3] ہی،

(سب سے بڑی بیحیائی کی بات یہ تھی کہ قریش (حمس) کے سوا عام عرب مرد و زن کعبہ کا برہنہ طواف کرتے تھے، حدود حرم مین آکر تمام لوگ اپنے اپنے کپڑے اتار ڈالتے تھے، اور عاریۃً کسی قریش سے کپڑے مانگ لیتے تھے

[1] صحیح بخاری جلد ۱ کتاب الحج، صفحہ ۲۲۶، [2] بخاری کتاب الحج [3] بخاری جلد ۱ صفحہ ۸۲،

اگر نہ ملتے تو ننگے کعبہ کے گرد گھومتے تھے، عورتین بھی اسی طرح ننگی طواف کرتی تھین اور یہ شعر گاتی جاتی تھین،

اَلْیَوْمَ یَبْدُوْ بَعْضُہٗ اَوْکُلُّہٗ وَمَا بَدَا مِنْہُ فَلَا اُحِلُّہٗ

آج کچھ حصہ اوس کا یا پورا کھلے گا، اور جو کھلا ہے اُسکو مین حلال نہین کرتی

اس پر یہ آیت نازل ہوئی[1]،

یَا بَنِیْ آدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ اے آدم کے بیٹو، مسجدون مین کپڑے پہن لیا کرو،

(اس بنا پر ۹ھ مین آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر صدیق کو بھیجا، اُنھون نے عین موسم حج مین اعلان کیا کہ آیندہ کوئی برہنہ حج نہ کرنے پائے گا۔[2]

معاملات

شریعت کی تکمیل مین جو تدریج ملحوظ رہی اس کے لحاظ سے (وراثت نکاح و طلاق) و قصاص و تعزیزات (وغیرہ) کے احکام بعثت کے بہت بعد آئے، (سبب یہ ہے کہ ان احکام کے اجرا کے لیے ایک نافذ الامر قوت کی ضرورت تھی، جو اب تک اسلام کو حاصل نہین ہوئی تھی، غزوۂ بدر کے بعد سے اسلام کی سیاسی طاقت کا نشو و نما شروع ہوا) ہجرت کے پہلے اور دوسرے سال مین جو احکام نازل ہوئے وہ تحویلِ قبلہ، فرضیت روزہ، زکوٰۃ فطر، نماز عید اور قربانی تھی، تیسرے سال سے جب اسلام کے کاروبار زیادہ پھیلنے شروع ہوئے تو سب سے پہلے توریث کا قانون قرآن مجید مین نازل ہوا۔

وراثت (مسلمان جب ابتدائً مدینہ آئے ہین تو اُس وقت یہ حالت تھی کہ باپ مسلمان ہی تو بیٹا کافر ہی، ایک بھائی کافر ہے تو دوسرا بھائی مسلمان ہے، اس حالت مین اقربا اور اعزہ کی وراثت کا قانون کیونکر نافذ ہوسکتا تھا اس لیے) آنحضرت صلعم جب مدینہ تشریف لائے تو آپ نے مہاجرین اور انصار مین مواخاۃ (برادری) قایم کردی،

---

[1] (یہ پورا واقعہ اور شان نزول نسائی، کتاب مناسک الحج مین ہے،) [2] صحیح مسلم و صحیح بخاری اور تمام حدیث کی کتابون مین باب لایطوف بالبیت عریان مین مذکور ہے،

جسکے روسے یہ قاعدہ مقرر ہوگیا، کہ کوئی انصاری مرتا تو اسکی وراثت مہاجرین کو ملتی[1]، عرب مین پہلے بھی دستور تھا کہ دو آدمی آپس مین عہد کرلیتے کہ ہم دونون آپس مین ایک دوسرے کے وارث ہون گے، ان مین سے جب کوئی مرتا تو دوسرا وارث ہوتا، لیکن (سنہ مین قرآن کی اس آیت نے اس قاعدہ کو منسوخ کردیا)

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ، (انفال) قرابت مند ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہین۔

اس کے روسے مواخاۃ کی بنا پر وراثت موتوف ہوگئی، اور خاندان اور ذوی الارحام مین وراثت محدود ہوگئی (آیت توریت کے نزول سے پہلے **قرآن** نے وصیت کا قاعدہ جاری کیا تھا، یعنی مرنے والا اپنے مال و جائداد کی نسبت یہ وصیت کرجاتا کہ اس مین سے اتنا اُس کو دیا جائے اور اتنا اس کو ملے، مرنے کے بعد اُسی طریقہ سے اسکی جائداد تقسیم کردی جاتی۔ مرنے سے پہلے ہر مسلمان پر اس وصیت کا مکمل کرجانا فرض تھا۔)

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا نِ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ، (بقرہ)

مسلمانو! تم کو حکم دیا جاتا ہے کہ جب تم مین سے کسی کو موت آنے لگے اور وہ کچھ مال چھوڑنے والا ہو تو ماں باپ اور رشتہ دارون کیلیے بطریق مناسب وصیت کرجائے، متقی لوگون پر یہ فرض ہے۔

جو لوگ حالت مسافرت مین مرجاتے، اُن کے لیے گواہی اور شہادت کا قانون قرآن مین مقرر کیا گیا، گواہی کو چھپانا یا بدل دینا قانوناً جرم تھا، چنانچہ سورہ بقرہ اور مائدہ مین اسکی پوری تفصیل ہی، غزوہ بدر کے بعد مسلمانون کی تعداد مین کافی ترقی ہوتی گئی، خاندان کے خاندان مسلمان ہوگئے، اس لیے وراثت کے مخصوص قانون کی ضرورت ہوئی، پھر وصیت کے قاعدہ مین بڑی دقت یہ تھی کہ ناگہانی موت کے موقع پر تقسیم جائداد کا کوئی اصول جاری کرنا ممکن نہ تھا، مثلاً جہاد مین سیکڑون مسلمان شریک ہوئے، اب کس کو معلوم ہے کہ کس کو شہادت ہوگی، اس حالت مین وصیت نہ کرجانے سے رشتہ دارون مین جسکا قابو چل جاتا وہ جائداد پر قبضہ کرلیتا۔ چنانچہ غزوہ اُحد مین یہی موقع پیش آیا۔

[1] یہ مفسرین کا بیان ہی لیکن صحیح بخاری وغیرہ مین حضرت عباس سے روایت ہے کہ یہ حکم حسب ذیل آیت کریمہ سے منسوخ ہوا۔ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْاَقْرَبُوْنَ، وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ (نساء) دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور،

سعد بن الربیع جو بہت دولتمند صحابی تھے، (اس جنگ مین) شہید ہوئے، انکی بیوی آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئین کہ سعد آپ کی خدمت مین شہید ہوئے، انہون نے دو لڑکیان چھوڑین لیکن سعد کے بھائی نے سعد کی ساری جائداد پر قبضہ کرلیا، آنحضرت صلعم نے فرمایا، "خدا فیصلہ کرے گا"، پھر (غالباً سنہ ھ مین) یہ آیت نازل[1] ہوئی، جس مین وراثت کے تمام احکام مذکور ہین۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ الخ، — خدا تم کو تمہاری اولاد کی نسبت حکم دیتا ہو کہ لڑکے کو دو لڑکیون کی برابر حصہ ملے۔ (آخر تک)

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے سعد کے بھائی کو بلا کر فرمایا کہ سعد کے متروکہ مین سے دو تہائی ان کی بیٹیون اور آٹھوان حصہ ان کی بیوی کو دو، اس کے بعد جو بچ رہے وہ تمہارا حق ہو،

اہل عرب عورتون کو وراثت سے محروم رکھتے تھے، اور کہتے تھے کہ وراثت اُس کا حق ہو جو تلوار چلائے، دنیا کی اور اکثر قومون مین بھی یہی دستور تھا، یہ پہلا دن ہے کہ اس صنف ضعیف کی دادرسی کی گئی۔

وصیت احکام وراثت کے بعد بھی وصیت کی اجازت باقی رہی، لیکن چونکہ اس سے مستحقین وراثت کی حق تلفی کا اندیشہ تھا، اس لیے وصیت کی تحدید کی ضرورت تھی، سنہ ھ مین حضرت سعد (عامر کے والد) بیمار ہوے، آنحضرت صلعم انکی عیادت کو گئے، انھون نے عرض کی کہ مین مر رہا ہون اور میرے صرف ایک ہی لڑکی ہے، چاہتا ہون کہ دو تہائی مال خیرات کردون، آنحضرت صلعم نے اجازت نہین دی، اُنھون نے کہا تو نصف، آپ نے اس کو بھی

---

[1] آیت میراث کے شان نزول مین احادیث مین تین واقعے مروی ہین، اول یہ کہ حضرت جابر سنہ ھ مین بیمار پڑے تو آیت اتری، یہ روایت تمام صحاح ستہ مین ہے۔ لیکن درحقیقت اس روایت مین راویون سے کسی قدر مسامحت ہوئی ہے، کیونکہ وراثت سنہ ھ سے پہلے جاری ہوچکی تھی، اور دوسرے یہ کہ حضرت جابر اس وقت تک لاولد تھے اس لیے صحیح یہ ہے کہ حضرت جابر کا واقعہ وراثت کی ایک خاص صورت لاولدیت (یعنی کلالہ) سے متعلق ہے، جیسا کہ مسلم کی دوسری روایتون مین (کتاب الفرائض) اس کی تصریح ہے۔ دوسرا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت حسان کے بھائی عبدالرحمان کی وفات کے بعد ان کی بیوی ام کجہ کی فریاد پر یہ آیت اتری، یہ روایت طبری وغیرہ کی ہے، جو گو ضعیف ہے لیکن بالکل ممکن ہے کہ سعد بن ربیع کے علاوہ اور واقعے بھی اس قسم کے پیش آئے ہون۔ تیسرا شان نزول یہی سعد بن ربیع کا واقعہ ہے، جو ابوداؤد، ترمذی، حاکم اور مسند احمد مین مذکور ہے) س

قبول نہین کیا، انھون نے کہا ایک تہائی، آپ نے فرمایا یہ بھی بہت ہی" وارثون کو غنی چھوڑ کر مرنا اس سے اچھا ہے کہ وہ بھیک مانگتے پھرین[1]"، تاہم یہ مقدار آپ نے جائز رکھی، اُسوقت سے وصیت ایک ثلث سے زیادہ ممنوع ہوگئی،

وقف (وقف شریعت کا بہت بڑا مسئلہ ہی، اسلام نے اس مسئلہ کو جس حد تک صاف کیا، اُس کا دوسرے مذاہب کے قوانین مین شائبہ تک موجود نہین ہے۔ اسی بنا پر شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین دعویٰ کیا ہے کہ اسلام طریقۂ وقف کا موجد ہے، اسلام مین وقف کی تاریخ نہایت قدیم ہے، آنحضرت صلعم نے ہجرت کے پہلے ہی سال مدینہ مین مسجد نبوی کی بنیاد جس زمین مین رکھی تھی وہ دو یتیمون کی ملکیت تھی آپ نے قیمت دینی چاہی لیکن انھون نے کہا،

لا واللہ لا نطلب ثمنہ الا الی اللہ، نہین ہم خدا کی قسم قیمت نہ لین گے ہم اسکی قیمت خدا ہی سے لینگے۔

یہ اسلام کا پہلا وقف تھا اور نہایت سادہ صورت مین تھا، چنانچہ امام بخاری اس حدیث کو وقفِ مُشاع (پبلک وقف) کے ثبوت مین لائے ہین۔ اس کے بعد سنہ یا سنہ مین جب یہ آیت نازل ہوئی،

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ

تم نیکی اسوقت تک نہین پاسکتے جب تک وہ خدا کی راہ مین نہ دیدو جو تم کو سب سے محبوب ہی،

تو ابو طلحہ صحابی آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین آئے اور عرض کی "یا رسول اللہ صلعم بیرحا[2] مجھکو سب سے زیادہ محبوب ہی، مین اس کو خدا کی راہ مین صدقہ کرتا ہون اور اس کا ثواب اور اجر خدا سے چاہتا ہون، آپ جس مصرف مین چاہین، اسکو رکھین، چنانچہ آپ کے مشورہ سے انھون نے اس کا منافع اپنے اعزہ پر وقف کیا۔

اب تک وقف کے لیے جو الفاظ استعمال ہوئے تھے، وہ صرف یہ تھے کہ "وہ ذاتی تصرف سے نکال کر خدا کی ملکیت مین دیا گیا"، لیکن سنہ مین غزوۂ خیبر کے بعد اسکی حقیقت بالکل واضح کردی گئی خیبر مین حضرت عمر کو

[1] بخاری جلد کتاب الوصایا۔ [2] ایک زمین کا نام ہے جو مدینہ مین واقع تھی۔

ایک زمین ملی تھی، حضرت عمرؓ نے اس کو وقف کرنا چاہا، آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے آپنے فرمایا،

ان شئت حبست اصلہا وتصدقت بہا، اگر چاہو اصل جائداد باقی رکھو اور منافع صدقہ کردو۔

چنانچہ ان شرایط کے ساتھ وہ جائداد وقف[۱] ہوئی،

انہ لایباع اصلہا ولا یوہب ولا یورث، (اصل جائداد نہ بیچی جاے نہ ہبہ کیجاے اور نہ وراثت مین بانٹی جاے۔)

نکاح وطلاق

نکاح کے متعلق جو اصلاحی احکام آئے، ان کی تفصیل اصلاحات کے عنوان کے نیچے آئے گی، یہان اس قدر لکھنا کافی ہے کہ اسلام سے پہلے عرب مین کئی قسم کے نکاح کے طریقہ جاری تھے، جن مین سے ایک کے سوا، سب زنا کے مشابہ تھے، سب سے پہلے اسلام نے ان کو ناجائز ٹھہرایا، متعہ[۲] جو زمانۂ جاہلیت سے چلا آتا تھا، باربار حرام اور حلال ہوتا رہا، یہان تک کہ سنہ ۷ھ غزوہ خیبر مین قطعاً حرام ہوگیا، اگرچہ اس پر بھی اسکی ضرورت پیش آئی کہ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت مین منبر پر کہا کہ مین متعہ کو حرام کرتا ہون، یعنی متعہ کی حرمت جو اچھی طرح اب بھی ملک مین شائع نہین ہوسکی مین آج اس کا اعلان کرتا ہون۔

(نکاح اور طلاق کے دیگر احکام مثلاً محرّمات شرعی کا بیان، منھ بولے بیٹے کی بیوی کا حرام نہ ہونا، کثرت ازدواج کی تحدید، تعداد طلاق کی تعیین، زمانہ عدت کا بیان، مہر کا ضروری ہونا، ظہار یعنی ایک طریقہ طلاق جس مین اپنی بیوی کو محرمات سے تشبیہ دیتے تھے، اور لعان یعنی شوہر کا اپنی بیوی کی عصمت پر شبہہ کرنا اور باہم اپنی سچائی اور دوسرے کی دروغگوئی کا دعوی کرنا، یہ تمام تفصیلیں اصلاحات کے تحت مین آئینگی، یہان صرف اسیقدر بتادینا کافی ہے کہ یہ تمام احکام قرآن مجید مین مذکور ہین، اور ان کے نزول کا زمانہ سنہ ۵ھ اور سنہ ۶ھ ہجری ہے،)

حدود و تعزیرات

(دنیا[۳] کے مادی خزانہ مین انسان کی جان سے زیادہ کوئی قیمتی شے نہین، حدود اور تعزیرات کے اکثر قوانین، ہجرت کے چند برس بعد نازل ہوے، لیکن انسان کی جان کی حرمت کا حکم مکہ ہی مین اتر چکا تھا، معراج کے سلسلہ مین جو اخلاقی احکام بارگاہ الٰہی سے عطا ہوئے ان مین ایک یہ بھی تھا۔

---

[۱] یہ تمام حدیثین بخاری باب الوقف مین ہین۔ (۲) محدود والوقت نکاح (۳) اضافہ تا ختم باب حلال وحرام)

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَمَن قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِف فِّي الْقَتْلِ إِنَّهُ كَانَ مَنصُورًا، (بنی اسرائیل)

خدانے جس جان کو حرام کیا ہے اسکو ناحق نہ مارو، اور جو ناحق مارا جاے تو اسکے وارث کو ہمنے اختیار دیا، چاہیے کہ وہ قصاص مین زیادتی نکرے۔ اسکی مدد کی جائے۔

عرب مین اسلام سے پہلے بھی قتل وقصاص کے کچھ قوانین موجود تھے، یہود جو اس ملک مین ممتاز حیثیت رکھتے تھے، تورات کے حدود وتعزیرات کا مجموعہ اُن کے پاس بھی موجود تھا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عرب مین چونکہ منتظم حاکمانہ طاقت اور اخلاقی روح نہ تھی، اس لیے وہ ان احکام کا نفاذ نہین کر سکتے تھے، مدینہ پہنچنے کے ساتھ ہی یہود نے فصل مقدمات کے لیے بارگاہ نبوت کی طرف رجوع کیا، آپ اُن کے مقدمات عموماً توراۃ کے احکام کے مطابق فیصل کردیتے تھے،

عرب مین ایک شخص کا قتل صدھا قبائل کی خانہ جنگی کا سلسلہ چھیڑ دیتا تھا، اس لیے غزوہ بدر کے بعد جب اسلام کے بازوؤن مین حاکمانہ زور آچلا تھا، **قصاص** کا حکم نازل ہوا، یاد ہوگا کہ اطراف مدینہ مین بنو قریظہ اور بنو نضیر، دو یہودی قبایل رہتے تھے، ان دونون مین بنو نضیر معزز سمجھے جاتے تھے اس لیے کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرڈالتا تو اس کو بنو نضیر مار ڈالتے تھے، اور اگر کسی نضیری کے ہاتھ سے کوئی قریظی قتل ہوجاتا تو چھوہارون کے سَو وَسق خونبہا دیدیتے، مدینہ مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری کے بعد اسی قسم کا ایک واقعہ پیش آیا، لوگون نے اس کا مرافعہ آپ کی خدمت مین پیش کیا، اس پر سورۂ مائدہ کی چند آیتین اترین، ان مین سے ایک آیت[1] یہ ہے،

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنفَ بِالْأَنفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ ۵

ہمنے انکو تورات مین حکم دیا تھا کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک، کان کے بدلے کان اور زخمون کے بدلے ویسے ہی زخم،

یہ حکم گو یہودیون کے لیے تھا، لیکن ایک اور آیت نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کردیا۔

[1] ابوداؤد، کتاب الدیات،

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى الخ

مسلمانو! تم پر مقتولین مین مساوات اور برابری کا حکم دیا جاتا ہے،

اس حکم نے مساوات اور عدل کے پلّے کو دنیا مین ہمیشہ کے لیے برابر کر دیا۔

یہودیون مین خون بہا (دیت) کا قانون نہ تھا[1] لیکن عرب مین یہ قانون تھا، اور اسلام نے چند اصلاحات کے ساتھ اس کو باقی رکھا،

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَاءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ٥ بقره،

اسکے بھائی (یعنی اولیاے مقتول) کی طرف سے کچھ معاف کر دیائے تو اسکی پابندی خوبی کے ساتھ کرنا، اور بطور احسن اسکو ادا کر دینا چاہیے۔

اب تک قتلِ عمد اور قتلِ شبہ (یعنی غلطی سے قتل) مین کوئی تفریق نہ تھی، ۳ھ مین ایک مسلمان غلطی سے ایک مسلمان کے ہاتھ سے مارا گیا، ایک اور مسلمان انصاری کے ہاتھ سے ایک قریشی قتل ہوا، آنحضرت صلعم نے مقتول کے بھائی کو خون بہا دیکر راضی کر لیا، اس کے بعد وہ منافقانہ اسلام لایا اور غداری سے اس انصاری کو قتل کر کے قریش مین جا کر ملگیا۔ ان واقعات کی بنا پر قتل شبہ کے متعلق متعدد احکام نازل ہوے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاءً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاءً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ اِلَّا اَنْ يَّصَّدَّقُوْا فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ، وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ، فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ، فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا، وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا

کسی مسلمان کو سزاوار نہین کہ کسی دوسرے مسلمان کو مار ڈالے، لیکن غلطی سے اگر کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کیا، تو ایک مسلمان غلام اور خونبہا اسکے وارثون کو ادا کرنا چاہیے، لیکن یہ کہ وہ معاف کرین تو خیر، اگر مقتول خود مسلمان ہو، ہو وہ کسی دشمن سے تو صرف ایک غلام آزاد کروا اور اگر ایسی قوم سے ہو جس سے تمسے معاہدہ ہو تو خون بہا دینا اور ایک غلام آزاد کرنا چاہیے، اگر قاتل کو یہ مقدور نہ ہو تو پے درپے دو مہینے روزے رکھنے چاہئین کہ خدا اسکی طرف رجوع ہو خدا اعلم اور حکمت والا ہی، اور جو کسی مومن کو جان بوجھکر قتل کرے

---

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر، آیہ کتب علیکم القصاص۔

وَغَضِبَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَلَعَنَہٗ وَاَعَدَّ لَہٗ عَذَابًا عَظِیْمًا ؀	تو اسکی جزا دوزخ ہے، اسمین ہمیشہ رہے گا، خدا اسپر اپنا غضب اور لعنت بھیجے گا، اور اُسکے لیے بڑا عذاب اسنے مہیّا کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رض کی روایت ہے کہ قصاص وقتل کے متعلق یہ سب سے آخری حکم تھا، حفاظت جان کا آخری اعلان فتح مکہ کے موقع پر ہوا، جب آپ نے ارشاد فرمایا کہ "زمانہ جاہلیت کے تمام خون میرے دونون پانون کے نیچے ہین"، اسکے بعد قتل خطا شابہ بہ قتل عمد کے خونبہا کی تحدید فرمائی[1]، قتل خطا کا خونبہا اہل قریہ کے لیے ۴۰۰ دینار مقرر کیا[2]،

سنہ۶ھ تک رہزنون کے لیے کوئی حد مقرر نہ تھی، سنہ۶ھ مین عکل وعرینہ کے قبیلہ کے کچھ لوگ مدینہ آکر مسلمان ہوئے یہان کی آب وہوا انکو راس نہ آئی، آنحضرت صلعم نے شہر سے باہر چراگاہ مین انکو قیام کی اجازت دی، ایک دن موقع پاکر مسلمان چرواہون کو طرح طرح سے عذاب دیکر بڑی بے رحمی سے مار ڈالا، اور مویشی لوٹ کر لے گئے، وہ گرفتار ہوکر آئے تو آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے بھی انکو اُسی طرح عذاب کے ساتھ قتل کا حکم دیا، گو یہ برابر کا انتقام تھا، تاہم اسمین کسی قدر بیرحمی تھی، اس لیے خداے پاک کی طرف سے عتاب ہوا، اور ڈاکوون کے لیے علیحدہ احکام نازل ہوئے[3]،

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَ	اُن لوگون کی سزا جو خدا اور اس کے رسول سے لڑائی لڑتے
یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا، اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا	ہین اور ملک مین فساد مچاتے ہین یہ ہے کہ قتل کیے جائین یا پھانسی
اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا	دیے جائین یا ان کے اِدھر کے ہاتھ اور اُدھر کے پانون کاٹ ڈالے
مِنَ الْاَرْضِ، (مائدہ)	جائین، یا ملک سے الگ کر دیے جائین، (یعنی قید ہون یا جلاوطن کیے جائین)

جان کے بعد مال کا درجہ ہے، اسلام سے پہلے عرب مین چورون کے لیے قطع ید کی سزا جاری تھی، اسلام نے بھی اس کو باقی رکھا، اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَھُمَا، سنہ۸ھ مین فتح مکہ کے موقع پر قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے اس جرم کا ارتکاب کیا، چونکہ وہ ایک شریف خاندان سے تھی اس لیے مسلمانون مین بڑا اضطراب پیدا ہوا، حضرت

---

[1] ابوداؤد، کتاب الدیات باب فی دیۃ الخطا شبہ العمد [2] ابوداؤد، دیات الاعضا [3] ابوداؤد، کتاب الحدود باب المحاربہ،

اسامہ بن زید آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے بہت چہیتے تھے، اُن سے سفارش کرائی گئی، آپ بہت برہم ہوئے، اور لوگون کو جمع کرکے ایک خطبہ دیا، جس مین فرمایا کہ "تم سے پہلے لوگون کی ہلاکت کا یہی سبب ہوا کہ وہ نیچے طبقہ کے لوگون پر تو احکام جاری کرتے، لیکن اوپر درجہ کے لوگ جب جرم کا ارتکاب کرتے تو اُن سے درگذرتے، خدا کی قسم اگر محمدؐ کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو مین اس کا ہات بھی کاٹ لیتا"، اِس تقریر کا یہ اثر ہوا کہ لوگون نے بے چون و چرا اِس حکم کی تعمیل کی۔[1]

عربون مین زنا کی کوئی سزا مقرر نہ تھی، یہودیون مین توراۃ کی رو سے زانی کی سزا "رجم" یعنی (سنگسار کرنا) مقرر تھی؛ لیکن اخلاقی کمزوری کی بنا پر وہ اس قانون کو جاری نہین رکھ سکتے تھے، اطراف مدینہ مین جو یہود آباد تھے، رجم کے بجائے انہون نے یہ سزا مقرر کی تھی کہ مجرم کے منھ مین کالک لگاکر کوچہ و بازار مین اسکی تشہیر کرتے تھے، جب آن حضرت صلعم مدینہ تشریف لائے تو یہودیون نے ایک مجرم کا مقدمہ آپ کی خدمت مین پیش کیا؛ غالباً یہ سنہ[2] کے اندر کا واقعہ ہے، آپ نے استفسار فرمایا کہ تمھاری شریعت مین اِس جرم کی کیا سزا ہے، انھون نے اپنا رواج بتایا، آپ نے توراۃ منگوا کر ان سے پڑھوایا، انھون نے رجم کی آیت پر انگلی رکھکر چھپا دی، آخر ایک مسلمان یہودی نے نکال کر وہ آیت سنائی آپ نے فرمایا، خداوندا! یہ تیرا حکم ہے جسکو ان لوگون نے مردہ کر دیا ہے، مین سب سے پہلا شخص ہون، جو تیرے اس حکم کو زندہ کرونگا"، چنانچہ آپ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دیا اور وہ سنگسار ہو گیا،[2]

۵ھ مین سورۂ نور نازل ہوا، جس مین زنا کی سزا سو دُرّے قرار دی گئی، حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ رجم کی سزا بھی قرآن نے باقی رکھی تھی، لیکن اسکی تلاوت منسوخ ہو گئی،[3] بہرحال احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بن بیاہے کے سو دُرّے اور بیاہون کے لیے رجم کا حکم ہے،[4] چنانچہ ۸ھ مین ایک مسلمان نے اِس جرم کا ارتکاب کیا، اور گو لوگون کو اس کا علم نہ تھا، لیکن دنیا کی سزا کو آخرت کے عذاب پر اُسنے ترجیح دی، اور مجمع عام مین آکر بارگاہِ نبوت مین عرض پرداز ہوا کہ یارسول اللہ مین گنہگار ہون مجھے پاک کیجیے، آپ نے تحقیق فرمائی اور اُس کے رجم کا حکم دیا۔[5]

---

[1] صحیح بخاری، غزوۃ الفتح، [2] ابو داؤد، باب فی رجم الیہودیین۔ [3] صحیح بخاری رجم المحصن۔ [4] تمام کتب حدیث مین یہ مذکور ہے [5] سنہ کی تحدید کہین بتفصیل مذکور نہین ہے۔ یہ سنہ اس قیاس سے شارحین حدیث نے اختیار کیا ہے کہ اسوقت حضرت ابوہریرہ مدینہ مین موجود تھے اور یہ ثابت ہے کہ وہ اسی سال بزمانہ فتح خیبر مدینہ مین آئے تھے۔

شراب سنہ میں حرام ہوئی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ میں شراب خواری کی کوئی خاص سزا مقرر نہ تھی،
چالیس درے تک لوگون کو اس جرم مین مارے گئے ہین۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ مین اسی درے کر دیے تھے[1]، قذف
یعنی پاکدامن عورتون پر تہمت لگانے کی سزا سنہ مین نازل ہوئی[2]،

وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ	جو لوگ پاک دامن عورتون پر زنا کی تہمت لگائین، پھر چار گواہ
شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا	نہ لاسکین تو انکو اسی درے مارو اور پھر کبھی ان کی گواہی
لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا (نور)	قبول نہ کرو۔

دنیا مین تین چیزین ہین، جان، مال، اور آبرو، جن حدود و تعزیرات کا اوپر ذکر ہوا، وہ انھین تین چیزون کے تحفظ
کے لیے ہین، اسی لیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ان قوانین کے نزول کے بعد سنہ مین حجۃ الوداع کے موقعہ پر
حرم کے اندر ماہ حرام کی تاریخون مین فرمایا۔

"مسلمانو! ہر مسلمان کی جان، مال اور آبرو اسی طرح قابل حرمت ہے، جس طرح اس محترم شہر مین
اس احاطۂ حرم کے اندر یہ مقدس دن قابل حرمت ہے"

حلال و حرام

ماکولات مین حلال و حرام — عرب مین کھانے پینے مین کسی چیز کا پرہیز نہ تھا، اور نہ کوئی شے حلال یا حرام تھی، مردار، اور
حشرات الارض تک کھاتے تھے، البتہ بعض بعض جانور جنکو بتون کے نام پر چھوڑتے تھے انکا ذبح کرنا گناہ سمجھتے
تھے، بعض جانورون مین یہ نذر مانتے تھے کہ مرد کھا سکتے ہین، عورتین نہین، اگر بچہ مردہ پیدا ہوا تو مرد و عورت دونون
کھا سکتے ہین، اور زندہ ہو تو صرف مرد کھائین۔ اسی قسم کے اور بعض بت پرستانہ رسوم تھے، سورۂ انعام مین جو مکہ مین
نازل ہوا تھا، ان رسوم کا بہ تفصیل ذکر ہے، اسلام کے اکثر احکام گو مدینہ مین اترے لیکن ماکولات کی حلت و حرمت کے
احکام مکہ ہی مین اترنے شروع ہو چکے تھے، چنانچہ سورۂ انعام مین مشرکین کے ان رسوم کی تردید کے بعد یہ حکم آیا۔

[1] ابو داؤد باب اذا تتابع فی الخمر، [2] واقعۂ افک اسی سال ہوا تھا، اور یہ آیت اسی تعلق سے نازل ہوئی ہے اسلیے اسکے یہی سنہ کا زمانہ متعین کیا گیا،

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّکُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (انعام)

کہدے کہ مجھپر جو وحی اتری ہے، اُس مین کسی کھانے والے پر کوئی شے حرام نہین، ہان اگر حرام ہی تو مردار، یا بہتا ہوا خون یا سوٗر کا گوشت کیونکہ یہ چیزین ناپاک ہین یا وہ گناہ (کا جانور) جو غیر خدا کے نام پر چڑھایا گیا ہو وہ بھی حرام ہی لیکن جو بھوک سے لاچار ہو کر نافرمانی اور گناہ کے ارادہ سے نہین بلکہ یونہین سے کچھ کھالے تو تیرا پروردگار معاف کرنیوالا اور رحم والا

مشرکین کو سب سے زیادہ تعجب اس پر ہوا کہ جو آپ سے مرجائے اس کو حرام کہتے ہین اور جسکو خود اپنے ہاتھ سے مارین اس کو حلال جانتے ہین، حالانکہ دونون مین کوئی فرق نہین، اس پر یہ آیت اتری۔

فَکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ کُنْتُمْ بِاٰیٰتِهٖ مُؤْمِنِیْنَ وَمَا لَکُمْ اَلَّا تَاْکُلُوْا مِمَّا ذُکِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ (انعام)

جو جانور خدا کا نام لیکر ذبح کیا گیا ہو وہ کھاؤ، جو خدا کا نام لیکر ذبح کیا گیا وہ کیون نہ کھاؤ۔ خدا نے تم پر جو حرام کیا ہے اسکو تو وہ بیان ہی کر چکا۔

اس کے بعد مکہ معظمہ ہی مین سورہ نحل کی آیت فَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ الخ نازل ہوئی جس مین اُسی حکم سابق کا اعادہ کیا گیا، اور یہی چار چیزین مردار، خون، سور، اور بتون پر چڑھاوے، حرام بیان کی گئین، مدینہ طیبہ اگر پہلے سورہ بقرہ مین اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَةَ الخ تیسری بار یہ محرمات اربعہ بیان کیے گئے، عرب مین حلال وحرام کی تمیز کم تھی، وحشت وجہالت کے علاوہ اس کا ایک سبب، عام غربت اور افلاس تھی، اس لیے مسلمانون کی مالی حالت جیسے جیسے درست ہوتی جاتی تھی، حلال وحرام کی تفریق بڑھتی جاتی تھی، لوگ عموماً مردار اُسی کو سمجھتے تھے جو بیمار ہو کر اپنی موت سے مرجائے، اس لیے اگر اور کسی سبب سے جانور مرجاتا تو اس کو حرام نہین سمجھتے، ہجرت کے چار پانچ سال کے بعد سورہ مائدہ مین مردار (میتہ) کی تفصیل بیان کی گئی، یعنی یہ کہ یا وہ گلا گھٹنے سے مرا ہو وَالْمُنْخَنِقَةُ، یا گردن ٹوٹنے سے مرا، وَالْمَوْقُوْذَةُ یا اوپر سے گر کے مرا ہو، وَالْمُتَرَدِّیَةُ، یا کسی جانور کا سینگ لگ کر مرگیا ہو، وَالنَّطِیْحَةُ، یا کسی جانور نے اس کو پھاڑا ہو، وَمَآ اَکَلَ السَّبُعُ۔ صرف وہ جانور حلال ہے جسکو تمنے ذبح کیا، اِلَّا مَا ذَکَّیْتُمْ،

سنہ ۷ھ مین جب مسلمانون کو خیبر کی فتوحات اور جاگیرین ہاتھ آئین تو جانورون مین بھی حلال و حرام کی تفریق کی گئی، اور اعلان کیا گیا کہ آج سے گدھا، درندہ جانور اور پنجہ دار پرند حرام ہین۔ سنہ ۸ھ مین فتح مکہ کے بعد طے کے قبیلہ نے جو عیسائی تھا اسلام قبول کیا، اور شام کے بعض عیسائی مسلمان ہوئے، یہ لوگ شکاری کتے پالتے تھے، اور اس سے شکار کرتے تھے، اسلام لانے پر ان کو معلوم ہوا کہ مردہ جانور حرام ہین، اُنھون نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین اپنا عرض حال کیا، اس پر یہ آیت اتری،

يَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتُ — تجھسے پوچھتے ہین کہ انکے لیے کیا حلال کیا گیا۔ کہدے کہ تمام ستھری چیزین

اس کے بعد یہ تفصیل ہے کہ شکاری جانور اگر سدھے ہوئے ہون اور خدا کا نام لیکر چھوڑے جائین تو اُن کا شکار کیا ہوا کھانا حلال ہے[1]،

شراب کی حرمت

مخالفین کا خیال ہے کہ اسلام کی اشاعت کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اس کے اکثر احکام (مثلاً تعدد ازواج وغیرہ) نفس پرستی کے موید تھے، اس لیے اہلِ عرب کو اس کے قبول کرنے مین کوئی ایثار درکار نہ تھا، بلکہ اسلام وہی کہتا تھا جو وہ خود چاہتے تھے، اس بحث کی تحقیق آگے آئے گی، یہان صرف تاریخی حیثیت سے شراب کی حرمت کا واقعہ ذکر کرنا مقصود ہے،

عرب کو شراب سے بڑھکر کوئی چیز محبوب نہ تھی، تمام ملک اس مرض مین مبتلا تھا، عرب کی شاعری کا موضوع اعظم شراب ہے، مصلحت کے لحاظ سے اسلام کے تمام احکام بتدریج آئے ہین، اس لیے شراب بھی بتدریج حرام کی گئی۔

مدینہ مین شراب خواری کا رواج کسی قدر زیادہ تھا، بڑے بڑے شرفا علانیہ شراب پیتے تھے، عرب مین ایسے بھی نیک لوگ تھے، جنھون نے شراب پینی چھوڑ دی تھی، اور اسکو خلاف اتقا سمجھتے تھے، ابھی تک اسلام نے اسکے متعلق کوئی اپنا فیصلہ نہ سنایا تھا، لوگون نے پوچھنا شروع کیا کہ شراب کے متعلق کیا حکم ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔

اللهم بين لنا في الخمر بيانا شفاء — اے خدا شراب کے بارے مین ہمارے لیے شافی بیان کر دے

اس پر یہ آیت اتری،

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا، (بقرہ رکوع ۲۶)

لوگ تم سے شراب اور جوئے کی بابت دریافت کرتے ہین، تم کہدو کہ ان دونون مین بڑا گناہ ہے اور فایدے بھی ہین لیکن فایدے سے گناہ بڑھکر ہے۔

اس آیت کے نازل ہونیکے بعد بھی لوگ شراب پیتے رہے۔ ایک دفعہ ایک انصاری نے حضرت علی اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی دعوت کی جسمین شراب بھی تھی، کھانے کے بعد مغرب کا وقت آگیا، اور حضرت علی نے نماز پڑھائی لیکن نشہ کے خمار مین کچھ کا کچھ پڑھ گئے، (حضرت عمر نے پھر دعا کی کہ خدایا شراب کے بارے مین صاف صاف بیان کردے) اس پر یہ آیت اتری،

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكَارٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ، (نساء)

نشہ کی حالت مین نماز نہ پڑھو، یہانتک کہ جو تم کہو اُس کو سمجھ بھی سکو۔

اس آیت کے نازل ہونے کے بعد جب نماز کا وقت آتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ کوئی مخمور نماز مین نہ شامل ہونے پائے[۱]، لیکن چونکہ عام حکم نہ تھا، اس لیے نماز کے سوا باقی اوقات مین لوگ بے تکلف پیتے پلاتے تھے، حضرت عمر نے پھر وہی دعا کی، اسی زمانہ مین کچھ لوگ شراب پی کر اس قدر بدمست ہوے کہ آپس مین مار پیٹ تک نوبت پہنچگئی۔ اس پر یہ آیت[۲] اتری۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ

مسلمانو! بے شبہہ شراب اور جوا اور بت اور قمار کے تیر ناپاک مین اور شیطان کے کام ہین، تو تم ان سے باز آؤ کہ تم کو فلاح حاصل ہو، شیطان تو صرف یہ چاہتا ہو کہ تم لوگون مین شراب اور جوے کے ذریعہ سے دشمنی اور بغض ڈال دے

---

[۱] یہ پورا واقعہ ابوداؤد کتاب الاشربہ مین مذکور ہے۔ [۲] ابوداؤد مین پوری آیتین نہین مذکور ہین۔ بلکہ چند لفظ نقل کرکے پوری آیت کی طرف اشارہ کردیا ہے۔

وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ فَهَلْ — اور تمکو خدا کی یاد سے اور نماز سے روک دے،

اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ، (مائدہ) — تو بولو! تم باز آتے ہو؟

(ان آیتون کے نزول کے بعد شراب قطعاً حرام ہوگئی، اسی وقت آنحضرت صلعم نے مدینہ کی گلی کوچون مین منادی کرادی کہ آج سے شراب حرام ہے، لیکن باانیہمہ شراب کی تجارت اور خرید و فروخت جاری تھی، ۸ھ مین یہ بھی حرام ہوگئی، آپ نے مسجد نبوی مین لوگونکو جمع کرکے اسکا اُسی وقت اعلان کیا[1]، اس کے بعد اسی سال فتح مکہ کے زمانہ مین آپ نے علی الاعلان اُن چیزون کی تجارت کی ممانعت فرمائی جسکا کھانا یا رکھنا ناجائز ہے، آپ نے فرمایا،

ان اللّٰہ و رسولہ حرم بیع الخمر والمیتۃ والخنزیر والاصنام[2] — خدا اور اس کے رسول نے شراب، مردہ، سور، اور بتونکی خرید و فروخت حرام کردی)

غور کرو، شراب کی حرمت کس طرح اعلان عام کے ساتھ عمل مین آئی، بااین ہمہ ابھی تک یہ نہین متعین ہوا کہ یہ کس سال کا واقعہ ہے، محدثین اور ارباب روایت اس امر مین نہایت مختلف الآراہین[3]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری، کتاب التفسیر، سورۂ مائدہ باب لیس علے الذین آمنوا مین لکھتے ہین۔

والذی یظھران تحریمھا کان عام الفتح سنۃ ثمان	اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت فتح مکہ کے زمانہ ۸ھ
لما روی احمد من طریق عبد الرحمن بن وعلۃ قال	مین ہوئی اور اسکی دلیل یہ ہے کہ امام احمد نے عبد الرحمن بن وعلہ
سالت ابن عباس عن بیع الخمر فقال کان لرسول اللّٰہ	کی سند سے روایت کی ہے کہ مین نے حضرت عبد اللّٰہ بن عباس سے
صلی اللّٰہ علیہ وسلم صدیق من ثقیف او دوس فلقیہ	پوچھا کہ شراب کا بیچنا کیسا ہے تو انھون نے کہا کہ آن حضرت صلعم

---

(1) صحیح بخاری (تفسیر آیت الربوا) وصحیح مسلم باب تحریم بیع الخمر، مین حضرت عایشہ فرماتی ہین کہ اواخر سورہ بقرہ کے نزول کے بعد جس مین حرمت ربوا کا حکم ہے یہ اعلان فرمایا، یہ آیتین ۸ھ مین نازل ہوئی ہین۔ س (2) صحیح بخاری و مسلم باب تحریم بیع الخمر والمیتۃ والاصنام (3) سیرۃ النبی جلد اول مین حرمت شراب کی دو تاریخین دو مختلف مقامات پر لکھی گئی ہین۔ صفحہ ۲۸۸ مین ۴ھ اور صفحہ ۲۹۷ مین ۸ھ لکھا گیا ہے۔ پہلا بیان عام ارباب سیر کا ہی دوسرا علامہ ابن حجر کی تحقیق ہے۔ لیکن مصنفین سیرت النبی کی اصلی تحقیق یہان مذکور ہوتی ہے اور وہ اس باب مین عام محدثین کے ساتھ ہین جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا) س

یوم الفتح براویۃ خمر یھدیھا الیہ فقال یا فلان اما علمت ان اللہ حرمہا، الخ	کے ایک دوست تھے جو ثقیف یا دوس کے قبیلہ سے تھے وہ آنحضرت صلعم سے فتح مکہ مین ملے اور ایک مشک شراب تحفہ پیش کی آپنے فرمایا تمکو معلوم نہین کہ خدا نے شراب کو حرام کردیا ہے۔

ہماری راے مین حافظ ابن حجر کا خیال اور ان کا استدلال صحیح نہین، اس روایت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ ان صاحب کو شراب کی حرمت کا حال فتح مکہ تک نہین معلوم ہوا[۱] تھا، یہ کہان ثابت ہوتا ہے کہ اُس وقت تک حرمت نازل بھی نہین ہوئی تھی، بہت سے احکام ہین جن کی خبر دور کے رہنے والون کو بہت دیر کے بعد ہوئی۔

علاوہ اس کے خود بعض روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے شراب کی حرمت نازل ہوچکی تھی۔ یہ کسی طرح ممکن نہین کہ شراب جیسی ناپاک چیز سنہ ہجری تک حلال رہتی، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی وفات سے صرف دو برس پہلے حرام ہوتی، حقیقت مین شراب ہجرت کے تیسرے یا چوتھے برس حرام ہوچکی تھی۔[۲]

سود کی حرمت

(سود[۳] خواری بھی اُن اخلاق ذمیمہ مین سے ہے جو اہل عرب کے رگ وریشہ مین سرایت کرگئے تھے۔ اسی لیے نہایت تدریج کے ساتھ اسکی حرمت کے احکام بھی اترے، قریش عموماً تجارت پیشہ تھے، ان مین جو امیر

---

(۱) مصنف کا یہ قیاس بالکل درست ہی، جن صاحب کا یہ واقعہ ہو وہ قبیلہ ثقیف یا دوس سے تھے، ثقیف کا قبیلہ سنہ مین مسلمان ہوا، اور دوس گو بہت پہلے اسلام لاچکے تھے لیکن وہ مدینہ سے بہت دور آباد تھے۔ اس کے علاوہ ایک اور نکتہ بھی ہے جسکی طرف ہمارے محدثین نے توجہ نہین کی اور وہ یہ ہے جیسا کہ ہم ابھی متن مین پہلے لکھ آے ہین کہ شراب کا پینا گو سنہ مین حرام ہوچکا تھا، لیکن شراب کی تجارت بند نہین ہوئی تھی۔ چنانچہ یہ صاحب بھی مے فروش تھے، شراب کی خرید و فروخت، ممانعتِ ربا کی حرمت کے ساتھ عمل مین آئی ہے اور ربا کی حرمت سب سے آخر مین نازل ہوئی ہی یعنی سنہ مین شراب فروشی کی ممانعت مدینہ مین اسی وقت کردی گئی لیکن اس کا عام اعلان آپنے فتح مکہ کے زمانہ مین فرمایا جیسا کہ احادیثِ صحیحہ مین بتصریح مذکور ہے (دیکھو صحیح بخاری تفسیر آیتِ ربا و باب بیع المیتۃ والاصنام اور صحیح مسلم باب تحریم بیع الخمر) حافظ ابن حجر جو اس بات کے قایل ہین کہ شراب کی حرمت سنہ مین نازل ہوئی وہ خود جلد اول صفحہ ۱۶ ۲ مین قاضی عیاض کے جواب مین لکھتے ہین، قلت ویحتمل ان یکون تحریم التجارۃ فیھا تاخر عن وقت تحریمھا، واللہ اعلم، یعنی "ممکن ہے کہ شراب پینے کی حرمت کے بعد شراب کی تجارت کی حرمت نازل ہوئی ہو" صحیح مسلم مین ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے (باب تحریم الخمر) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب پینے اور اسکی خرید و فروخت کی ممانعت ایک ساتھ نازل ہوئی، لیکن اس کے بعد حضرت عائشہ اور جابر بن عبداللہ سے جو روایتین ہین۔ اُن سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی روایت مین حضرت ابوسعید خدری یا ان کے بعد کے راویون سے کسی قدر تسامح ہوا ہے وھذا ھوالحق، علاوہ ازین حافظ ابن حجر نے امام احمد کی جس حدیث سے فتح مکہ مین شراب نوشی کی حرمت کے نزول پر استدلال کیا ہے وہ حدیث صحیح مسلم (باب تحریم بیع الخمر) مین بھی ہے، لیکن اس مین "فتح مکہ" کی تعیین نہین) (۲) سب سے بڑی دلیل اسکی یہ ہے کہ "جب شراب کی حرمت نازل ہوئی تو لوگون نے کہا کہ ہمارے مسلمان بھائی جو شراب پی کر جنگ احد مین (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

اور دولتمند سوداگر تھے، وہ غریبون اور کاشتکارون کو بھاری شرح سود پر روپیہ قرض دیتے اور جب تک قرض وصول نہو جاتا اصل سرمایہ کو ہر سال بڑھاتے جاتے[۱] تھے، خود آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے چچا عباسؓ (اسلام سے پہلے) بہت بڑے سودی کاروبار کے مالک[۲] تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب مدینہ تشریف لائے تو یہودی تاجرون کے سبب سے یہان مختلف قسم کے سود کا رواج دیکھا، سب سے پہلے آپ نے چاندی اور سونے کے اُدھار خرید و فروخت کو سود قرار دیا،[۳] پھر دوگنے اور چوگنے سود لینے کی ممانعت آئی اور یہ آیت اتری،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَوٰا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، آل عمران	مسلمانو! دگنا چوگنا سود نہ کھایا کرو، اور خدا سے ڈرا کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

اس کے بعد آپ نے ہمجنس اشیاء کا باہم گھٹ بڑھ کے مبادلہ منع[۴] فرمایا، ۷ھ مین غزوۂ خیبر کے موقع پر مسلمانون نے یہودی سوداگرون سے لین دین شروع کیا، اُس وقت آپ نے اعلان فرمایا کہ سونے کو اشرفی کے بھاؤ گھٹا بڑھا کر بیچنا بھی سود[۵] ہے، سود کی حرمت کے متعلق تفصیلی احکام ۸ھ مین نازل ہوئے۔ آل عمران کے بعد سورۂ بقرہ مین سب سے پہلے یہ آیت اتری،

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَوٰا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ	جو لوگ سود کھاتے ہین وہ اس طرح کھڑے ہون گے جسطرح شیطان کسیکو چھوکر مخبوط بنا دیتا ہے، اسلیے کہ وہ یہ کہتے ہین

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) شریک ہوے اور اسی حالت مین مارے گئے، ان کا کیا حال ہوگا اسپر یہ آیت لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا نازل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شراب کی حرمت کا واقعہ جنگ احد سے بالکل متصل تھا اور جنگ احد کا زمانہ یہی ہے۔ بخاری تفسیر آیت مذکور مین حضرت جابرؓ کی روایت ہے:

صبّح اناس غداة احد الخمر فقتلوا من يومهم جميعًا شهداء وذالك قبل تحريمها،	غزوہ احد کی صبح کو کچھ لوگون نے شراب پی، اور یہ سب اُسی دن شہید ہوے، یہ شراب کی حرمت سے پہلے ہوا۔

اس روایت کے ساتھ حضرت انسؓ کی اس روایت کو ملاؤ، جو اس کے بعد ہی واقع ہے:

فقال بعض القوم قتل قوم وهي في بطنهم قال فانزل الله ليس على الذين آمنوا (الخ)	حرمت شراب کی آیت نازل ہوئی تو بعض لوگون نے کہا کہ کچھ لوگ اس حالت میں مارے گئے ہین کہ شراب انکے پیٹ مین تھی اسپر یہ آیت اتری کہ مومنون پر کچھ حرج نہین اس

[۱] موطا امام مالک باب الربا، [۲] ابن جریر تفسیر آیت ربا، [۳] صحیح مسلم باب الصرف [۴] صحاح کتاب البیوع۔
[۵] صحیح مسلم باب بیع القلادہ فیہا خرز...

قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَاءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ،

کہ بیع اور سود کا معاملہ ایک ہی ہے، خدا نے بیع کو تو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا۔ پس جسکے پاس خدا کی طرف سے نصیحت کی بات پہنچی اور وہ باز آگیا تو اوسکو وہی لینا چاہیے جو پہلے دیا۔

لوگون کو یہ اعتراض تھا کہ سود بھی ایک قسم کی تجارت ہی، جب تجارت جائز ہے تو سود کیون حرام ہے، اس سوال کا جواب تو کتاب کی دوسری جلدون مین آئیگا، یہان صرف سود کی تاریخ حرمت سے بحث ہے۔ بہرحال اس آیت مین بھی سود کی قطعی حرمت کا فیصلہ نہوا۔ آخر تھوڑے ہی وقفہ کے بعد غالباً ۸ھ مین یہ آیت نازل ہوئی۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ، بقرہ،

مسلمانو! خدا سے ڈرو اور سود جو باقی رہ گیا ہے اسکو چھوڑ دو، اگر تم سچے مومن ہو۔ اگر یہ نہ کرو تو خدا و رسول سے لڑنے کے لیے تیار ہو جاؤ اگر باز آجاؤ تو تم کو اپنے راس المال کا حق ہے۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر کوئی ظلم کرے۔

یہ آیت جب اُتری تو آپ نے مسجد مین تمام مسلمانون کو جمع کر کے یہ حکم سنایا[1]، ۹ھ مین اہل نجران سے جو معاہدات صلح ہوئے اُن مین ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ "سود نہ لین[2] گے" ذیحجہ ۱۰ھ مین حجۃ الوداع کے موقع پر اس آیت کے نزول سے پہلے تمام ملک عرب مین جسقدر سودی معاملات تھے، آپ نے سب کو کالعدم قرار دیا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہین کہ سود کی حرمت کا حکم اسلام کے سلسلۂ احکام کی سب سے آخری کڑی ہی[3]

---

[1] صحیح بخاری و مسلم باب تحریم بیع الخمر، [2] ابو داؤد، باب اخذ الجزیۃ۔ [3] صحیح بخاری تفسیر آیت واتقوا یوماً، (بقرہ)

سالِ اخیر، حجۃ الوداع، اختتام فرضِ نبوّت

ذیحجہ سنہ۱۰ھ مطابق فروری سنہ۶۳۲ء

اِذَا جَاۤءَ نَصۡرُ اللّٰہِ وَالۡفَتۡحُ وَرَاَیۡتَ النَّاسَ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ وَاسۡتَغۡفِرۡہُ اِنَّہٗ کَانَ تَوَّابًا،

جب خدا کی مدد آگئی اور مکہ فتح ہوچکا اور تونے دیکھ لیا کہ لوگ خدا کے دین مین فوج کی فوج داخل ہورہے ہین، تو خدا کے حمد کی تسبیح پڑھ، اور استغفار کر، خدا توبہ قبول کرنے والا ہی۔

بظاہر یہ خیال ہوتا ہے کہ نصرت اور فتح کے مقابلہ مین شکر کی ہدایت ہونی چاہیے تھی، تسبیح اور استغفار کو فتح سے کیا مناسبت ہی؟ اسی بناپر ایک صحبت مین حضرت عمرؓ نے صحابہ سے اس آیت کے معنی پوچھے، لوگون نے مختلف معنے بتاے، حضرت عمرؓ نے عبد اللہ بن عباس کی طرف دیکھا، وہ کمسن تھے اور جواب دیتے جھجکتے تھی، حضرت عمر نے انکی ڈھارس بندھائی تو انھون نے کہا کہ "یہ آیت آنحضرت صلعم کے قرب وفات کا اعلان[1] ہے کہ استغفار، موت کے لیے مخصوص ہے"

اس سورہ کے نازل ہونے کے بعد آپ کو معلوم ہوگیا[2] تھا کہ رحلت کا زمانہ قریب آگیا، اس لیے اب ضرورت تھی کہ تمام دنیا کے سامنے شریعت اور اخلاق کے تمام اصول اساسی کا مجمع عام مین اعلان کردیا جائے، آنحضرت صلعم نے ہجرت[3] کے زمانہ سے اب تک فریضۂ حج ادا نہین فرمایا تھا۔

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ اذا جاء [2] واحدی نے اسباب النزول مین لکھا ہے کہ یہ سورہ آنحضرت صلعم کی وفات سے دو برس پہلے اتری۔ لیکن ابن قیم نے زاد المعاد مین لکھا ہی کہ سنہ۱۰ھ مین اور عین ایام تشریق مین اُتری (یہ دوسری روایت اصل مین بیہقی کی ہے) ابن حجر اور زرقانی نے تصریح کی ہے کہ "اسکی سند ضعیف ہی" اس لیے واحدی کی روایت صحیح ہی، سیوطی نے بھی اسباب النزول مین مصنف عبد الرزاق کے حوالہ سے یہی روایت نقل کی ہی کہ یہ سورہ فتح مکہ کے بعد ہی فوراً نازل ہوئی تصریحات ائمہ اور اشارات حدیث کے علاوہ خود اس سورہ کا طرز بیان ظاہر کررہا ہی کہ وہ فتح مکہ کے متصل ہی اتری ہی یعنی حجۃ الوداع سے تقریباً دو پونے دو برس پہلے۔ جن روایتون مین وفات سے چند روز پہلے اس سورہ کا نازل ہونا بیان ہوا ہے وہ روایت اور درایت دونون حیثیتون سے ضعیف ہین) س [3] سنن ابن ماجہ مین ہی (باب حجۃ النبی صلعم) کہ ہجرت سے پہلے آپ نے دو حج فرمائے بعض حدیثون مین جو یہ ہی کہ آپ نے ایک ہی حج کیا تھا (ترمذی باب کم حج النبیؐ اور ابو داؤد وقت الاحرام) اس سے مقصود بعد ہجرت ہی)

ایک مدت تک تو قریش سد راہ رہے، صلح حدیبیہ کے بعد موقع ملا، لیکن مصالح اس کے مقتضی تھے کہ یہ فرض سب سے آخر مین ادا کیا جائے۔

بہرحال[1] ذوقعدہ مین اعلان ہوا کہ آنحضرت صلعم حج کے ارادہ سے مکہ تشریف لے جارہے ہین، یہ خبر دفعۃً پھیل گئی، اور شرف ہمرکابی کے لیے تمام عرب امنڈ آیا، (سنیچر کے دن) ذوقعدہ کی ۲۶ تاریخ کو آپ نے غسل فرمایا اور چادر اور تہمد باندھی، نماز ظہر کے بعد مدینہ سے باہر نکلے، تمام ازواج مطہرات کو ساتھ چلنے کا حکم دیا، مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ ایک مقام ہے جو مدینہ کی میقات ہے، یہان پہنچکر شب بھر اقامت فرمائی، دوسرے دن دوبارہ غسل فرمایا، حضرت عایشہ نے اپنے ہات سے آپ کے جسم مبارک مین عطر ملا[2] اس کے بعد آپ نے دو رکعت نماز ادا کی، پھر قصواء پر سوار ہوکر احرام باندھا اور بلند آواز سے یہ الفاظ کہے۔

لبیک لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک	اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہین، اے خدا تیرا کوئی شریک نہین، ہم حاضر
ان الحمد والنعمۃ لک والملک لک لاشریک لک	ہین۔ تعریف اور نعمت سب تیری ہی ہے اور سلطنت مین تیرا کوئی شریک نہین

حضرت جابر رض جو اس حدیث کے راوی ہین ان کا بیان ہے کہ مین نے نظر اٹھا کر دیکھا تو آگے پیچھے، داہین بائین جہان تک نظر کام کرتی تھی، آدمیون کا جنگل نظر آتا تھا،[3] آنحضرت صلعم جب لبیک فرماتے تھے تو ہر طرف سے اسی صداے غلغلہ انگیز کی آواز بازگشت آتی تھی اور تمام دشت و جبل گونج اٹھتے تھے،

فتح مکہ مین آپ نے جن منازل مین نماز ادا کی تھی، وہان برکت کے خیال سے لوگون نے مسجدین بنالی تھین آنحضرت صلعم ان مساجد مین نماز ادا کرتے جاتے تھے، سرف پہنچکر غسل فرمایا، دوسرے دن (اتوار کے روز) ذوالحجہ

---

[1] ابوداؤد اور صحیح مسلم مین حجۃ الوداع کا واقعہ نہایت تفصیل سے مذکور ہے، جس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت امام باقر نے حضرت جابر سے جب وہ نابینا ہوگئے تھے آنحضرت صلعم کے حج کا حال پوچھا۔ حضرت جابر نے آل رسول کی محبت سے امام باقر کے گریبان کے تکمے کھولے اور انکے سینہ پر محبت سے ہاتھ رکھ کر کہا بھتیجے! پوچھ کیا پوچھتا ہے؟ پھر نہایت تفصیل سے حج نبوی کے تمام حالات بیان کیے (اوقات کی تعیین بھی بخاری و مسلم مین حضرت ابن عباس، انس، اور حضرت عایشہ کی روایتون مین ہے اور امام نسائی نے کتاب المناسک مین۔ آنحضرت صلعم کے اوقات و تاریخ کے لیے خاص باب باندھا ہے) ([2]صحیح بخاری و صحیح مسلم [3]کم و بیش ایک لاکھ مسلمان شریک حج تھے۔)

کی چارتاریخ کو صبح کے وقت) مکۂ معظمہ مین داخل ہوے۔ مدینہ سے مکہ تک کا یہ سفر نو دن مین طے ہوا۔ خاندانِ ہاشم کے لڑکون نے آمد آمد کی خبر سنی تو خوشی سے باہر نکل آئے، آپ نے فرط محبت سے اونٹ پر کسی کو آگے اور کسی کو پیچھے بٹھالیا[1]۔ کعبہ نظر پڑا تو فرمایا کہ "اے خدا اس گھر کو اور زیادہ عزت اور شرف دے" پھر کعبہ کا طواف کیا، طواف سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم مین دوگانہ ادا کیا اور یہ آیت پڑھی۔

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى — اور مقام ابراہیم کو سجدہ گاہ بناؤ۔

صفا پر پہونچے تو یہ آیت پڑھی۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ — صفا اور مروہ خدا کی نشانیان ہین۔

(یہان سے) **کعبہ** نظر آیا تو یہ الفاظ فرمائے۔

لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيء قدير لا اله الا الله وحده، انجز وعده، نصر عبده وهزم الاحزاب وحده،

خدا کے سوا کوئی خدا نہین، اسکا کوئی شریک نہین اسکے لیے سلطنت اور ملک اور حمد ہے، وہ مارتا اور جلاتا ہے اور وہ تمام چیزون پر قادر ہے، کوئی خدا نہین مگر وہ اکیلا خدا، اسنے اپنا وعدہ پورا کیا اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبایل کو شکست دی۔

صفا سے اتر کر کوہ **مروہ** پر تشریف لائے یہان بھی دعا و تہلیل کی، اہل عرب ایام حج مین عمرہ ناجائز سمجھتے تھے، صفا و مروہ کے طواف و سعی سے فارغ ہو کر آپ نے ان لوگون کو جنکے ساتھ قربانی کے جانور نہین تھے، عمرہ تمام کر کے احرام اتار دینے کا حکم دیا، بعض صحابہ نے گذشتہ رسوم مالوفہ کی بنا پر اس حکم کی بجا آوری مین معذرت کی آنحضرت صلعم نے فرمایا "اگر میرے ساتھ قربانی کے اونٹ نہوتے تو مین بھی ایسا ہی کرتا" حضرت علی حجۃ الوداع سے کچھ پہلے یمن بھیجے گئے تھے، اسی وقت وہ یمنی حاجیون کا قافلہ لیکر مکہ مین وارد ہوے، چونکہ ان کے ساتھ قربانی کے جانور تھے، اس لیے انہون نے احرام نہین اتارا، جمعرات کے روز آٹھوین تاریخ کو آپ نے تمام مسلمانون کے ساتھ

---

[1] نسائی باب استقبال الحج، ۲ھ ابوداؤد،

منیٰ مین قیام فرمایا۔ دوسرے دن نوین ذیحجہ کو جمعہ کے روز، صبح کی نماز پڑھکر منیٰ سے روانہ ہوئے،

قریش کا معمول تھا کہ جب مکہ سے حج کے لیے نکلتے تھے تو عرفات کے بجائے مزدلفہ مین مقام کرتے تھے جو حرم کے حدود مین تھا، ان کا خیال تھا کہ قریش نے اگر حرم کے سوا کسی اور مقام مین مناسک حج ادا کیے تو انکی شان یکتائی مین فرق آجائے گا لیکن اسلام کو جو مساوات عام قایم کرنی تھی اس کے لحاظ سے یہ تخصیص روا نہین رکھی جاسکتی تھی، اس لیے (خدا نے حکم دیا، ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ آپ (بھی عام مسلمانون کے ساتھ) عرفات مین آئے (اور یہ اعلان کرادیا[۱]

قفوا علی مشاعرکم فانکم علی ارث من ارث ابیکم ابراهیم — اپنے مقدس مقامات مین ٹھہرے رہو کہ تم اپنے باپ ابراہیم کی وراثت پر ہو۔

یعنی عرفہ مین حاجیون کا قیام حضرت ابراہیم کی یادگار ہے اور انھین نے اس مقام کو اس غرض خاص کے لیے متعین کیا ہے، عرفات مین ایک مقام نمرہ ہے وہان آپ نے ایک) کمل کے خیمہ مین قیام فرمایا، دوپہر ڈھل گئی تو ناقہ پر (جسکا نام قصواء تھا) سوار ہوکر میدان مین آئے اور ناقہ کے اوپر ہی سے خطبہ پڑھا،

(آج پہلا دن تھا کہ اسلام اپنے جاہ وجلال کے ساتھ نمودار ہوا، اور جاہلیت کے تمام بیہودہ مراسم کو مٹا دیا، اس لیے آپ نے فرمایا،

الا کل شئ من امر الجاهلية تحت قدمی موضوع[۳] — ہان جاہلیت کے تمام دستور میرے دونون پانون کے نیچے ہین، (صحیح بخاری ومسلم وابوداؤد)

---

[۱] صحیح بخاری باب الوقوف بعرفة [۲] ابوداؤد، موضع الوقوف بعرفه [۳] یہ اور اس کے بعد کے تمام عربی جملے آنحضرت صلعم کے خطبہ کے ٹکڑے ہین۔ (یہ جملے کسی حدیث مین یکجا بیان نہین ہوے ہین اسلیے ان کو مختلف ماخذون سے جمع کرنا پڑا ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم (باب حجۃ النبیؐ وباب الدیات) اور ابوداؤد (باب الاشہر الحرم وحجۃ النبیؐ) وغیرہ مین یہ خطبہ حضرت ابن عباس حضرت ابن عمر حضرت ابوامامہ باہلی حضرت جابرؓ حضرت ابوبکرہؓ وغیرہ صحابہ کی روایتون سے مذکور ہے ان روایتون مین بعض باتین مشترک ہین۔ مثلاً ان دمائکم واموالکم حرام علیکم کحرمة یومکم اور بعض باتین الگ ہین۔ مغازی وسیر کی کتابون مین کچھ اور باتین بھی مذکور ہین۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک طویل خطبہ تھا ہر ایک شخص کو جو فقرہ یاد رہ گیا اُسی کی اُسنے روایت کردی، اس بنا پر مختلف ماخذون سے ان ٹکڑون کو جمع کرلیا گیا ہے۔ اور اس کے جابجا حوالے دیے گئے ہین خطبہ کے بعض ضمنی الفاظ مصنف نے چھوڑ دیے ہین۔ روایتون مین ایک اور اختلاف ہے۔ حضرت جابر اپنی روایت مین (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

تکمیل انسانی کی منزل مین سب سے بڑا سنگ راہ امتیاز مراتب تھا، جو دنیا کی قومون نے، تمام مذاہب نے، تمام ممالک نے مختلف صورتون مین قایم کر رکھا تھا، سلاطین سایہ یزدانی تھے، جنکے آگے کسی کو چون وچرا کی مجال نہ تھی، ائمہ مذہب کے ساتھ کوئی شخص مسایل مذہبی مین گفتگو کا مجاز نہ تھا، شرفا، رذیلون سے ایک بالاتر مخلوق تھی، غلام آقا کے ہمسر نہین ہوسکتے تھے، آج یہ تمام تفرقے، یہ تمام امتیازات، یہ تمام حدبندیان دفعتہً ٹوٹ گیٔین،

لیس للعربی فضل علی العجمی ولا للعجمی فضل علی العربی کلکم ابناء آدم و آدم من التراب (عقد الفرید خطب نبوی)	عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہین، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم خاک سے بنے تھے،
ان کل مسلم اخو المسلم وان المسلمین اخوۃ،	مسلمان مسلمان باہم بھائی بھائی ہین۔ (طبری و ابن اسحاق
ارقاکم ارقاءکم اطعموھم مما تاکلون و اکسوھم مما تلبسون (ابن سعد بسند)	تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ، وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ،

عرب مین کسی خاندان کا کوئی شخص کسی کے ہاتھ سے قتل ہوتا تو اس کا انتقام لینا خاندانی فرض ہوجاتا تھا، یہانتک کہ سیکڑون برس گذر جانے پر بھی یہ فرض باقی رہتا تھا، اور اسی بنا پر لڑائیون کا ایک غیر منقطع سلسلہ قایم ہوجاتا تھا، اور عرب کی زمین ہمیشہ خون سے رنگین رہتی تھی، آج یہ سب سے قدیم رسم عرب کا سب سے مقدم فخر، خاندانونکا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور ایک روایت مین حضرت ابن عباس خطبہ کا دن یوم عرفہ یعنی ۹ ذیحجہ اور حضرت ابوبکرہ اور حضرت ابن عباس دوسری روایتون مین یوم النحر یعنی ۱۰ ذیحجہ بتاتے ہین بعض روایتین ایام التشریق کے خطبہ کی ہین" ابن اسحاق نے اسکو مسلسل خطبہ کے طور پر نقل کیا ہے، ابن ماجہ، ترمذی اور مسند احمد مین خطبۂ حجۃ الوداع کے چند فقرے منقول ہین جن مین یہ تصریح نہین کہ کس تاریخ کے خطبہ مین آپنے یہ فرمایا، بہرحال صحاح ستہ اور مسانید کی تمام روایات کو یکجا کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اس حج مین تین دفعہ خطبہ دیا۔ ۹ ذیحجہ یوم عرفہ کو۔ ۱۰ ذیحجہ یوم النحر کو، اور تیسرا خطبہ ایام التشریق مین ۱۱ یا ۱۲ ذیحجہ کو، ان خطبون مین اصولی طور پر بعض باتین مشترک ہین اور بعض مختص المقام ہین، یہ بہت ممکن ہے جیسا کہ بعض محدثین نے تصریح کی ہے کہ چونکہ مجمع بہت بڑا تھا اور جو پیغام اپنی امت کو پہنچانا چاہتے تھے وہ نہایت اہم تھا، اس لیے آپ نے اپنی تقریر کے بعض بعض فقرے مکرر اعادہ فرمائے) س۔ (۱؎ یہ فقرہ حدیث اور سیر کی کتابون مین مجھے نہین ملا، ترمذی آخر کتاب المناقب اور ابوداؤد۔ باب التفاخر بالاحساب مین اسکے ہم معنی مفہوم مذکور ہے، ان اللہ اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ وفخرھا بالآباء، انما ھو مومن تقی وفاجر شقی الناس کلھم بنو آدم و آدم خلق من التراب، لیکن اس روایت مین حجۃ الوداع کا نام نہین ہے، البتہ مورخ یعقوبی نے جو تیسری صدی ہجری مین تھا، یہ فقرہ خطبۂ حجۃ الوداع مین نقل کیا ہے، صفحہ ۱۲۳ طبع یورپ س)

پر فخر مشغلہ برباد کردیا جاتا ہے، (اور اس کے لیے نبوت کا منادی سب سے پہلے اپنا نمونہ آپ پیش کرتا ہے)

ودماء الجاهلية موضوعةٌ وانّ اول دم اضع من دمائنا دم ابن ربيعة بن الحرث، (صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد، بروایت جابرؓ)

جاہلیت کے تمام خون (یعنی انتقام خون) باطل کردیے گئے، اور سب سے پہلے میں (اپنے خاندان کا خون) ربیعۃ بن الحرث کے بیٹے[1] کا خون باطل کردیتا ہون۔

(تمام عرب مین سودی کاروبار کا ایک جال پھیلا ہوا تھا جس سے غربا، کا ریشہ ریشہ جکڑا ہوا تھا اور ہمیشہ کے لیے وہ اپنے قرضخواہون کے غلام بنگئے تھے، آج وہ دن ہے کہ اس جال کا تار تار الگ ہوتا ہے۔ اس فرض کی تکمیل کے لیے بھی معلّمِ حق سب سے پہلے اپنے خاندان کو پیش کرتا ہے۔

وربا الجاهلية موضوع واول ربا اضع ربانا ربا عباس بن عبد المطلب، (صحیح مسلم و ابو داؤد)

جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کردیے گئے اور سب سے پہلے اپنے خاندان کا سود، عباس[2] بن عبد المطلب کا سود باطل کرتا ہون)

آج تک عورتین ایک جائداد منقولہ تھین، جو قمار بازیون مین داؤن پر چڑھادی جاسکتی تھین، آج پہلا دن ہے کہ یہ گروہِ مظلوم، یہ صنفِ لطیف، یہ جوہر نازک، قدر دانی کا تاج پہنتا ہے،

فاتقوا الله فی النساء[3] (صحیح مسلم و ابو داؤد)

(عورتون کے معاملہ مین خدا سے ڈرو)

اِنّ لکم علی نسائکم حقا ولهن علیکم حقا (طبری ابن ہشام وغیرہ)

تمہارا عورتون پر اور عورتون کا تم پر حق ہے۔

عرب مین جان و مال کی کچھ قیمت نہ تھی، جو شخص جسکو چاہتا تھا قتل کردیتا تھا، اور جس کا مال چاہتا تھا چھین لیتا تھا آج امن و سلامتی کا بادشاہ تمام دنیا کو صلح کا پیغام سناتا ہے)

[1] ربیعہ قریش کے خاندان سے تھے، اور ان کے خون کا انتقام لینا میراث کی طور پر ایک فرض خاندانی چلا آتا تھا، (ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب آنحضرت صلعم کے چچازاد بھائی تھے، اور بعض روایتون مین خود اُن کے قتل کا ذکر ہے۔ لیکن یہ صحیح نہین، ربیعہ خلافت فاروقی تک زندہ تھے اور ۲۳ھ مین وفات پائی۔ صحیح یہ ہے کہ ربیعہ کا ایاس نام ایک بیٹا تھا وہ قبیلہ بنی سعد مین پرورش پا رہا تھا کہ ہذیل نے اسکو قتل کرڈالا۔ دیکھو ابو داؤد و صحیح مسلم، باب حجۃ النبی صلعم اور زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۰۱۔)

[2] آنحضرت صلعم کے چچا عباس اسلام سے پہلے سود کا کاروبار کرتے تھے، بہت سے لوگون کے ذمہ ان کا سود باقی تھا، (دیکھو تفسیر آیات ربا، [3] اس کے بعد آپ نے زن و شو کے فرائض کی تفصیل فرمائی)

اِنَّ دمائکم واموالکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شہرکم ھذا	تو تمہارا خون اور تمہارا مال تا قیامت اسی طرح حرام ہے
فی بلدکم ھذا الی یوم تلقون ربکم (صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد وغیرہ)	جسطرح یہ دن، یہ مہینہ، اور یہ شہر حرام ہے۔

(اسلام سے پہلے بڑے بڑے مذاہب دنیا مین پیدا ہوئے لیکن انکی بنیاد خود صاحبِ شریعت کے تحریری اصول پر نہ تھی، انکو خدا کی طرف سے جو ہدایتین ملی تھین بندون کی ہوس پرستیون نے انکی حقیقت گم کردی تھی، ابدی مذہب کا پیغمبر اپنی زندگی کے بعد ہدایاتِ ربّانی کا مجموعہ خود اپنے ہات سے اپنی امت کو سپرد کرتا ہی اور تاکید کرتا ہی)

وانی قد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم	مین تم مین ایک چیز چھوڑ جاتا ہون اگر تم نے اسکو مضبوط پکڑ لیا
بہ کتاب اللہ، (صحاح)	تو گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز کیا ہے؟ کتاب اللہ!

اُس کے بعد آپ نے چند اصولی احکام کا اعلان فرمایا[1]،

اِنَّ اللہ عز وجل قد اعطی کل ذی حق	خدا نے ہر حقدار کو (از روے وراثت) اس کا حق
حقہ فلا وصیۃ لوارثٍ	دیدیا اب کسی وارث کے حق مین وصیت جائز نہین،
الولد للفراش وللعاھر الحجر وحسابھم	لڑکا اُس کا ہی جسکے بستر پر پیدا ہوا، زنا کار کے لیے پتھر
علی اللہ۔	ہے اور اُن کا حساب خدا کے ذمہ ہے۔
من ادعی الی غیر ابیہ وانتمی الی غیر	جو لڑکا اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کے نسب سے ہونے کا دعوی کرے
موالیہ فعلیہ لعنۃ اللہ،	اور جو غلام اپنے مولی کے سوا کسی اور طرف اپنی نسبت کرے اسپر خدا کی لعنت؛
الا لایحل لامرءۃٍ ان تعطی من مال زوجھا	ہان عورت کو اپنے شوہر کے مال مین سے اسکی اجازت کے بغیر کچھ دینا
شیئا الا باذنہ۔ الدین مقضیٌّ والعاریۃ مؤداۃ	جائز نہین، قرض ادا کیا جائے عاریت واپس کیجاے، عطیہ
والمنحۃ مردودۃٌ، والزعیم غارم)	لوٹایا جاے، ضامن تاوان کا ذمہ دار ہے)

[1] سنن ابن ماجہ باب الوصایا و مسند ابوداؤد طیالسی بروایت ابی امامۃ الباہلی، ابوداؤد، کتاب الوصایا مین مختصراً ہے ابن سعد اور ابن اسحاق نے بھی اسکی بسند روایت کی ہے کہ یہ عرفہ کے خطبہ مین آپ نے فرمایا۔)

یہ فرماکر آپ نے مجمع کی طرف خطاب کیا،

انتم مسئولون عنی فما انتم قائلون (صحیح مسلم و ابوداؤد) تم سے خدا کے ہان میری نسبت پوچھا جائیگا، تم کیا جواب دوگے،

صحابہؓ نے عرض کی "ہم کہین گے کہ آپ نے خدا کا پیغام پہنچا دیا، اور اپنا فرض ادا کردیا"، آپ نے آسمان کی طرف انگلی اُٹھائی، اور تین بار فرمایا،

اللّٰھم اشھد (صحیح مسلم و ابو داؤد) اے خدا تو گواہ رہنا۔

عین اُسوقت جب آپ یہ فرض نبوّت ادا کر رہے تھے یہ آیت اُتری[1]،

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا، آج مین نے تمہارے لیے دین کو مکمل کردیا اور اپنی نعمت تمام کردی اور تمہارے لیے مذہب اسلام کو انتخاب کرلیا۔

نہایت حیرت انگیز اور عبرت خیز منظر یہ تھا کہ شاہنشاہ عالم جسوقت لاکھون آدمیون کے مجمع مین فرمان ربانی کا اعلان کر رہا تھا، اُس کے تخت شاہنشاہی کا مسند و بالین (کجاوہ اور عرق گیر) ایک روپیہ سے زیادہ قیمت کا نہ تھا[2]،

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ نے حضرت بلال رضؓ کو اذان کا حکم دیا، اور ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی، پھر ناقہ پر سوار ہو کر موقف تشریف لائے اور وہان کھڑے ہو کر دیر تک قبلہ رو دعا مین مصروف رہے، جب آفتاب ڈوبنے لگا تو آپ نے وہان سے چلنے کی تیاری کی حضرت اُسامہؓ بن زید کو اونٹ پر پیچھے بٹھالیا، آپ ناقہ کی زمام کھینچے ہوئے تھے، یہان تک کہ اسکی گردن کجاوے مین آکر لگتی تھی، لوگون کے ہجوم سے ایک اضطراب سا پیدا ہوگیا تھا، لوگون کو دست راست سے، اور بخاری مین ہے کہ کوڑہ سے آپ اشارہ کرتے جاتے تھے کہ آہستہ آہستہ!! اور زبان مبارک سے ارشاد فرما رہے تھے،

السکینۃ ایھا الناس السکینۃ ایھا الناس (صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد) لوگو! سکون کے ساتھ! لوگو! سکون کے ساتھ،

اثنائے راہ مین ایک جگہ اُتر کر طہارت کی، اُسامہ نے کہا، یارسول اللہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہی، فرمایا

---

(1) صحیح بخاری و صحیح مسلم و ابوداؤد وغیرہ (ابن سعد مین تصریح خاص ہے) (2) طبقات ابن سعد صفحہ ۱۲۔ کتاب الشمائل للترمذی و ابن ماجہ

نماز کا موقع آگے آتا ہے، تھوڑی دیر کے بعد آپ تمام قافلہ کے ساتھ مزدلفہ پہنچے، یہان پہلے مغرب کی نماز پڑھی، اسکے بعد لوگون نے اپنے اپنے پڑاؤ پر جا کر سواریون کو بٹھایا، ابھی سامان کھولنے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً ہی نماز عشا کی تکبیر ہوئی نماز سے فارغ ہوکر آپ لیٹ گئے اور صبح تک آرام فرمایا، بیچ مین روزانہ دستور کے خلاف عبادت شبانہ کے لیے بیدار نہوے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ یہی ایک شب ہے جس مین آپ نے نماز تہجد ادا نہین فرمائی، صبح سویرے اُٹھکر باجماعت فجر کی نماز پڑھی، کفار قریش مزدلفہ سے اُسوقت کوچ کرتے تھے جب آفتاب پورا نکل آتا تھا، اور آس پاس کے پہاڑ دن کی چوٹیون پر دھوپ چمکنے لگتی تھی، اسوقت بآواز بلند کہتے تھے "کوہ ثبیر! دھوپ سے چمک جا" آنحضرت صلعم نے اس رسم کے ابطال کے لیے سورج نکلنے سے پہلے یہان سے کوچ کیا[1]، یہ ذیحجہ کی دسوین تاریخ اور سنیچر کا دن تھا،

فضل بن عباس آپ کے برادر عم زاد ناقہ پر ساتھ تھے، اہل حاجت داہنے بائین حج کے مسائل دریافت کرنے کے لیے آرہے تھے، آپ جواب دیتے تھے، اور زور زور سے مناسک حج کی تعلیم دیتے جاتے تھے[2]، وادیِ محسّر کے راستہ سے آپ جمرہ کے پاس آئے، ابن عباس سے جو اسوقت کمسن تھے فرمایا مجھے کنکریان چنکر دو، آپ نے کنکریان پھینکین اور لوگون کو خطاب کرکے ارشاد فرمایا[3]،

ایاکم والغلو فی الدین فانما اھلک قبلکم	مذہب مین غلو اور مبالغہ سے بچو، کیونکہ تم سے پہلی قومین
الغلو فی الدین (ابن ماجہ ونسائی)	اسی سے برباد ہوئین،

اسی اثنا مین آپ یہ بھی فرماتے،

لتاخذوا مناسککم فانی لا ادری لعلی لا احج	حج کے مسائل سیکھ لو، مین نہین جانتا، شاید کہ اس کے بعد
بعد حجتی ھذہ (مسلم وابوداود)	مجھے دوسرے حج کی نوبت نآئے۔

یہان سے فارغ ہوکر منٰی کے میدان مین تشریف لائے، داہنے بائین آگے پیچھے تقریباً ایک لاکھ مسلمانون کا مجمع تھا، مہاجرین قبلہ کے داہنے، انصار بائین، اور بیچ مین عام مسلمانون کی صفین تھین، آنحضرت صلعم ناقہ پر سوار تھے،

[1] صحیح بخاری وابوداؤد، [2] ابوداؤد، [3] نسائی۔

حضرت بلال کے ہاتھ مین ناقہ کی مہار تھی، حضرت اسامہ بن زید پیچھے بیٹھے کپڑا تانکر سایہ کیے ہوئے تھے، آپ نے نظر اُٹھاکر اس عظیم الشان مجمع کی طرف دیکھا تو فرایض نبوت کے ۲۳ سالہ نتائج نگاہون کے سامنے تھے، زمین سے آسمان تک قبول واعترافِ حق کا نور ضوفشان تھا، دیوان قضا مین انبیائے سابقین کے فرایض تبلیغ کے کارنامہ پر ختم رسالت کی مہر ثبت ہو رہی تھی، اور دنیا اپنی تخلیق کے لاکھون برس کے بعد دین فطرت کی تکمیل کا مژدہ، کائنات کے ذرہ ذرہ کی زبان سے سن رہی تھی، عین اسی عالم مین زبانِ حق محمد رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کے کام ودہن مین زمزمہ پرداز ہوئی،

اب ایک نئی شریعت، ایک نئے نظام اور ایک نئے عالم کا آغاز تھا، اس بنا پر ارشاد فرمایا،

ان الزمان قد استدار کھیئته یوم خلق اللہ السموات والارض، (بروایت ابوبکرہ)	ابتدا مین خدا نے جب آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا، زمانہ پھر پھرا کے آج پھر اُسی نقطہ پر آگیا،

(ابراہیمؑ خلیل کے طریق عبادت (حج) کا موسم اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا، اس کا سبب یہ ہے کہ اس زمانہ مین کسی قسم کی خونریزی جائز نہین تھی[1] اس لیے عربون کے خون آشام جذبات حیلۂ جنگ کے لیے اسکو کبھی گھٹا کبھی بڑھا دیتے تھے، آج وہ دن آیا کہ اس اجتماعِ عظیم کے لیے اشہرِ حُرم کی تعیین کردی جائے، آپنے فرمایا،

السنۃ اثنا عشر شھرا منھا اربعۃ حرم ثلاثۃ متوالیات ذوالقعدۃ وذوالحجۃ ومحرم ورجب شھر مضر الذی بین جمادی وشعبان (بروایت ابوبکرہ)	سال کے بارہ مہینے ہین جنمین چار مہینے قابل احترام ہین تین تو متواتر مہینے ہین، ذوقعدہ، ذوالحجہ اور محرم اور چوتھا رجب مضر کا مہینہ جو جمادی الثانی اور شعبان کے بیچ مین ہے۔

[1] حج کے ان مہینون کے احترام اور بزرگی کا تخیل عرب مین نہایت قدیم زمانہ سے چلا آتا تھا، اور عرب کے تمام فرقے خواہ یہودی یا عیسائی یا کسی اور مذہب کے پیرو ہون سب برابر ان کی عزت کرتے تھے، ان مہینون مین جنگ وجدال اور لڑائی بھڑائی حرام جانتے تھے، قدیم اشعار عرب مین اس کا بیان نہایت کثرت سے ہے، رومیون کی تاریخ مین بھی عربون کے اس عقیدہ کا ذکر ہے۔ ۵۴۱ء مین رومیون کو شام اور فلسطین مین کوئی جنگی کارروائی کرنی تھی اور ساتھ ہی عربون کے حملہ کا خوف لگا تھا، سپہ سالار روم جو عربون کے اندرونی حالات سے واقف تھا اسنے جواب دیا کہ اس زمانہ مین عربون سے کوئی خوف نہین کیونکہ عنقریب وہ دو مہینے آرہے ہین جنمین اہل عرب عبادتون مین مشغول رہتے ہین اور کسی قسم کا ہتھیار نہین لگاتے (نتائج الافہام محمود پاشا فلکی صفحہ ۲۵ بحوالۂ فرنچ ایشیاٹک سوسائٹی جرنل، اپریل ۱۸۴۳ء) س

دنیا مین عدل وانصاف اور جور وستم کا محور صرف تین چیزین ہین جان، مال، اور آبرو، آنحضرت صلعم کل کے خطبہ مین گو انکے متعلق ارشاد فرما چکے تھے، لیکن عرب کے صدیون کے زنگ دور کرنے کے لیے مکرر تاکید کی ضرورت تھی، آج آپ نے اس کے لیے عجیب بلیغ انداز اختیار فرمایا) لوگون سے مخاطب ہوکر پوچھا "کچھ معلوم ہے آج کونسا دن ہی؟ لوگون نے عرض کی کہ خدا اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہی، آپ دیر تک چپ رہے، لوگ سمجھے کہ شاید آپ اس دن کا کوئی اور نام رکھین گے، دیر تک سکوت کے بعد فرمایا "کیا آج قربانی کا دن نہین ہے؟" لوگون نے کہا، ہان بیشک ہے، پھر ارشاد ہوا، یہ کونسا مہینہ ہی؟ لوگون نے پھر اسی طریقہ سے جواب دیا، آپ نے پھر دیر تک سکوت کیا اور فرمایا، کیا یہ ذوالحجہ نہین ہی؟ لوگون نے کہا، ہان بیشک ہے، پھر پوچھا یہ کون شہر ہے؟ لوگون نے بدستور جواب دیا، آپنے اسی طرح دیر تک سکوت کے بعد فرمایا، کیا یہ بلدۃ الحرام نہین ہی؟ لوگون نے عرض کی ہان بیشک ہے، جب سامعین کے دل مین یہ خیال پوری طرح جاگزین ہوچکا کہ آج کا دن بھی، مہینہ بھی، اور خود شہر بھی محترم ہے، یعنی اس دن، اس مقام مین جنگ اور خونریزی جائز نہین، تب فرمایا:

فان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا (بروایت ابوبکرہ)

تو تمہارا خون، تمہارا مال اور تمہاری آبرو، (تاقیامت) اسیطرح محترم ہی جسطرح یہ دن، یہ مہینہ، اور یہ شہر محترم ہے،

(قومون کی بربادی ہمیشہ آپس کے جنگ وجدال اور باہمی خونریزیون کا نتیجہ رہی ہے وہ پیغمبر جو ایک لازوال قومیت کا بانی بنکر آیا تھا، اسنے اپنے پیرون سے بآواز بلند کہا،

الا لا ترجعوا بعدی ضلالا یضرب بعضکم رقاب بعض، وستلقون ربکم فیسئلکم عن اعمالکم (بروایت ابوبکرہ)

ہان! میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو، تمکو خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑیگا اور وہ تمسے تمہارے اعمال کی بازپرس کریگا،

ظلم وستم کا ایک عالمگیر پہلو یہ تھا کہ اگر خاندان مین کسی ایک شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوتا تو اس خاندان کا ہر شخص اُس جرم کا قانونی مجرم سمجھا جاتا تھا، اور اکثر اصلی مجرم کے روپوش یا فرار ہوجانے کی صورت مین بادشاہ کا اُس خاندان مین سے جسپر قابو چلتا تھا اُسکو سزا دیتا تھا، باپ کے جرم کے بدلے بیٹے کو سولی دی جاتی تھی، اور بیٹے کے جرم کا

خمیازہ باپ کو اٹھانا پڑتا، یہ سخت ظالمانہ قانون تھا، جو مدت سے دنیا پر حکمران تھا، اگرچہ قرآن مجید نے لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْریٰ کے وسیع قانون کے روسے اس ظلم کی ہمیشہ کے لیے بیخکنی کردی تھی، لیکن اسوقت جب دنیا کا آخری پیغمبر ایک نیا نظام سیاست ترتیب دے رہا تھا، اس اصول کو فراموش نہین کرسکتا تھا، آپ نے فرمایا،

الا لایجنی جانٍ الا علی نفسه، الا لایجنی جان علی ولده ولا مولود علی والده (ابن ماجہ وترمذی)	ہان! مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے، ہان! باپ کے جرم کا ذمہ دار بیٹا نہین اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہین،

عرب کی بدامنی اور نظام ملک کی بے ترتیبی کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ ہر شخص اپنی خداوندی کا آپ مدعی تھا، اور دوسرے کی ماتحتی اور فرمانبرداری کو اپنے لیے ننگ اور عار جانتا تھا، ارشاد ہوا،

ان امر علیکم عبد مجدع اسود یقودکم بکتاب الله فاسمعوا له واطیعوا (صحیح مسلم)	اگر کوئی حبشی بینی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تمکو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اسکی اطاعت اور فرمانبرداری کرو،

ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ اسوقت اسلام کے نور سے منور ہوچکا تھا، اور خانۂ کعبہ ہمیشہ کے لیے ملت ابراہیم کا مرکز بن چکا تھا، اور فتنہ پردازانہ قوتین پامال ہوچکی تھین، اس بنا پر آپ نے ارشاد فرمایا،

الا ان الشیطان قد ایس ان یعبد فی بلدکم هذا ابداً ولکن ستکون له طاعة فیما تحقرون من اعمالکم فسیرضیٰ به (ابن ماجہ وترمذی)	ہان شیطان اس بات سے مایوس ہوچکا کہ اب تمہارے اس شہر مین اسکی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی، لیکن البتہ چھوٹی چھوٹی باتون مین تم اسکی پیروی کروگے اور وہ اسپر خوش ہوگا۔

سب سے آخر مین آپ نے اسلام کے فرائض اولین یاد دلائے۔

اعبدوا ربکم وصلوا خمسکم وصوموا شهرکم واطیعوا اذا امرکم تدخلوا جنة ربکم (زاد المعاد)	اپنے پروردگار کو پوجو، پانچون وقت کی نماز پڑھو، مہینہ کا روزہ رکھا کرو، اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا کی جنت مین داخل ہوجاؤگے،

یہ فرماکر آپ نے مجمع کی طرف اشارہ کیا، اور فرمایا:

الا هل بلّغت	کیون، مین نے پیغام خداوندی سنادیا،

سب بول اُٹھے ہان! فرمایا،

اللھم اشھد — اے خدا تو گواہ رہنا،

پھر لوگون کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا،

فلیبلغِ الشاھدُ الغائبَ — تو جو لوگ اسوقت موجود ہین وہ انکو سنا دین جو موجود نہین،

(خطبہ[1] کے اختتام پر آپ نے تمام مسلمانون کو الوداع کہا[2]،

اسکے بعد آپ قربان گاہ کی طرف تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ "قربانی کے لیے منیٰ کی کچھ تخصیص نہین ہے، بلکہ منیٰ اور مکہ کی ایک ایک گلی مین قربانی ہوسکتی ہے،" آپ کے ساتھ قربانی کے سو اونٹ تھے، کچھ تو آپ نے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کیے اور باقی حضرت علیؓ کے سپرد کر دیئے، کہ وہ ذبح کرین، اور حکم دیا کہ گوشت پوست جو کچھ ہو، سب خیرات کر دیا جائے، یہان تک کہ قصاب کی مزدوری بھی اِس سے ادا نہ کیجائے، الگ سے دیجاے،

قربانی سے فارغ ہو کر آپنے معمرؓ بن عبداللہ کو بلوایا اور سر کے بال منڈوائے، اور فرطِ محبت سے کچھ بال خود اپنے دستِ مبارک سے ابوطلحہ انصاری اور انکی بیوی ام سلیم اور بعض اُن لوگونکو جو پاس بیٹھے تھے[3] عنایت فرمائے، اور باقی ابوطلحہ نے اپنے ہاتھ سے تمام مسلمانون مین ایک ایک دو دو کرکے تقسیم کر دیے۔ اسکے بعد آپ مکہ معظمہ تشریف لائے، خانۂ کعبہ کا طواف کیا، اس سے فارغ ہو کر چاہِ زمزم کے پاس آئے۔ چاہِ زمزم سے حاجیون کو پانی پلانے کی خدمت خاندانِ مُطّلب سے تعلق تھی، چنانچہ اس وقت اسی خاندان کے لوگ پانی نکالکر لوگون کو پلا رہے تھے آپنے فرمایا "یا بنی عبدالمطلب! اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ مجکو ایسا کرتے دیکھکر اور لوگ بھی تمہارے ہاتھ سے ڈول چھینکر خود اپنے ہاتھ سے پانی نکالکر پینگے، تو مین خود اپنے ہاتھ سے پانی نکال کے پیتا،" حضرت عباسؓ نے ڈول مین پانی نکال کر پیش کیا، آپ نے قبلہ رُخ ہو کر کھڑے کھڑے پانی پیا۔ پھر یہان سے منیٰ واپس تشریف لے گئے، اور وہین نماز ظہر[4] ادا فرمائی۔

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ بہت بڑا تھا، صحیح مسلم (حج) مین روایت ہے کہ قال قولاً کثیراً "آپ نے بہت سی باتین فرمائین" صحیح بخاری (حجۃ الوداع) مین ہے کہ آپ نے اس مین دجال کا بھی ذکر فرمایا تھا لیکن یہ تعیین نہین کہ کس دن کے خطبہ مین یہ فرمایا)

[2] صحیح بخاری باب الخطبۃ ایام منیٰ۔ [3] صحیح مسلم و ابوداؤد، [4] حضرت ابن عمر کی حدیث بخاری و مسلم دونون مین ہے کہ (بقیہ حاشیہ صفحہ آیندہ پر)

بقیہ ایام التشریق یعنی ۱۲ ذیحجہ تک آپ نے مستقل اقامت منیٰ ہی مین فرمائی، ہر روز زوال کے بعد رمی جمار کی غرض سے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آجاتے **ابوداؤد** (باب الخطبۃ بمنیٰ) مین ایک حدیث ہی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۲ ذیحجہ کو بھی منیٰ مین ایک خطبہ دیا تھا جس کے الفاظ مختصراً وہی ہین جو پہلے خطبون مین گذر چکے، ۱۳ ذیحجہ کو سہ شنبہ کے دن زوال کے بعد آپ نے یہان سے نکلکر وادی محصب[ا] مین قیام کیا، اور شب کو اسی مقام پر آرام فرمایا، پچھلے پہر اُٹھکر مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور خانۂ کعبہ کا آخری طواف کر کے وہین صبح کی نماز ادا کی، اسکے بعد قافلہ اسی وقت اپنے اپنے مقام کو روانہ ہوگیا، اور آپ نے مہاجرین و انصار کے ساتھ مدینہ کی طرف مراجعت فرمائی، راہ مین ایک مقام خم پڑا، جو جحفہ سے تین میل پر ہے، یہان ایک تالاب ہے عربی مین تالاب کو غدیر کہتے ہین اور اس لیے اس مقام کا عام نام روایتون مین **غدیر خم** آتا ہے، آپنے یہان تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک مختصر سا خطبہ دیا،

اما بعد الا ایھا الناس فانما انا بشر	حمد و ثنا کے بعد، اے لوگو! مین بھی بشر ہون، ممکن ہی کہ خدا کا فرشتہ جلد آجاے
یوشک ان یاتی رسولُ ربی فاجیب، وانا	اور مجھی قبول کرنا پڑے (یعنی موت) مین تمہارے درمیان دو بھاری چیزین
تارك فیکم الثقلین اولھما کتابُ اللّٰہ	چھوڑتا ہون، ایک خدا کی کتاب جسکے اندر ہدایت اور روشنی ہی، خدا کی کتاب کو مضبوطی
فیہ الھدی والنور فخذوا کتاب اللّٰہ	سے پکڑو، اور دوسری چیز میرے اہلبیت ہین، مین اپنے اہلبیت کے بارہ
واستمسکوبہ واھل بیتی اذکرکم اللّٰہ فی اھل بیتی،	مین تمھین خدا کو یاد دلاتا ہون۔

آخری جملہ کو آپ نے تین دفعہ مکرر فرمایا، یہ صحیح مسلم (مناقب حضرت علی) کی روایت ہے۔ نسائی، مسند امام احمد ترمذی، طبرانی، طبری، حاکم وغیرہ مین کچھ اور فقرے بھی ہین جنمین حضرت علیؓ کی منقبت ظاہر کی گئی ہے، ان روایتون

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آپ نے ظہر کی نماز حسب دستور اس دن بھی منیٰ مین پڑھی، لیکن حضرت ابن جابر کی جو طویل حدیث قصۂ حجۃ الوداع مین ہی اس مین تعیین ہی کہ آپ نے مکہ مین نماز ظہر پڑھی۔ حضرت عایشہ کی ایک روایت سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ اس بنا پر محدثین مین اُن دونون قولون کی باہمی ترجیح، اور وجوہ ترجیح مین اختلاف ہے۔ علامۂ ابن حزم نے دوسری روایت کو ترجیح دی ہے اور علامۂ ابن قیم نے زاد المعاد مین پہلے قول کو مرجح ثابت کیا ہے۔ فریقین کے موازنۂ دلایل کے بعد ہمنے ابن قیم کا فیصلہ قبول کیا ہی۔ س)

مین ایک فقرہ اکثر مشترک ہے،

من کنت مولاہ فعلی مولاہ، اللھم وال	جسکو مین محبوب ہون علی بھی اسکو محبوب ہونا چاہیے، الہی جو علی
من والاہ وعاد من عاداہ،	سے محبت رکھے اُس سے تو بھی محبت رکھ اور جو علی سے عداوت رکھے اس سے تو بھی عداوت رکھ،

احادیث مین خاص یہ تصریح نہین کہ ان الفاظ کے کہنے کی ضرورت کیا پیش آئی، بخاری مین ہے کہ اسی زمانہ مین حضرت علی یمن بھیجے گئے تھے، جہان سے واپس آکر وہ حج مین شامل ہوئے تھے یمن مین انھون نے اپنے اختیار سے ایک ایسا واقعہ کیا تھا جسکو انکے بعض ہمراہیون نے پسند نہین کیا، ان مین سے ایک صاحب نے آکر رسول اللہ صلعم سے شکایت کی، آپ نے فرمایا "علی کو اس سے زیادہ کا حق تھا[1]" عجب نہین کہ اسی قسم کے شکوک رفع کرنے کے لیے اس موقع پر آپ نے یہ الفاظ فرمائے،

مدینہ کے قریب پہنچکر ذوالحلیفہ مین شب بسر کی، صبح کے وقت ایک طرف سے آفتاب نکلا، اور دوسری طرف کوکبۂ نبوی مدینہ منورہ مین داخل ہوا- سواد مدینہ پر نظر پڑی تو یہ الفاظ فرمائے[2]،

اللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحدہ لا	خدا بزرگ و برتر ہے اسکے سوا کوئی خدا نہین کوئی اس کا شریک
شریک لہ لہ الملک و لہ الحمد وھو	نہین بس اُسی کی سلطنت ہے اسی کے لیے مدح وستایش ہے وہ ہر بات
علے کل شیئ قدیر، آئبون تائبون	پر قادر ہے، لوٹے آرہے ہین توبہ کرتے ہوئے فرمانبردارانہ زمین پر
عابدون ساجدون لربنا حامدون، صدق	پیشانی رکھکر اپنے پروردگار کی مدح وستایش مین مصروف ہوکر، خدا نے
اللہ وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ)	اپنا وعدہ سچا کیا، اپنے بندہ کی نصرت کی اور تمام قبائل کو تنہا شکست دی،)

---

[1] صحیح بخاری بعث علے الی الیمن و ترمذی مناقب حضرت علی، [2] حجۃ الوداع کے واقعات تمام تر صحیح بخاری صحیح مسلم، سنن ابوداؤد اور نسائی سے لیے گئے ہین، ہر واقعہ کے لیے ان کتابون مین کتاب الحج کے مختلف ابواب دیکھو)

وفات

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (زمر)

ربیع الاول سنہ ۱۱ھ

مطابق

مئی سنہ ۶۳۲ء

روحِ قدسی کو عالم جسمانی مین اسی وقت تک رہنے کی ضرورت تھی کہ تکمیل شریعت اور تزکیۂ نفوس کا عظیم الشان کام، درجۂ کمال تک پہنچ جائے، حجۃ الوداع مین یہ فرضِ اہم ادا ہوچکا، توحید کامل اور مکارم اخلاق کے اصول عملاً قائم کرکے عرفات کے مجمع عام مین اعلان کردیا گیا کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ ‏ آج کے دن مینے تمہارے لیے دین کو کامل کردیا اور اپنی نعمتین پوری کردین،

(سورۂ فتح کا نزول خاص خاص صحابہ کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قُربِ وفات کی اطلاع دیچکا تھا[1]، اور آپ حکم ربّانی فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (فتح) کے مطابق زیادہ تر اوقات تسبیح وتہلیل مین بسر فرماتے تھے[2]، آپ عموماً ہر سال رمضانِ مبارک مین دس دن اعتکاف مین بیٹھتے تھے، لیکن رمضان سنہ ۱۰ھ مین بیس دن اعتکاف مین بیٹھے، سال مین ایک دفعہ ماہ رمضان مین آپ پورا قرآن ناموسِ اکبر کی زبانی سنتے تھے، لیکن وفات کے سال دو دفعہ یہ شرف حاصل ہوا[3]، حجۃ الوداع کے موقع پر مناسک حج کی تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ اعلان بھی فرمایا کہ "مجھے امید نہین کہ آیندہ سال تمسے ملسکون"، بعض روایتون مین یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہین "شاید مین اس کے بعد حج نہ کرسکون[4]"، غدیر خم کے خطبہ مین بھی اسی قسم کے الفاظ ادا ہوئے،

غزوہ احد کے بیان مین گذرچکا ہو کہ شہداے اُحد کے جنازے کی نماز نہین پڑھی گئی تھی، تمام غزوات مین صرف

(۱؎ صحیح بخاری تفسیر اِذا جاء ۲؎ اس قسم کی روایتین گو طبری، ابن خزیمہ، اور ابن مردویہ مین ہین، لیکن مختصراً صحیح بخاری تفسیر اِذا جاء مین بھی مذکور ہین ۳؎ صحیح بخاری باب الاعتکاف و باب تالیف القرآن، ۴؎ صحیح مسلم دابوداؤد، ونسائی، کتاب الحج)

غزوۂ احد ہی ایک ایسا غزوہ ہی جسمین مسلمانون نے سب سے زیادہ بیکسی کیساتھ جان دی، اسیلئے انکی یاد آپکے دلمین اسوقت بھی موجود تھی، حجۃ الوداع کے موقع پر تمام مسلمانون کو اپنے فیض دیدار سے مشرف فرمایا اور انکو حسرت کے ساتھ وداع کیا، شہدائے اُحد جو بَلْ اَحْیَاءٌ کے مژدۂ جانفزا سے فیضیاب تھے، آٹھ برس کے بعد آخری دفعہ آپنے اُنکو بھی اپنی زیارت سے مشرف کرنا ضروری سمجھا، چنانچہ اسی زمانہ مین اُنکی قبر پر تشریف لے گئے، اور اُنکے لیے دعائے خیر فرمائی، اور اس رقت انگیز طریقہ سے انکو وداع کیا کہ "جس طرح ایک مرنے والا اپنے زندہ اعزہ کو وداع کرتا ہے[1]" اس کے بعد ایک خطبہ دیا جسمین فرمایا "مین تم سے پہلے حوض پر جارہا ہون، اُسکی وسعت اتنی ہی جتنی ایلہ سے جحفہ تک، مجکو تمام دنیا کے خزانون کی کنجی دی گئی ہے مجھے یہ خوف نہین ہے کہ میرے بعد تم شرک کروگے لیکن اس سے ڈرتا ہون کہ دنیا مین نہ مبتلا ہو جاؤ، اور اس کے لیے آپسمین کشت و خون نہ کرو، تو پھر اُسی طرح ہلاک ہو جاؤ جسطرح تم سے پہلی قومین ہلاک ہوئین"، راوی کا بیان ہی کہ یہ آخری دفعہ مینے رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) کو خطبہ دیتے ہوئے سُنا،

غزوات مین گذر چکا ہی کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ کو حدود شام کے عربون نے شہید کرڈالا تھا، آنحضرت صلعم اُن سے اسکا قصاص لینا چاہتے تھے۔ آغاز علالت سے ایک روز پہلے آپ نے اُسامہؓ بن زید کو مامور کیا کہ وہ فوج لیکر جائین اور اُن شریرون سے اپنے باپ کا انتقام لین[2]"،

(۱۸ یا ۱۹) صفر[3] سلہ مین آدھی رات کو آپ جنۃ البقیع مین (جو عام مسلمانون کا قبرستان تھا) تشریف لیگئے وہان سے

---

(1) صحیح بخاری کتاب الجنائز، وصحیح مسلم باب اثبات الحوض، (2) واقدی اور ابن اسحاق کا بیان ہی کہ اس غزوہ مین آنحضرت صلعم نے حضرت ابوبکر وعمرؓ کو بھی جانیکا حکم دیا تھا، لیکن یہ روایتین بے سند ہین، اس لیے علامۂ ابن تیمیہ نے اس سے شدت کے ساتھ انکار کیا ہے، حضرت عمرؓ کے متعلق تو نہین کہا جاسکتا لیکن حضرت ابوبکر کو آپ نے ایام علالت مین امام نماز مقرر فرمایا۔ اور یہ صحیح روایت سی ثابت ہے۔ اس بنا پر اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ پہلے حضرت ابوبکر کو جانے کا حکم ہوا تھا تو معلوم ہوتا ہے کہ بعد کو آپ نے انکو مستثنیٰ کرلیا، (3) آنحضرت صلعم کی ابتدائے مرض کے دن، مدت علالت اور تاریخ وفات کی تعیین مین روایات مختلف ہین، امر مختلف فیہ سے پہلے اُن امور کو بتا دینا چاہیے۔ جنپر تمام روایات کا اتفاق ہے اور جن پر گویا تمام محدثین اور ارباب سیر کا اجماع عام ہے اور وہ یہ ہین۔ (۱) سال وفات سلہ ہی (۲) مہینہ ربیع الاول کا تھا (۳) یکم سے ۱۲ تک کوئی تاریخ تھی، (۴) دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات کتاب الجنائز) زیادہ تر روایات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ کل ۱۳ دن بیمار رہے، اس بنا پر اگر یہ تحقیقی طور سے متعین ہو جائے کہ آپ نے کس تاریخ کو وفات فرمائی، تو تاریخ آغاز مرض بھی متعین کی جاسکتی ہے۔ حضرت عائشہ کے گھر بروایت صحیح ۸ روز (ایک دوشنبہ سے دوسرے دوشنبہ تک) بیمار رہے اور یہین وفات فرمائی۔ اس لیے (بقیہ حاشیہ صفحۂ آئندہ پر ملاحظہ ہو)

واپس تشریف لائے تو مزاج ناساز ہوا (یہ حضرت میمونہؓ کی باری کا دن تھا، اور روز چہارشنبہ تھا، پانچ دن تک آپ اس حالت

مین بھی ازراہِ عدل وکرم باری باری ایک ایک بیوی کے حجرہ مین تشریف لے جاتے رہے، دوشنبہ کے دن) مرض مین شدت

(بقیہ حاشیہ صفحۂ گذشتہ) ایام علالت کی مدت آٹھ روز تو یقینی ہے، عام روایات کے روسے پانچ دن اور چاہئین، اور یہ قراین سے بھی معلوم ہوتا ہی، اس لیے ۱۳ دن مدت علالت صحیح ہے، علالت کے پانچ دن آپ نے دوسری ازواج کے حجرون مین بسر فرمائے، اس حساب سے علالت کا آغاز چہارشنبہ سے ہوتا ہی۔

تاریخ وفات کی تعیین مین راویون کا اختلاف ہے، کتب حدیث کا تمام تر دفتر چھان ڈالنے کے بعد بھی تاریخ وفات کی کوئی روایت مجکو احادیث مین نہین ملسکی۔ ارباب سیر کے ہان تین روایتین ہین، یکم ربیع الاول، دوم ربیع الاول، اور ۱۲ ربیع الاول، ان تینون روایتون مین باہم ترجیح دینے کے لیے اصول روایت و درایت دونون سے کام لیناہی، روایۃً دوم ربیع الاول کی روایت ہشام بن محمد بن سائب کلبی اور ابومخنف کے واسطہ سے مروی ہے، (طبری صفحہ ۱۸۱۵) اس روایت کو گو اکثر قدیم مورخون نے (مثلاً یعقوبی و مسعودی وغیرہ نے) قبول کیا ہے۔ لیکن محدثین کے نزدیک یہ دونون مشہور دروغگو اور غیر معتبر ہین، یہ روایت واقدی سے بھی ابن سعد و طبری نے نقل کی ہے (جزء وفات) لیکن واقدی کی مشہور ترین روایت جسکو اُسنے متعدد اشخاص سے نقل کیاہے وہ ۱۲ ربیع الاول کی ہے البتہ بیہقی نے دلائل مین بسند صحیح سلیمان التیمی سے دوم ربیع الاول کی روایت نقل کی ہے، (نور النبراس ابن سید الناس وفات) لیکن یکم ربیع الاول کی روایت ثقہ ترین ارباب سیر موسےٰ بن عقبہ سے، اور مشہور محدث امام لیث مصری سے مروی ہے (فتح الباری وفات) امام سہیلی نے روض الانف مین اسی روایت کو اقرب الی الحق لکھاہے (جلد دوم وفات) اور سب سے پہلے امام مذکور ہی نے درایۃً اس نکتہ کو دریافت کیاکہ ۱۲ ربیع الاوّل کی روایت قطعاً ناقابل تسلیم ہے، کیونکہ دو باتین یقینی طور پر ثابت ہین، روز وفات دوشنبہ کا دن تھا (صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم کتاب الصلوۃ) اس سے تقریباً تین مہینے پہلے ذیحجہ سنہ ۱۰ھ کی نوین تاریخ کو جمعہ کا دن تھا (صحاح قصۂ حجۃ الوداع صحیح بخاری تفسیر الیوم اکملت لکم دینکم) ۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ روز جمعہ سے ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۱ھ تک حساب لگاؤ ، ذیحجہ، محرم، صفر، ان تینون مہینون کو خواہ ۲۹، ۲۹ لو خواہ ۳۰، ۳۰، خواہ بعض ۲۹ بعض ۳۰ کسی حالت اور کسی شکل سے ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کا دن نہین پڑسکتا، اس لیے درایۃً بھی یہ تاریخ قطعاً غلط ہے۔ دوم ربیع الاول کو حساب سے اسوقت دوشنبہ پڑسکتاہے، جب تینون مہینے ۲۹ کے ہون،

جب دو پہلی صورتین صحیح نہین ہین تو اب صرف تیسری صورت رہ گئی جو کثیر الوقوع ہے، یعنی یہ کہ دو مہینے ۲۹ کے اور ایک مہینہ ۳۰ کا لیا جائے، اس حالت مین یکم ربیع الاول کو دوشنبہ کا روز واقع ہوگا اور یہی ثقہ اشخاص کی روایت ہی۔

ذیل کے نقشہ سے معلوم ہوگا کہ اگر ۹ ذیحجہ کو جمعہ ہو تو اوائل ربیع الاول مین اس حساب سے دوشنبہ کس کس دن واقع ہوسکتا ہے

نمبر شمار	صورت مفروضہ	دوشنبہ	دوشنبہ	دوشنبہ
۱	ذیحجہ، محرم اور صفر سب ۳۰ کے ہون	۶	۱۳	۰
۲	ذیحجہ، محرم اور صفر سب ۲۹ کے ہون	۲	۹	۱۶
۳	ذیحجہ ۲۹، محرم ۲۹، اور صفر ۳۰ کا ہو	۱	۸	۱۵
۴	ذیحجہ ۳۰، محرم ۲۹۔ اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۵	ذیحجہ ۲۹، محرم ۳۰، اور صفر ۲۹ کا ہو	۱	۸	۱۵
۶	ذیحجہ ۳۰، محرم ۲۹، اور صفر ۳۰ کا ہو	۷	۱۴	.

لہ ابن سعد [illegible] صحیح مسلم باب الاذان۔

ہوئی تو ازواج مطہرات سے اجازت لی کہ حضرت عایشہ کے گھر قیام فرمائین، خلقِ عمیم کی بناپر اجازت بھی صاف اور علانیہ نہین طلب کی بلکہ پوچھا کہ کل مین کس کے گھر رہونگا، دوسرا دن (دوشنبہ) حضرت عایشہ کے یہان قیام فرمانے کا تھا، ازواجِ مطہرات نے مرضئ اقدس سمجھکر عرض کی کہ آپ جہان چاہین قیام فرمائین[1]، ضعف اس قدر ہوگیا تھا کہ چلا نہین جاتا تھا، حضرت علی اور حضرت عباس دونون بازو تھام کر بمشکل حضرت عایشہ کے حجرے مین لائے،

(آمدورفت کی قوت جب تک رہی آپ مسجد مین نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے، سب سے آخری نماز جو آپ نے پڑھائی وہ **مغرب** کی نماز تھی، سرمین درد تھا، اس لیے سرمین رومال باندھکر آپ تشریف لائے، اور نماز ادا کی جس مین سورہ وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا قرأت فرمائی[2]، عشا کی نماز کا وقت آیا تو دریافت فرمایا کہ نماز ہو چکی؟ لوگون نے عرض کی کہ سب کو حضور کا انتظار ہے، لگن مین پانی بھرواکر غسل فرمایا، پھر اُٹھنا چاہا کہ غش آگیا، افاقہ کے بعد پھر فرمایا کہ نماز ہو چکی، لوگون نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)	۷	ذیحجہ ۳۰، محرم ۳۰، اور صفر ۲۹ کا ہو	۷	۱۴	۰
	۸	ذیحجہ ۲۹ کا اور محرم وصفر ۳۰ کے ہون	۷	۱۴	۰

ان مفروضہ تاریخون مین سے ۶، ۷، ۸، ۱۳، ۹، ۱۴، ۱۵، خارج از بحث ہین کہ علاوہ اور وجوہ کے ان کی تائید مین کوئی روایت نہین، رہ گئین یکم اور دوم تاریخین، دوم تاریخ صرف ایک صورت مین پڑسکتی ہے جو خلاف اصول ہے، یکم تاریخ تین صورتون مین واقع ہوسکتی ہے اور تینون کثیر الوقوع ہین۔ اور روایاتِ ثقات انکی تائید مین ہین اس لیے وفات نبوی کی صحیح تاریخ ہمارے نزدیک یکم ربیع الاول سنہ ۱۱ ہجری ہے اس حساب مین فقط رویت ہلال کا اعتبار کیا گیا ہے جسپر اسلامی قمری مہینون کی بنیاد ہے، اصول فلکی سے ممکن ہے کہ اسپر خدشات وارد ہوسکتے ہون،

کتب تفسیر مین تحت آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ اس آیت کے یوم نزول (۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ) سے روز وفات تک ۸۱ دن ہین، (دیکھو ابن جریر، و ابن کثیر و بغوی وغیرہ) ہمارے حساب سے ۹ ذیحجہ سنہ ۱۰ھ سے لیکر یکم ربیع الاول تک دو ۲۹، اور ایک مہینہ ۳۰ لیکر جو ہماری مفروضہ صورت ہے پورے ۸۱ دن ہوتے ہین۔ ابو نعیم نے بھی دلائل مین بسند یکم ربیع الاول تاریخ وفات نقل کی ہے صفحہ ۱۴۶۔ س)

[1] صحیح بخاری ذکر وفات، ابن سعد نے بروایت صحیح نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلعم کی طرف سے حضرت فاطمہ زہرا نے اجازت طلب کی تھی،

[2] یہ حدیث بخاری، مسلم ابوداؤد، ترمذی اور نسائی باب القراۃ مین مذکور ہے، آیندہ حضرت عائشہ کی روایت آئے گی جس مین مذکور ہوگا کہ آخری نماز مسجد مین ظُہر کی آپ نے پڑھائی، حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین ان دونون مین اسطرح تطبیق دی ہے کہ مغرب کا واقعہ اندرون حجرۂ نبوی کا واقعہ ہے جیسا کہ نسائی مین ہے (جلد ۲ ص ۱۴۵) لیکن آگے چلکر حافظ موصوف کی نظر ترمذی کی روایت پر پڑی جس مین مذکور ہے کہ "آنحضرت صلعم نے باہر نکل کر نماز پڑھائی"، اسکی تاویل انکو یہ کرنی پڑی کہ "اس سے مقصود یہ ہے کہ خواب گاہ سے باہر آکر" (جلد ۲ صفحہ ۲۰۴) لیکن ہمارے نزدیک یہ تاویل صحیح نہین کہ اولاً تو حجرۂ نبوی مین اتنی جگہ نہ تھی کہ کوئی بڑی جماعت ہوسکے، دوسرے یہ کہ خوابگاہ کے علاوہ حجرۂ نبوی مین اور جگہ کہان تھی، علاوہ ازین احادیث مین صَلّٰی بِنَا کے یہی معنی ہر جگہ آئے ہین کہ تمام مسلمانون کے امام بنکر نماز پڑھائی، گھر کی نماز پر یہ لفظ صادق نہین آتا، اس لیے صحیح یہ ہے کہ یہ نماز مسجد نبوی مین پڑھی گئی جیسا کہ عام روایات کا اشارہ ہے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ پر ملاحظہ ہو)

پھر وہی پہلا جواب دیا، آپ نے پھر غسل فرمایا، اور پھر جب اُٹھنا چاہا تو غش آگیا، افاقہ ہوا تو پھر دریافت فرمایا، اور لوگون نے وہی جواب دیا، تیسری دفعہ جسم مبارک پر پانی ڈالا، پھر جب اُٹھنے کا ارادہ کیا تو پھر غشی طاری ہوگئی، جب افاقہ ہوا تو ارشاد ہوا کہ ابوبکر[۱] نماز پڑھائین (حضرت عایشہ نے معذرت کی کہ یا رسول اللہ، ابوبکر نہایت رقیق القلب ہین، آپکی جگہ اُن سے کھڑا نہوا جاے گا، آپ نے پھر یہی حکم دیا کہ ابوبکر نماز پڑھائین چنانچہ) کئی[۱] دن تک حضرت ابوبکر نے نماز پڑھائی،

وفات سے چار دن پہلے (جمعرات کو) آپ نے فرمایا کہ دوات کا غذ لاؤ مین تمھارے لیے ایک تحریر لکھدون جسکے بعد تم گمراہ نہوگے، بعض صحابہ نے لوگون کو مخاطب کرکے کہا کہ "رسول اللہ صلعم کو مرض کی شدت ہے (غلبہ الوجع) اور تمھارے پاس قرآن موجود ہے جو ہمارے لیے کافی ہے"، اسپر حاضرین مین اختلاف پیدا ہوا، بعض کہتے تھے کہ تعمیل ارشاد کیجاے بعض کچھ اور کہتے تھے، اختلاف اور شور وغل زیادہ ہوا تو بعض نے کہا "اھجرا ستفھموہ"، خود آپ سے دریافت کرلو، لوگ جب پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا "مجھے چھوڑ دو، مین جس مقام مین ہون، وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلاتے ہو[۲]"

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) آخری نماز مغرب تھی، بظاہر اسکی تطبیق یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کی مسلسل امامت کا انقطاع مغرب کے نماز مذکورہ پر ہوا جیسا کہ آگے عشا کی نماز کے ذکر مین آئے گا، ظہر کی نماز جو آنحضرت صلعم نے مسجد مین آکر ادا فرمائی وہ اتفاقی تھی، اصل مین امام پہلے سے حضرت ابوبکر تھے، آنحضرت صلعم آکر بعد کو شریک ہوگئے تھے، یہ نماز مسجد مین آپ کی آخری نماز تھی بعض صحابہ سے یہ مذکور ہے کہ آخری نماز صبح تھی، یہ درحقیقت ان کا اپنا واقعہ ہے یعنی اُنکو آخری بار یہی موقع ملا، س) (۳ صحیح بخاری اور مسلم مین بروایت حضرت عایشہ یہ تخصیص ہے۔ دیکھو کتاب الصلوۃ اور وفات)

۱ کسی صحیح روایت مین یہ مذکور نہین کہ حضرت ابوبکر نے آپ کی زندگی مین کے دن تک نماز پڑھائی، ابن سعد نے واقدی سے دو روایتین نقل کی ہین ایک یہ ہے کہ ۳ وقتون کی نماز پڑھائی، دوسری یہ کہ تین دن تک امامت کی، شب جمعہ کی عشا سے دوشنبہ کی صبح تک جس دن آپنے وفات فرمائی، حساب لگایا جاے تو ۱۷ نمازین ہوتی ہین، اور جمعہ، سنیچر، اور اتوار تین دن ہوتے ہین۔ لیکن اصولاً یہ دونون روایتین نہایت کمزور ہین۔) ۲ یہ روایت صحیح بخاری موقع وفات کی ہے، صحیح بخاری مین یہ حدیث مختلف ابواب مین مذکور ہے اور ہر جگہ الفاظ مین کچھ نہ کچھ اختلاف ہے، (صحیح مسلم کتاب الوصیۃ مین یہ روایتین یکجا ہین) جن صحابی نے قلم دوات لانے مین گفتگو کی، بخاری مین انکا نام نہین، لیکن حدیث کی اور کتابون مین (مثلاً صحیح مسلم) بتصریح حضرت عمر کا نام ہے، صحیح مسلم مین (انکے یہ الفاظ ہین۔

قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن وحسبنا کتاب اللہ، آپ کو مرض کی شدت ہے، ہمارے پاس قرآن موجود ہے خدا کی کتاب ہمارے لیے کافی ہے،

(صحیح مسلم کی دوسری روایتون کے یہ الفاظ ہین)

۱- فقالوا ان رسول اللہ صلعم یھجر، تو لوگون نے کہا کہ رسول اللہ صلعم بے حواسی (ھجر) کی باتین کرتے ہین۔

۲- (فقالوا اھجرا استفھموہ) (تو لوگون نے کہا کیا آپ بے حواسی کی باتین کرتے ہین آپسے خود پوچھو تو)

(اس کے بعد آپ نے تین) وصیتین فرمائین، ان مین سے ایک یہ تھی کہ کوئی مشرک عرب مین رہنے نہ پائے، دوسری یہ کہ سفرا کا اسی طرح احترام کیا جائے جسطرح آپکے زمانہ مین دستور تھا، تیسری وصیت راوی کو یاد نہین رہی[1]،

(اُسی[2] دن ظہر کی نماز کے وقت آپ کی طبیعت کچھ سکون پزیر ہوئی) آپ نے حکم دیا کہ پانی کی سات مشکین آپ پر ڈالی جائین، غسل فرما چکے تو حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ تھامکر مسجد مین لائے، جماعت کھڑی ہو چکی تھی اور حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے، آہٹ پاکر حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹے، آپ نے اشارہ سے روکا، اور اُنکے پہلو مین بیٹھکر نماز پڑھائی، یعنی آپ کو دیکھکر حضرت ابوبکرؓ، اور حضرت ابوبکر کو دیکھکر اور لوگ ارکان ادا کرتے جاتے تھے،

(نماز کے بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک خطبہ دیا، جو آپ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا، آپ نے فرمایا:

"خدا نے اپنے ایک بندہ کو اختیار عطا فرمایا ہے کہ خواہ وہ دنیا کی نعمتون کو قبول کرے یا خدا کے پاس (آخرت مین) جو کچھ ہے اسکو قبول کرے، لیکن اُس نے خدا ہی کے پاس کی چیزین قبول کین" یہ سنکر حضرت **ابوبکر** رو پڑے، لوگون نے اُنکی طرف تعجب سے دیکھا کہ آپ تو ایک شخص کا واقعہ بیان کرتے ہین، یہ رونے کی کون سی بات ہے، لیکن رازدار نبوت سمجھ چکا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اس بنا پر یہ روایت شیعہ وسنی کا بڑا معرکہ آرا میدان بن گئی ہے۔ شیعہ کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم حضرت علی کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، سنی کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم کو واقعی تکلیف تھی اور یہ معلوم تھا کہ شریعت کے متعلق کوئی نکتہ باقی نہین رہا۔ خود قرآن مجید مین آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ نازل ہو چکی تھی۔ اس لیے حضرت عمر نے آپکو تکلیف دینا مناسب نہین سمجھا۔ اگر کوئی ضروری حکم ہوتا تو آنحضرت صلعم کسی کے روکنے سے کیونکر رک سکتے تھے، اس واقعہ کے بعد چار دن تک آپ زندہ رہے، اس وقت نہ سہی بعد کو لکھوا دیا ہوتا، (اور یہ کیونکر معلوم ہوا کہ آپ کیا لکھوانا چاہتے تھے، بخاری مین ہی کہ آپ عبد اللہ بن ابی بکر کو بلا کر حضرت ابوبکر کی خلافت کا فرمان لکھوانا چاہتے تھے، پھر آپ نے ضروری نہین سمجھا اور فرمایا کہ "خود خدا اور اہل اسلام ابوبکر کے سوا کسی اور کو پسند نہ کرین گے"، اس اختلاف کے بعد آپ نے لوگون کو زبانی تین وصیتین فرمائین، جو ضروری بات آپ کاغذ پر لکھوانا چاہتے تھے ممکن ہے کہ وہ یہی ہون، یا اگر وہ ان کے علاوہ تھی تو آپ اسکو ان عام وصیتون کے ساتھ زبانی بھی فرما سکتے تھے، اس کے بعد مجمع عام مین جو خطبہ دیا اس مین اسکا اظہار فرما سکتے تھے، س)

مجکو احتیاط کرنی چاہیے کہ کتاب تاریخ کی حیثیت سے نکلکر علم کلام کے دائرہ مین نہ آجاے، تاہم جو میری ذاتی تحقیق ہے مین الفاروق مین لکھ چکا ہون

[1] صحیح بخاری ذکر وفات، (وصحیح مسلم کتاب الوصیۃ) [2] روایتون مین بالتصریح یہ مذکور نہین ہی کہ یہ کس دن کے ظہر کا واقعہ ہی لیکن صحیح مسلم باب النہی عن بناء المساجد علی القبور مین حضرت جندب کی روایت ہی کہ "حضرت ابوبکر کی شان مین جو الفاظ آپ نے فرمائے تھے جنکا بیان آگے آتا ہے، وہ وفات سے پانچ روز پیشتر فرمائے تھے"، اور چونکہ مرض الموت کا خطبہ اسی نماز ظہر کے بعد آپ نے دیا تھا جیسا کہ صحیح بخاری وصحیح مسلم مین حضرت عایشہ کی روایت ہی اس لیے یہ وفات سے پانچ روز پہلے جمعرات کا واقعہ تھا، حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری مین یہی فیصلہ کیا ہی، س)

کہ وہ بندہ خود محمدؐ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) ہین، آپ نے اپنی تقریر کا سلسلہ آگے بڑھایا، اور فرمایا "سب سے زیادہ مین جسکی دولت اور صحبت کا ممنون ہون، وہ **ابوبکرؓ** ہین، اگر مین دنیا مین کسی کو اپنی امت مین سے اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن اسلام کا رشتہ دوستی کے لیے کافی ہے، مسجد کے رُخ کوئی دریچہ ابوبکر کے دریچہ کے سوا باقی نہ رکھا جائے، ہان تم سے پہلی قومون نے اپنے پیغمبرون اور بزرگون کی قبرون کو عبادتگاہ بنالیا ہی، دیکھو تم ایسا نہ کرنا مین منع کرجاتا ہون[۱]"۔

زمانۂ علالت مین انصار آپ کی عنایات اور مہربانیون کو یاد کرکے روتے تھے، ایک دفعہ اسی حالت مین حضرت ابوبکر اور حضرت عباسؓ کا گذر ہوا، انھون نے انصار کو روتے دیکھا تو وجہ دریافت کی انھون نے بیان کیا کہ "حضور کی صحبتین یاد آتی ہین" ان مین سے ایک صاحب نے جاکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ واقعہ بیان کیا، آج اسکی تلافی کا موقع تھا، اس لیے اس کے بعد آپ نے انصار کی نسبت لوگون کی طرف خطاب کرکے فرمایا "یا ایہا الناس! مین انصار کے معاملہ مین تمکو وصیت کرتا ہون، عام مسلمان بڑھتے جائینگے لیکن انصار اسطرح کم ہوکر رہ جائینگے جیسے کھانے مین نمک، وہ اپنی طرف سے اپنا فرض ادا کرچکے، اب تمھین اُن کا فرض ادا کرنا ہی، وہ میرے (جسم مین بمنزلہ) معدہ کے ہین، جو تمھارے نفع ونقصان کا متولی ہو (یعنی جو خلیفہ ہو) اُس کو چاہیے کہ ان مین جو نکوکار ہون ان کو قبول کرے، اور جن سے خطا ہوئی ہو، اُن کو معاف کرے[۲]"۔

اُوپر گذر چکا ہی کہ رومیون کی طرف جس فوج کا بھیجنا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تجویز کیا تھا اسکی سرداری اسامہ بن زید کو تفویض فرمائی تھی، اسپر بعض لوگون نے (ابن سعد نے تصریح کی ہی کہ وہ منافقین تھے) شکایت کی کہ بڑے بوڑھون کے ہوتے ہوئے نوجوانون کو یہ منصب کیون عطا ہوا، آنحضرت صلعم نے اس مسئلہ کی نسبت ارشاد فرمایا:

"اگر اسامہ کی سرداری پر تمکو اعتراض ہے تو اس کے باپ (زید) کی سرداری پر بھی تم معترض تھے، خدا کی قسم وہ اس منصب کا مستحق تھا، اور مجھے وہ سب سے زیادہ محبوب تھا، اور اب اُس کے بعد یہ سب سے زیادہ محبوب ہی[۳]"۔

(۱ صحیح بخاری و مسلم مناقب ابی بکر اخیر ٹکڑہ صحیح مسلم باب النہی عن بناء المساجد علے القبور مین ہے ۲ صحیح بخاری مناقب انصار،
۳ صحیح بخاری بعث اسامہ ومناقب زید بن حارثہ)

اسلام اور دیگر مذاہب مین ایک نہایت دقیق فرق یہ ہی کہ اسلام، شریعت کے تمام احکام کا واضع اور حاکم براہ راست خدائے پاک کو قرار دیتا ہی، پیغمبر کا صرف اسی قدر فرض ہی کہ احکام الٰہی کو اپنے قول وعمل کے ذریعہ سے بندون تک پہنچا دے چونکہ دوسرے مذاہب مین یہ غلط فہمی شرک اور کفر تک منجرّ ہو چکی تھی، اور اسکے نتائج پیش نظر تھے اس لیے ارشاد فرمایا:

"حلال وحرام کی نسبت میری طرف نہ کیجائے، مین نے وہی چیز حلال کی ہے جو خدا نے اپنی کتاب مین حلال کی ہی، اور وہی چیز حرام کی ہے جو خدا نے حرام کی ہے"[1]

انسان کی جزا وسزا کی بنیاد خود اُس کے ذاتی عمل پر ہے، آپ نے فرمایا:

"اے پیغمبرِ خدا کی بیٹی فاطمہؓ! اور اے پیغمبرِ خدا کی پھوپھی صفیہؓ! خدا کے ہان کے لیے کچھ کر لو، مین تمھین خدا سے نہین بچا سکتا"[1]

خطبہ سے فارغ ہو کر آپ حجرۂ عایشہؓ مین واپس تشریف لائے)

آپ کو حضرت فاطمۂ زہراؓ سے بیحد محبت تھی (اثنائے علالت مین) انکو بلا بھیجا، تشریف لائین تو اُن سے کچھ کان مین باتین کین، وہ رونے لگین، پھر بلا کر کچھ کان مین کہا، تو ہنس پڑین، حضرت عایشہؓ نے دریافت کیا تو کہا "پہلی دفعہ آپ نے فرمایا کہ مین اسی مرض مین انتقال کرون گا، جب مین رونے لگی تو فرمایا کہ میرے خاندان مین سب سے پہلے تمھین مجھ سے آکر ملوگی، تو ہنسنے لگی"[2]

یہود و نصاریٰ نے انبیاؑ کے مزارات اور یادگارون کی تعظیم مین جو افراط کی تھی، وہ بت پرستی کی حد تک پہنچ گئی تھی اسلام کا فرض اولین بت پرستی کی رگ وریشہ کا استیصال کرنا تھا، اس لیے حالتِ مرض مین جو چیز سب سے زیادہ آپکے پیش نظر تھی یہی تھی، (اتفاق سے بعض ازواج مطہرات نے جو حبشہ ہو آئی تھین، اسی حالت مین وہان کے عیسائی معبدون[3] کا اور انکے

---

(۱) یہ اور اس کے اوپر کی حدیث مسند امام شافعی باب استقبال القبلہ کتاب الام امام شافعی اور ابن سعد جزء الوفات مین بسند حسن مروی ہی، لیکن ان روایتون مین مذکور ہے کہ صبح کی نماز کے بعد آپ نے یہ فرمایا، لیکن بخاری کے حوالہ سے گذر چکا ہی کہ آپ نے ظہر کی نماز مین شرکت فرمائی تھی اور اسکے بعد خطبہ دیا تھا، دوسری غلطی مسند اور ابن سعد کی روایتون مین یہ ہے کہ وہ دوشنبہ کی صبح یعنی روز وفات کا واقعہ اسکو بیان کرتے ہین۔ حالانکہ بروایات صحیحہ ثابت ہی کہ دوشنبہ کی صبح کو آپ نے صرف پردہ اُٹھا کر جھانکا تھا، نہ باہر تشریف لائے اور نہ نماز مین شرکت فرمائی، (س)

(۲) صحیح بخاری ذکر وفات، (۳) کوئی رومن کیتھولک گرجا ہو گا جس مین حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ اور ولیون اور شہیدون کے مجسمے اور تصویرین ہوتی ہین۔)

مجسمون اور تصویرون کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا ان لوگون مین جب کوئی نیک آدمی مرجاتا ہی تو اس کے مقبرہ کو عبادت گاہ بنا لیتے

ہین، اور اس کا بت بناکر اُس مین کھڑا کرتے ہین، قیامت کے روز اللہ عزّ وجل کی نگاہ مین یہ لوگ بدترین مخلوق ہونگے،[۱][۲]

عین کرب کی شدت مین جب کہ چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے اور کبھی گرمی سے گھبراکر اُلٹ دیتے تھے، حضرت عائشہ رضؓ نے

زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سُنے،

لعنۃ اللہ علی الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور | یہود و نصارٰے پر خدا کی لعنت ہو، اُنھون نے اپنے پیغمبرون

انبیائھم مساجد[۳] | کی قبرون کو عبادت گاہ بنا لیا۔

(اسی کرب اور بے چینی مین یاد آیا کہ حضرت عائشہ کے پاس کچھ اشرفیان رکھوائی تھین، دریافت فرمایا کہ عائشہ! وہ

اشرفیان کہان ہین؟ محمد خدا سے بدگمان ہوکر ملے گا؟ جاؤ انکو خدا کی راہ مین خیرات کردو،[۴])

(وفات سے ایک دن[۵] پہلے اتوار کو) لوگون نے دوا پلانی چاہی چونکہ گوارا نہ تھی آپ نے انکار فرمایا، اسی حالت مین غشی

طاری ہوگئی، لوگون نے منھ کھولکر پلا دی، افاقہ کے بعد آپ کو احساس ہوا، تو فرمایا کہ سب کو دوا پلائی جائے، معلوم ہوا جنلوگون

نے زبردستی دوا پلائی تھی، ان مین حضرت عباسؓ شامل نہ تھے، اس لیے وہ اس حکم سے[۶] مستثنےٰ رہے، محدثین اس واقعہ کو

لکھکر لکھتے ہین کہ یہ بشریت کا اقتضا تھا، یعنی جسطرح بیمارون مین نازک مزاجی آجاتی ہی آپ نے بھی اسیطرح یہ حکم دیا تھا، لیکن ہمارے

نزدیک تو یہ تنک مزاجی نہین، بلکہ لطفِ طبع تھا،

مرض مین اشتداد اور تخفیف ہوتی رہتی تھی جس دن وفات ہوئی (یعنی دوشنبہ کے روز) بظاہر طبیعت کو سکون تھا،

حجرۂ مبارک مسجد سے ملا ہوا تھا، آپ نے (صبح کے وقت) پردہ اُٹھاکر دیکھا تو لوگ (فجر کی) نماز مین مشغول تھے دیکھکر مسرت سے

ہنس پڑے، لوگون نے آہٹ پاکر خیال کیا کہ آپ باہر آنا چاہتے ہین، فرطِ مسرت سے تمام لوگ بے قابو ہوگئے، اور قریب

تھا کہ نمازین ٹوٹ جائین (حضرت ابوبکرؓ نے جو امام تھے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائین) آپ نے اشارہ سے رُوکا اور حجرۂ شریف

---

[۱] جس کو عیسائی سینٹ کہتے ہین، [۲] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب النھی عن بناء المساجد علی القبور، [۳] صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم باب مذکور سابق۔ [۴] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۹ و ابن سعد جزء الوفات بروایت متعددہ [۵] ابن سعد وفات،

[۶] صحیح بخاری ذکر وفات و صحیح مسلم (التداوی باللدود)

مین داخل ہوکر پردے ڈال دیئے[1]، (صحیح مسلم مین ہی کہ اس قدر ضعف تھا کہ آپ پردے بھی اچھی طرح نہ ڈال سکے[2]، یہ سب سے آخری موقع تھا، کہ صحابہ نے جمال اقدس کی زیارت کی، حضرت انس بن مالک کہتے ہین کہ آپ کا چہرہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصحف کا کوئی ورق ہے[3]، یعنی سپید ہوگیا تھا،)

دن جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا، آپؐ بار بار غشی طاری ہوتی تھی، اور پھر افاقہ ہوجاتا تھا، حضرت فاطمہ زہرا! یہ دیکھکر بولین، واکرب اباہ، ہاے میرے باپ کی بیچینی! آپ نے فرمایا "تمھارا باپ آج کے بعد بیچین نہوگا"، حضرت عایشہ فرماتی ہین آپ جب تندرست تھے تو فرمایا کرتے تھے کہ پیغمبرون کو اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ خواہ موت کو قبول کرین، یا حیات دنیا کو ترجیح دین، اس حالت مین اکثر آپ کی زبانِ مبارک سے یہ الفاظ ادا ہوتے رہے،

مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ　　　اُن لوگون کے ساتھ جنپر خدا نے انعام کیا،

اور کبھی یہ فرماتے:

اللهم فی الرفيق الاعلیٰ　　　خداوند! بڑے رفیق مین،

وہ سمجھ گئین کہ اب صرف رفاقت الٰہی مطلوب ہے،)

وفات سے ذرا پہلے، حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبدالرحمن، خدمت اقدس مین آئے، آپ حضرت عایشہ کے سینہ پر سر ٹیک کر لیٹے تھے، عبدالرحمان کے ہاتھ مین مسواک تھی، مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھا، حضرت عایشہ سمجھین کہ آپ مسواک کرنا چاہتے ہین، عبدالرحمان سے مسواک لیکر دانتون سے نرم کی اور خدمت اقدس مین پیش کی، آپ نے بالکل تندرستون کی طرح

---

[1] صحیح بخاری ذکر وفات وکتب صحاح کتاب الصلوۃ، (2) صحیح مسلم کتاب الصلوۃ صفحہ ۱۶۷،)

(3) صحیح مسلم باب الصلوۃ، حضرت انس بن مالک کی روایت مین جو صحیح مسلم (کتاب الصلوۃ صفحہ ۱۶۷) مین ہی، بیان ہے کہ تین دن کے بعد آپ اسوقت صبح کی نماز کے وقت برآمد ہوئے تھے، لیکن جماعت مین شریک نہو سکے، اور واپس گئے۔ امام شافعی نے کتاب الام مین اور ابن سعد نے جزء الوفات مین ابن ابی سبرہ سے روایت کی ہے کہ آپ اس نماز مین شریک جماعت ہوئے لیکن یہ درحقیقت راوی کا سہو ہے۔ صحیح بخاری ومسلم وغیرہ مین بتصریح مذکور ہے کہ آپ شریک جماعت نہ ہوسکے، اور واپس گئے، راوی کو گذشتہ نماز ظہر کی شرکت کا التباس ہوا۔ تین دن کے بعد سے مراد جمعرات کے روز جس دن آپ نے خطبہ دیا تھا، اس کے بعد سے، جمعہ، سنیچر اور اتوار کے دن ہین۔)

مسواک کی (اب وفات کا وقت قریب آرہا تھا[1] سہ پہر تھی سینہ مین سانس کی گھرگھراہٹ محسوس ہوتی تھی، اتنے مین لب مبارک ملے تو لوگون نے یہ الفاظ[2] سنے،

اَلصَّلٰوۃَ وَمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ (نماز، اور غلام)

پاس پانی کی لگن تھی، اس مین بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرے پر ملتے، (چادر کبھی منہ پر ڈال لیتے اور کبھی ہٹا دیتے اتنے مین) ہاتھ اٹھاکر (انگلی سے اشارہ کیا اور تین دفعہ) فرمایا،

بَلِ الرَّفِیْقُ الْاَعْلٰی، اب اور کوئی نہین، بلکہ وہ بڑا رفیق درکار ہے،

یہی کہتے کہتے ہاتھ لٹک آئے، آنکھین پھٹ کر چھت سے لگ گیئن[3]، اور روح پاک عالم قدس مین پہنچ گئی،

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ صَلٰوۃً کَثِیْرًا کَثِیْرًا

تجہیز و تکفین (تجہیز و تکفین کا کام دوسرے دن سہ شنبہ ۳ ربیع الاول کو شروع ہوا، اس تاخیر کے متعدد اسباب تھے،

(۱) عقیدت مندون کو یقین نہین آتا تھا کہ حضور نے اس دنیا کو الوداع کہا، چنانچہ حضرت عمر نے تلوار کھینچ لی کہ جو یہ کہے گا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے وفات پائی، اُس کا سر اڑا دون گا، لیکن جب حضرت ابوبکر آئے، اور انھون نے تمام صحابہ کے سامنے خطبہ دیا کہ حضور کا اس جہان سے تشریف لے جانا یقینی تھا، اور قرآن مجید کی آیتین پڑھکر سنائین تو لوگون کی آنکھین کھلین اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا،

(۲) اس کے بعد اتنا وقت نہین رہا تھا کہ غروب آفتاب سے پہلے تجہیز و تکفین سے فراغت ہو سکے،

(۳) **قبر کنی** کا کام غسل و کفن کے بعد شروع ہوا، اس لیے دیر تک انتظار کرنا پڑا،

(۴) جس حجرہ مین آپ نے وفات پائی تھی، وہین لوگ علی الترتیب تھوڑے تھوڑے کرکے جاتے اور نماز جنازہ

---

[1] ابن اسحاق نے سیرت مین لکھا ہے کہ وفات دوپہر کو ہوئی، لیکن حضرت انس بن مالک سے بخاری اور مسلم مین روایت ہی کہ آخر یوم، یعنی دوشنبہ کے آخر وقت وفات فرمائی، حافظ ابن حجر نے دونون روایتون مین اسی طرح تطبیق دی ہے کہ دوپہر ڈھل چکی تھی، اور سہ پہر کا وقت تھا،

[2] ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۴۳ مصر، سنن ابن ماجہ کتاب الوصایا اور ابن سعد جزء الوفات بسند صحیح

[3] یہ تمام واقعات صحیح بخاری ذکر وفات کے مختلف ابواب مین مذکور ہین،

اداکرتے تھے، اسلیے بھی بڑی دیرلگی، اور سہ شنبہ کا دن گذر کر رات کو فراغت ملی[1]،

تجہیز وتکفین کی خدمت خاص اعزہ واقارب نے انجام دی فضل بن عباس اور اسامہ بن زید نے پردہ کیا، اور حضرت علی نے غسل دیا، حضرت عباس بھی موقع پر موجود تھے، اور بعض روایتون مین ہے کہ انہی نے پردہ بھی کیا تھا، چونکہ اس شرف مین ہر شخص شریک ہونا چاہتا تھا، اس لیے حضرت علی نے اندر سے کواڑ بند کرلیے تھے، انصار نے دروازہ پر آواز دی کہ خدا کے لیے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھیے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت گذاری مین ہمارا بھی حصہ ہو، حضرت ابوبکرؓ نے جیساکہ واقدی کا بیان ہے فرمایاکہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) مین کسی کا حق نہین ہے اس لیے اگر سب کو اجازت دیدی گئی تو کام رہ جائیگا، لیکن (انصار کے اصرار پر) حضرت علی نے اوس بن خولی انصاری کو جو اصحاب بدر مین تھے اندر بلالیا وہ پانی کا گھڑا بھر بھر کر لاتے تھے، حضرت علی نے جسم مبارک کو سینہ سے لگا رکھا تھا، حضرت عباس اور اُنکے دونون صاحبزادے قثم اور فضل جسم مبارک کی کروٹین بدلتے تھے، اور اسامہ بن زید اوپر سے پانی ڈالتے تھے[2]،

کفن کے لیے پہلے جو کپڑا انتخاب کیاگیا تھا وہ حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ کی یمن کی بنی ہوئی ایک چادر تھی، لیکن بعد کو اُتار لی گئی[3]، اور تین سوتی سفید کپڑے جو سحول کے بُنے ہوئے تھے کفن مین دیے گئے، ان مین قمیص اور عمامہ نہ تھا[4]،

غسل وکفن کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپ کو دفن کہان کیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے کہا، نبی جس مقام پر وفات پاتا ہے وہین دفن بھی ہوتا ہے، چنانچہ نعش مبارک اُٹھاکر، اور بستر اُلٹ کر حجرۂ عایشہ مین اسی مقام پر قبر کھودنا تجویز ہوا[5]، حضرت عایشہ کہتی ہین کہ آپکو کسی میدان مین اس لیے دفن نہین کیاگیا کہ آخری لمحون مین آپ کو یہ خیال تھا کہ لوگ فرط عقیدت سے

---

[1] ابن سعد وغیرہ کی بعض روایتون مین ہے کہ چہارشنبہ کو تدفین ہوئی، لیکن یہ تمام ترکذب اور جھوٹ ہے، خود ابن سعد مین صحیح روایتین یہ ہین کہ سہ شنبہ کو تدفین ہوئی، البتہ چہارشنبہ کی شام شروع ہوگئی تھی، ابن ماجہ کی روایت ہے (کتاب الجنائز) فلما فرغوا من جہازہ یوم الثلثاء "جب سہ شنبہ کے دن تجہیز وتکفین سے فرصت ہوئی۔"

[2] طبقات ابن سعد صفحہ ۶۲ و ۶۳ جز الوفات طبری (مختصراً ابوداؤد کتاب الجنائز مین بھی ان صاحبون کے نام ہین۔ نیز ابن ماجہ کتاب الجنائز)

[3] صحیح مسلم صفحہ ۳۰۱ کتاب الجنائز) [4] صحیح بخاری ومسلم وابوداؤد کتاب الجنائز،

[5] ابن سعد جز الوفات بروایت صحیح (وابن ماجہ کتاب الجنائز ذکر وفات نبوی)

میری قبر کو بھی عبادت گاہ نہ بنالین، میدان مین اس کی دار وگیر مشکل تھی[۱] اس لیے حجرہ کے اندر دفن کیا گیا)

مدینہ مین دو صاحب قبر کھودنے مین ماہر تھے، حضرت ابو عبیدہ جراح اور ابو طلحہ (حضرت ابو عبیدہ اہل مکہ کے دستور کے مطابق بغلی قبر کھودتے تھے، اور ابو طلحہ مدینہ کے رواج کے مطابق لحدی، لوگون مین اختلاف پیش آیا، کہ کس قسم کی قبر کھودی جائے، حضرت عمرؓ نے کہا " اختلاف مناسب نہین، دونون صاحبون کے پاس آدمی بھیجا جائے[۲]، جو پہلے آجائے " لوگون نے اس رائے کو پسند کیا، چنانچہ) حضرت عباسؓ نے دونون صاحب کے پاس آدمی بھیجے، اتفاق یہ کہ حضرت ابو عبیدہ گھر پر موجود نہ تھے ابو طلحہ آئے، اور ان ہی نے مدینہ کے رواج کے موافق قبر کھودی جو لحدی تھی، یعنی بغلی نہ تھی، زمین چونکہ نم تھی اس لیے جس بستر پر آپ نے وفات پائی تھی وہ قبر مین بچھا دیا گیا،

جنازہ طیار ہوگیا تو لوگ نماز کے لیے ٹوٹے، (جنازہ حجرہ کے اندر تھا، باری باری سے لوگ تھوڑے تھوڑے کر کے جاتے تھے) پہلے مردون نے پھر عورتون نے، پھر بچون نے نماز پڑھی لیکن کوئی امام نہ تھا[۳]،

جسم مبارک کو حضرت علی فضل بن عباس (اسامہ بن زید اور حضرت عبد الرحمان بن عوف) نے قبر مین اتارا[۴]،

اللهم صل على روح سیدنا محمد فی الارواح وعلی جسدہ فی الاجساد وعلی قبرہ فی القبور وعلی مشہدہ فی المشاہد وعلی ذکرہ اذا ذکر صلوۃ منا علی نبینا -

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الجنائز و باب الوفات (۲) ابن ماجہ کتاب الجنائز (۳) ابن سعد بروایت صحیحہ جزء الوفات،
(۴) ابوداؤد کتاب الجنائز- ابن ماجہ اور ابن سعد مین اسامہ بن زید اور حضرت عبد الرحمان بن عوف کے بجائے قثم بن عباس اور شقران (غلام خاص) کے نام ہین، ارباب نظر جانتے ہین کہ ان دو روایتون مین کسکو ترجیح ہو سکتی ہی)

متروکات

(آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب انتقال فرمایا تو اپنے مقبوضات وجائداد مین سے کیا کیا چیزین ترکہ مین چھوڑین؟

اس سوال کا اصل جواب تو یہ ہے کہ آپ خود اپنی زندگی مین اپنے پاس کیا رکھتے تھے، جو مرنے کے بعد چھوڑ جاتے! اور اگر کچھ تھا بھی تو اُس کے متعلق عام اعلان فرما چکے تھے،

لا نورث ما ترکنا صدقة[1]، ہم (انبیا کا) کوئی وارث نہین ہوتا، جو چھوڑا وہ عام مسلمانون کا حق ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ میرے وارث اشرفی بانٹ کر نہین پائین گے یعنی نہ ہوگی نہ پائین گے، چنانچہ یاد ہوگا کہ وفات کے وقت چند دینار حضرت عایشہ کے پاس امانت تھے، آپ نے اسی وقت نکلوا کر خیرات کرا دیئے۔

عمرو بن حارث سے جو ام المومنین جویریہؓ کے بھائی تھے بخاری مین روایت ہے،

ما ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم عند موته درهمًا ولا دينارًا ولا عبدًا ولا امةً ولا شيئًا الا بغلته البيضاء وسلاحه وارضًا جعلها صدقةً[2]

آنحضرت صلعم نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا، نہ درہم، نہ دینار، نہ غلام نہ لونڈی اور نہ اور کچھ، صرف اپنا سفید خچر، اور ہتیار، اور کچھ زمین جو عام مسلمانون پر صدقہ کر گئے،

ابو داؤد مین حضرت عایشہ کی روایت ہے،

ما ترك رسول الله صلعم دينارًا ولا درهمًا ولا بعيرًا ولا شاةً

آنحضرت صلعم نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم نہ اُونٹ نہ بکری،

بہر حال متروکات مین اگر تھین تو یہی تین چیزین تھین، کچھ زمین، سواری کے جانور، اور ہتیار)

زمین (حضرت عمرو بن حارث نے جس زمین کا ذکر کیا ہے، وہ مدینہ، خیبر، اور فدک کے چند باغ تھے، مدینہ کی جائداد سے بنونضیر کی جائداد مراد ہے، یا مخیریق نام ایک یہودی نے ۳ھ سنہ مین (غزوۂ احد کے موقع پر) آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)

[1] یہ فقرہ تمام حدیث کی کتابون مین ہے بخاری مین متعدد مقامات مین ہے، کتاب الوصایا، کتاب الفرائض، باب فرض الخمس [2] صحیح بخاری کتاب الوصایا،

کو چند باغ وصیتہً ہبہ کئے تھے، وہ مراد ہین لیکن صحیح روایتون سے ثابت ہو کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ باغ اُسیوقت مستحقین کو تقسیم کردیے[1] تھے،

فدک اور خیبر کی نسبت ابتدا ہی سے شیعہ اور اہل سنّت مین اختلاف ہی، شیعہ کہتے ہین کہ یہ آپکی ذاتی جائداد تھی اور وراثت کے طور پر اہلبیت مین تقسیم ہونی چاہیے تھی، اہلسنّت کہتے ہین کہ یہ بطور ولایت اسلامی آپ کے قبضہ مین تھی اور ذاتی ہو بھی تو آپ نے خود فرما دیا تھا، کہ "ہمارا جو ترکہ ہو وہ صدقہ ہی"

اصل یہ ہو کہ یہ اختلاف خود صحابہ کے وقت مین پیدا ہو چکا تھا، حضرت عباسؓ (آپکے چچا) حضرت فاطمہؓ (صاحبزادی) اور اکثر ازواج[2] مطہرات مُدّعی تھین کہ اس جائداد کو بطور وراثت تقسیم ہونا چاہیے، حضرت ابوبکرؓ عمرؓ اور دیگر اکابر صحابہ نے کہا کہ یہ وقف عام ہی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) خود اپنی زندگی مین جسطرح اور جن مصارف مین انکی آمدنی صرف کرتے تھے، اس مین تغیر[3] نہ ہوگا، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اپنے زمانۂ حیات مین ان تینون جائدادون کی آمدنی مختلف مدون مین متعین کردی تھی، بنونضیر کی جائداد کی آمدنی ناگہانی ضروریات کے لیے مخصوص تھی، **فدک** کی آمدنی مسافرون کے لیے وقف تھی، خیبر کی آمدنی کو آپ تین حصون مین منقسم فرماتے تھے، دو حصے عام مسلمانون کے لیے تھے، اور ایک حِصّہ ازواج مطہرات کو سالانہ مصارف کے لیے ملتا تھا، اس مین سے بھی جو بچ جاتا وہ غریب مہاجرین کی اعانت مین کام[4] آتا، آخر مین حضرت عمرؓ نے اپنے زمانۂ خلافت مین حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے اصرار پر مدینہ کی جائدادون دونون کی تولیت مین دیدی تھی، لیکن حضرت علی نے اسپر قبضہ کرلیا تھا، خیبر اور فدک بدستور حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک خلفاء کے ہاتھ مین رہے[5]

جانور ارباب سیر نے آپ کے اسپ خاصہ اور مویشی اور دواب کی تفصیل اس طرح لکھی ہے، جس سے ایک والی ملک کے اصطبل اور دواب خانہ کا دھوکا ہوتا ہے۔

(۱ بخاری باب فرض الخمس مین ہو وصد قتہ بالمدینۃ یہ انھین باغون کے متعلق ہو، تفصیل کے لیے فتح الباری جلد ۶ صفحہ ۱۴۰ دیکھو نیز صحیح بخاری مین کتاب المغازی۔ ذکر نضیر، ۲ صحیح بخاری کتاب الفرائض)

(۳ یہ مکالمہ بخاری کے متعدد ابواب مین مذکور ہو۔ دیکھو کتاب الفرائض، ۴ سنن ابی داؤد، باب صفایا رسول اللہ صلعم،

(۵ حوالہ مذکورہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز نے باغ فدک سادات کو دیدیا تھا)

طبری نے ان تمام جانوروں کے نام اور حالات تفصیل سے لکھے ہین، اور اگر وہ قابل اعتبار ہوتے تو حقیقت مین نہایت دلچسپ تھے، لیکن اس کے متعلق طبری کی جسقدر روایتین ہین، سب بلا استثنا، واقدی سے ماخوذ ہین، پچھلے مصنفین جن مین بڑے بڑے محدثین ہین مثلاً یعمری، مغلطائی، حافظ عراقی، وغیرہ نے بھی یہ تفصیل لکھی ہو اور چونکہ یہ مصنفین اکثر سلسلہ سند نہین لکھتے اس لیے اکثر لوگ ان کے مستند ہونیکی بنا پر اس واقعہ کو صحیح خیال کرتے ہین لیکن جب تفتیش کیجاتی ہو تو معلوم ہوتا ہو کہ اس قسم کی تمام روایتون کا سلسلۂ سند واقدی سے آگے نہین بڑھتا،

حضرت عائشہ کی یہ روایت اوپر گذر چکی ہے،

مَا ترکَ رسُوْلُ اللہ صلعم دینارًا ولا درھمًا، ولا بعیرًا ولا شاۃً (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ اونٹ نہ بکری)

صحیح بخاری (باب الجہاد) مین عمرو بن حویرث (ام المومنین جویریہ کے بھائی تھے) سے روایت ہو،

مَا ترکَ النبیّ صَلّی اللہ عَلَیہ وَسَلّمَ الا بغلتہ البیضاء وسلاحہ وارضًا ترکھا صدقۃ، آن حضرت صلعم نے کچھ نہین چھوڑا، بجز اپنے سفید خچر اور ہتیار اور ایک زمین کے جو وقف عام ہوگئی۔

ان روایتون سے معلوم ہو گا کہ متروکات خاصہ مین صرف ایک جانور تھا، ان صحیح اور مسلّم روایات کے ہوتے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسباب اور دواب کی اتنی بڑی فہرست جو طبری وغیرہ نے درج کی ہے اور جو ایک تاجدار سلطنت کے شایان حال ہو، کیونکر تسلیم کیجا سکتی ہو،

احادیث صحیحہ کے استقراء سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہو کہ عمرو بن حویرث کی مختصر فہرست سے زاید چیزین بھی آپ کے قبضہ مین آئین لیکن اس سے عمرو کی روایت پر اثر نہین پڑسکتا، کیونکہ عمرو صرف اس بات کے مدعی ہین کہ وفات کے وقت یہی سرمایہ تھا، ممکن ہو کہ یہ چیزین وفات سے پہلے آپ نے حسب عادت ہبہ یا خیرات کردی ہون، بہرحال (از روے روایات صحیحہ مختلف اوقات مین) حسب ذیل جانور آپ کے دائرۂ ملک مین آئے۔

لُحیف، ایک گھوڑا تھا جو ابی بن عباس کے باغ مین بندھتا تھا، بخاری نے کتاب الجہاد مین اس کا

ذکر کیا ہے،

عُفَیر ایک گدھا تھا، حضرت معاذ کہتے ہین کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجکو اپنے ساتھ اس پر بٹھایا تھا،

(بخاری کتاب الجہاد)

عَضبا، وقَصوا، نہایت تیز اونٹنی تھی، قصوا بھی اسی کا نام ہی (طبری صفحہ ۱۴۸۰) امین ہی کہ اسی کو آپ نے ہجرت کے وقت حضرت ابوبکر سے خریدا تھا، اور اسی پر سوار ہوکر آپ نے ہجرت فرمائی تھی، اور مدینہ پہنچکر حضرت ابوایوب کے مکان کے پاس جاکر بیٹھ گئی تھی[۱]، حجۃ الوداع کا خطبہ بھی آپ نے اسی کی پشت پر[۲] دیا تھا، یہ ہر معرکہ مین بازی لیجاتی تھی، ایک دفعہ ایک بدو باہر سے آیا، اسکی سواری مین ایک اونٹ تھا، جو ابھی جوان بھی نہین ہوا تھا، عضبا کا اس سے مقابلہ ہوا، اور وہ آگے نکل گیا، صحابہ کو ملال ہوا، آپ نے فرمایا یہ خدا کا فرض ہی کہ دنیا کی کوئی چیز جب سر اٹھائے تو اس کو پست کردے، (بخاری باب الجہاد)

تیہ دلدل جس کا ذکر اکثر روایتون مین ہی اسی خچر کا نام ہی جسکا ذکر عمرو بن حویرث کی روایت مین ہی، چنانچہ بخاری کے شارحین نے تصریح کی ہی، یہ خچر مقوقس مصری نے آپ کو تحفہ مین بھیجا تھا،

صحیح بخاری مین ہی کہ ابن العلما، (رئیس ایلہ) نے بھی آپ کو ایک سفید خچر (غزوۂ تبوک کے موقع پر تحفۃً بھیجا[۳] تھا، غزوۂ حنین مین جس سپید خچر پر آپ سوار تھے، وہ فروہ بن نفاثہ جذامی نے ہدیہ بھیجا تھا، ارباب سیر نے اس خچر کو دلدل سمجھا ہے لیکن یہ غلط[۴] ہی صحیح مسلم مین اسکی تصریح موجود[۵] ہی)

اسلحہ اس زہد و قناعت کے ساتھ جہاد کی ضرورت سے توشہ خانۂ مبارک مین حسب ذیل سامان تھا،

نو (۹) عدد تلوارین تھین جنکے یہ نام ہین، ماثور (۱)، عضب (۲)، ذوالفقار (۳)، قلعی (۴)، بتار (۵)، حتف (۶)، مخذم (۷)، قضیب (۸)،

---

(۱) صحیح بخاری ذکر ہجرت، (۲) صحیح مسلم وابوداؤد ذکر حجۃ الوداع، (۳) کتاب الجہاد باب بغلۃ النبی صلعم، (۴) فتح الباری ذکر غزوۂ حنین جلد ۸ صفحہ ۲۴، (۵) باب غزوۂ حنین)

ماثورۂ والد ماجد سے میراث مین ملی تھی، **ذوالفقار** بدر مین ہات آئی تھی، تلوار کا قبضہ چاندی کا تھا، فتح مکہ مین جو تلوار آپ کے ہاتھ مین تھی اس کا قبضہ زرین تھا، سات زرہین تھین، ذات الفضول، ذات الوشاح، ذات الحواشی، سعدیہ، فضتہ - تبرا - خرنق، **ذات الفضول** وہی زرہ تھی جو تیس[۳] صاع پر ایک یہودی کے ہان سال بھر کے لیے آپ نے رہن[۱] رکھی تھی، زرہین سب لوہے کی تھین، اگرچہ عرب مین چمڑے کی زرہین بھی ہوتی تھین، چھ کمانین تھین، زوراء، روحاء، صفراء، بیضاء، کتوم، شداد، **کتوم** وہ کمان تھی، جو غزوۂ اُحد مین ٹوٹ گئی تھی اور آپ نے قتادہ کو دیدی تھی، ایک ترکش تھا، جسکو کافور کہتے تھے، چمڑے کی ایک پیٹی تھی، جس مین چاندی کے تین حلقے تھے لیکن **ابن تیمیہ** نے لکھا ہی کہ کسی حدیث سے مجھکو یہ نہین پتہ لگا کہ آپ نے کبھی پیٹی لگائی بھی تھی، ایک ڈھال تھی جس کا نام زلوق تھا، پانچ برچھیان تھین، لوہے کا ایک مغفر تھا، جسکا نام موشح تھا، ایک اور مغفر تھا جس کو سبوغ کہتے تھے،

تین جبے تھے جنکو آپ لڑائی مین پہنتے تھے، کہتے ہین کہ اُن مین سے ایک دیبائے سبز کا تھا، ایک سیاہ عَلَم تھا، جس کا نام **عقاب** تھا، اور بھی سبز و سفید عَلَم تھے،

آثار متبرکہ (ان متروکات کے علاوہ بعض یادگارین بھی تھین جو لوگون نے تبرکاً اپنے پاس رکھ چھوڑی تھین، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے عقیدتمندون کو موے مبارک عطا فرمائے تھے، جو زیادہ تر حضرت ابوطلحہ انصاری کے ہاتھ آئے[۲] تھے، حضرت انس بن مالک کے پاس بھی موئے مبارک[۳] تھے، ان کے پاس دو چیزین اور تھین، نعلین مبارک اور ایک لکڑی کا ٹوٹا ہوا پیالہ، جو چاندی کے تارون سے جوڑ دیا گیا تھا، **ذوالفقار** جو حضرت علیؓ کے پاس تھی، ان کے بعد اُنکے خاندان مین یادگار رہی، امام حسینؓ کی شہادت کے بعد وہ حضرت علی بن حسین کے ہاتھ آئی، بعض صحابہ نے آکر انکی خدمت مین عرض کی کہ مجھے ڈر ہے، کہ کہین یہ یادگار آپ سے چھن نہ جاے، اگر مجھے عنایت ہو تو یہ میری جان کے ساتھ رہے لیکن اُنھون نے یہ ایثار گوارا نکیا،

---

[۱] صحیح بخاری کتاب البیوع و کتاب الرہن - (۲) صحیح مسلم حجۃ الوداع [۳] صحیح بخاری کتاب الطہارۃ،

حضرت عایشہ کے پاس آپ کے وہ کپڑے تھے جن مین آپنے انتقال فرمایا تھا[1]، استحقاق خلافت کی بنا پر خاتم (مہر) اور عصاے مُبارک جنکا احادیث مین ذکر ہی، پہلے حضرت ابوبکر پھر حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے قبضہ مین آئے، لیکن انھین کے عہد مین یہ دونون چیزین ضائع گئین، انگوٹھی تو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے ایک کنوئین مین گرگئی اور عصاے مبارک کو جھجاہ غفاری[2] نے توڑ ڈالا،

(امام بخاری نے ان آثار مبارکہ کے ذکر کے لیے ایک خاص باب باندھا ہی)

مسکنِ مبارک (آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کمسن تھے کہ والدین کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، اپنے دادا، اور چچا کے گھرون مین پرورش پائی اور یہین سنِ رشد کو پہنچے، پچیس سال کی عمر مین حضرت خدیجہؓ سے شادی کی، یہ متیقن طور پر نہین معلوم کہ اس کے بعد آپ نے اپنے موروثی مکان مین اقامت فرمائی، یا حضرت خدیجہؓ ہی کے گھر رہے، لیکن آپ کے حصہ کا ایک پدری مکان مکہ مین موجود تھا، جس پر عقیلؓ نے جو آنحضرت صلعم کے چچازاد اور حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی تھے، اور اسوقت تک مسلمان نہین ہوئے تھے، قبضہ کرلیا تھا، چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر جب آپ مکہ تشریف لائے تو لوگون نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کہان قیام فرمائین گے؟ کیا اپنے دولتخانہ پر ٹھہرین گے؟ آپ نے فرمایا عقیلؓ نے ہمارے لیے گھر کہان چھوڑا؟[3]

مدینہ منورہ مین تشریف آوری کے بعد چھ مہینے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت ابوایوب انصاری کے گھر قیام فرما رہے، اس اثنا مین آپ تنہا تھے، اہل وعیال مکہ ہی مین تھے، جب آپ نے مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی تو اسی کے اطراف مین چھوٹے چھوٹے حجرے تیار فرمائے، اور اسوقت آپنے آدمی بھیجکر مکہ سے اہل وعیال کو بلوایا، اور ان ہی حجرون مین اتارا[4]،

آخر ایام مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی نو بیویان تھین اور الگ الگ حجرون مین رہتی تھین جنمین

(1) ان تمام آثار مذکورۂ بالا کا ذکر صحیح بخاری کتاب الخمس مین ہی، (2) خاتم کا ذکر کتاب الخمس کے علاوہ بخاری کتاب اللباس مین ہی عصاے مبارک کا حال فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۱۴۴ سے ماخوذ ہی، (3) بخاری فتح مکہ (4) ابن سعد،

نہ صحن تھا، نہ دالان تھے، نہ ضرورت کے الگ الگ کمرے تھے، ہر حجرہ کی وسعت عموماً چھ سات ہاتھ سے زیادہ نہ تھی، دیوارین مٹی کی تھین، جو اس قدر کمزور تھین کہ ان مین شگاف پڑگیا تھا، اور اُن سے اندر دھوپ آتی تھی، چھت کھجور کی شاخون اور پتیون سے چھائی تھی، بارش سے بچنے کے لیے بال کے کمل لپیٹ دیئے جاتے تھے، بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو ہاتھ سے چھو سکتا تھا، گھر کے دروازون پر پردہ یا ایک پٹ کا کواڑ ہوتا تھا[۱]،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیشہ باری باری سے ایک ایک شب ایک ایک حجرے مین بسر فرماتے تھے، دن کو عموماً اصحاب کی مجلس مین مسجد مین تشریف رکھتے، جو گویا ان حجرون کا صحن یا گھر کی مردانہ نشستگاہ تھی،

ان حجرون کے علاوہ ایک بالاخانہ بھی تھا، جس کو احادیث مین "مشربہ" کہا گیا ہی، ۹ھ مین جب آپ نے ایلا کیا تھا اور نیز گھوڑے پر سے گر کے چوٹ کھائی تھی، تو ایک مہینہ اُسی پر اقامت فرمائی تھی[۲]، اس بالاخانہ پر سامان آرایش کیا تھا، ایک چٹائی کا بستر، چمڑے کا ایک تکیہ جس مین کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، اور اِدھر اُدھر چند کھالین لٹکی ہوئی تھین[۳]،

کاشانۂ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا، تاہم اُس مین رات کو چراغ تک نہین ہوتا تھا[۴]، گھر کی دنیادی اور ظاہری آرایش بھی پسند خاطر نہ تھی، ایک بار حضرت عائشہؓ نے دیوارون پر دھاری دار رنگین کپڑے منڈھے تو آپ سخت ناراض ہوئے، اور فرمایا کہ ہم کو اینٹ اور پتھر کو لباس پہنانے کے لیے مال نہین دیا گیا ہی[۵]،

یہ حُجرہ ہائے مبارک آپ کی وفات کے بعد ازواج مطہرات کے قبضہ مین رہے، ان مین جب کسی کا انتقال ہو جاتا تو وہ حجرہ اُنکے اعزہ کی ملکیت مین چلا جاتا، جن سے حضرت معاویہ نے اپنے زمانۂ خلافت مین اکثر حجرون کو خرید لیا تھا[۶]، حضرت عمر کے عہد تک یہ تمام حجرے اپنے حال پر قائم رہے، حضرت عثمان کے زمانہ مین بعض حُجرے توڑ کر مسجد نبوی مین داخل کر لیے گئے تاہم ولید بن عبدالملک کے زمانہ تک بہت سے حجرے باقی تھے، ۸۸ھ مین جب حضرت عمر

(۱ یہ پوری تفصیل ادب المفرد بخاری باب التطاول فی البنیان وباب البناء مین ہی، ۲ ابو داؤد باب امامۃ القاعد، ۳ صحیح بخاری صفحہ ۸۶۹ باب ما کان رسول اللہ صلعم یتجوز من اللباس والبسط، ۴ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۷۳، باب التطوع خلف المرأۃ، ۵ ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ کتاب اللباس باب فی الصور، ۶ ابن سعد جزء نساء،)

بن عبد العزیز مدینہ کے والی تھے، تمام حجرے بجز حجرۂ عائشہ کے کہ وہ مدفنِ نبوی ہی، توڑ کر مسجدِ نبوی مین ملا دیے گئے، جسدن یہ حجرے ٹوٹے ہین، تمام مدینہ مین کہرام مچا ہوا تھا، کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اوریادگار مٹ گئی، [1]

دایہ | آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جو ترکہ والد سے ملا تھا اس مین ایک حبشیہ کنیز بھی تھین جنکا نام ام ایمن تھا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اصلی انّا یا دایہ وہی تھین [2]، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی وفات تک زندہ رہین، آنحضرت صلعم ہمیشہ اُنکو مان کہکر پکارتے تھے، اور جب انکو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ اب یہی میرے خاندان کی یادگار رہ گئی ہین، جب آپنے حضرت خدیجہ سے عقد کیا تو انکو آزاد کر کے حضرت زید سے جو آپکے متبنٰی اور محبوب خاص اور حضرت خدیجہ کے غلام تھے، شادی کردی، اُسامہ اُنہی کے بطن سے ہین،۔

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے مزاح کا یہ واقعہ جو کتابون مین منقول ہو کہ ایک عورت نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سے ایک اونٹ مانگا، آپنے فرمایا کہ مین اونٹ کا بچہ دونگا، بولی کہ بچہ لیکر کیا کرون گی، آپ نے فرمایا کہ جتنے اونٹ ہین اونٹ کے بچے ہی ہوتے ہین، اِن ہی کا واقعہ ہی،

یہ اکثر غزوات مین شریک رہین، جنگ احد مین پیاسون کو پانی پلاتین اور زخمیون کی مرہم پٹی کرتین، جنگ خیبر مین بھی شریک تھین [3]،

خدامِ خاص | صحابہ مین سے بعض عقیدت مند ایسے تھے جو دنیا کے سب کام کاج چھوڑ کر ہمہ وقت خدمتِ اقدس مین حاضر رہتے، اور خاص خاص کام انجام دیتے، انکے نام حسب ذیل ہین،

۱۔ حضرت **عبداللہ بن مسعود**، مشہور صحابی ہین، فقہ حنفی کے بانیٔ اول گویا وہی ہین، امام ابو حنیفہ کی فقہ کا سلسلہ ان ہی کی روایات اور استنباطات پر منتہی ہوتا ہی، مکہ معظمہ مین قرآن مجید کی اشاعت آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے ابتدائی زمانہ مین ان ہی نے کی، ستر سورتین خود آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی زبانِ مبارک سے سنکر یاد کی تھین،

---

[1] ابن سعد جزء ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [2] صحیح مسلم باب رد المہاجرین، الی الانصار منائحہم، [3] یہ تمام حالات طبقات ابن سعد جزء ثامن، تذکرۂ ام ایمن سے ماخوذ ہین۔

یہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے رازدار بھی تھے، اور جب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) سفر مین جاتے تو خوابگاہ، وضو، اور سواک کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا، جب آپ مجلس سے اُٹھتے تو جوتیان پہناتے، راہ مین آگے آگے عصا لیکر چلتے، جب آپ کہین کسی مجلس مین جاکر بیٹھتے، تو نعلین مبارک اُتار کر بغل مین رکھ لیتے، پھر اُٹھنے کے وقت سامنے لاکر رکھ دیتے، جلوت وخلوت مین ساتھ رہتے رہتے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق و عادات کا نمونہ بن گئے تھے[۱]،

۲، **حضرت بلال**، دنیا اُن کو مؤذّن کے لقب سے جانتی ہی یہ حبشی نژاد غلام تھے مکہ مین ایمان لائے تھے، اور جس جوش وخروش سے ایمان لائے تھے اس کا مختصر ذکر آغاز کتاب مین گزرچکا ہے، حضرت ابوبکر نے انکو خرید کر آزاد کردیا تھا، اسوقت سے برابر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین رہے، آپکا خانگی انتظام ان ہی کے سپرد تھا، بازار سے سودا سلف لانا، قرض دام لینا، پھر ادا کرنا، مہمانون کے کھانے پینے کا انتظام کرنا، یہ تمام باتین ان ہی سے متعلق تھین[۲]

(۳) حضرت **انس** بن مالک بھی آپکے خادم خاص تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جب **مدینہ** تشریف لائے تو وہ نہایت کمسن تھے، ان کی ماں خدمتِ اقدس مین انکو لائین، اور عرض کی "یارسول اللہ یہ میرا بیٹا ہے، لائی ہون کہ خدمت گذاری کرے[۳]"،

حضرت انسؓ نے دس برس تک آپکی خدمت کی، لوگون کے پاس آنا جانا، چھوٹے چھوٹے کام کرنا، وضو کا پانی لانا، اُن کے فرائض تھے، چونکہ ابھی کمسن تھے، اُن سے کام بن نہین آتے تھے، لیکن آپ نے اُن سے کبھی بازپرس نہ فرمائی[۴]،
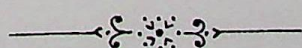
۱؎ یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد مین ہی (مجملاً صحیح بخاری باب مناقب عبداللہ بن مسعود مین بھی یہ مذکور ہے ۲؎ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۰، باب قبول ہدایا المشرکین، ۳؎ صحیح مسلم فضائل انس۔ ۴؎ ابوداؤد کتاب الادب،)

شمائل

شکل ولباس وطعام ومذاق طبیعت

حلیۂ اقدس | آپ میانہ قد اور موزون اندام تھے، رنگ سفید سرخ تھا، پیشانی چوڑی اور ابرو پیوستہ تھے، بینیٔ مبارک درازی مائل تھی، چہرہ ہلکا یعنی بہت پر گوشت نہ تھا، دہانہ کشادہ تھا، دندانِ مبارک بہت پیوستہ نہ تھے، گردن اونچی، سر بڑا، اور سینہ کشادہ تھا، اور فراخ تھا، سر کے بال نہ بہت پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے تھے، ریش مبارک گھنی تھی، چہرہ کھڑا کھڑا تھا، آنکھیں سیاہ وسرگین، اور پلکیں بڑی بڑی تھیں، شانے پر گوشت اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی تھیں، سینۂ مبارک مین ناف تک بالون کی ہلکی تحریر تھی، شانون اور کلائیون پر بال تھے، ہتیلیان پر گوشت اور چوڑی، کلائیاں لمبی اور پاؤن کی ایڑیان نازک اور ہلکی تھیں، پانون کے تلوے بیچ سے ذرا خالی تھے، نیچے سے پانی نکلجاتا تھا[1]،

(صحابہ پر آپ کے حُسن وخوبروئی کا بہت اثر پڑتا تھا، حضرت عبداللہ بن سلام جو پہلے یہودی تھے، پہلے پہل جب چہرۂ اقدس پر ان کی نظر پڑی ہی تو بولے "خدا کی قسم یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں"[2]، جابر بن سمرہ ایک صحابی ہین ان سے کسی نے پوچھا آپ کا چہرہ تلوار سا چمکتا تھا، بولے "نہیں ماہ وخورشید کی طرح"[3]، یہی صحابی روایت کرتے ہین کہ ایک شب کو جب مطلق ابر نہ تھا، اور چاند نکلا تھا، مین کبھی آپ کو دیکھتا تھا، کبھی چاند کو دیکھتا تھا، تو آپ مجھے چاند سے زیادہ خوبرو معلوم ہوتے تھے[4]، حضرت براءؓ صحابی کہتے ہین، مین نے کسی جوڑے والے کو سرخ (خط کے) لباس مین آپ سے زیادہ خوبصورت نہین دیکھا[5]،

آپ کے پسینہ مین ایک قسم کی خوشبو تھی[6]، چہرۂ مبارک پر پسینہ کے قطرے موتی کی طرح ڈھلکتے تھے[7]، جسم مبارک کی جلد نہایت نرم تھی، حضرت انسؓ کہتے ہین کہ آپ کا رنگ نہایت کھلتا تھا، آپ کا پسینہ موتی معلوم ہوتا تھا، مین نے

---

[1] (یہ حلیہ بہ تفصیل شمائل ترمذی ومسند ابن حنبل جلد اصفحہ ۱۱۶ و ۱۰۷ مین اور مختصراً بخاری ومسلم باب صفۃ النبی صلعم مین بھی ہے [2] ترمذی ابواب الزہد صفحہ ۴۰۹، [3] مشکوۃ باب صفۃ النبی صلعم، بحوالہ مسلم، [4] مشکوۃ باب مذکور بحوالہ ترمذی ودارمی [5] صحیح مسلم باب مذکور [6] صحیح مسلم باب مذکور، [7] بخاری، واقعۂ افک)

دیبا اور حریر بھی آپ کی جلد سے زیادہ نرم نہین دیکھے، اور مشک و عنبر مین بھی آپکے بدن سے زیادہ خوشبو نہ تھی[1]

عام طور سے مشہور ہے کہ آپ کے سایہ نہ تھا لیکن اسکی کوئی سند نہین ہے،)

شانون کے بیچ مین کبوتر کے انڈے کے برابر خاتم نبوت تھی، یہ بظاہر سرخ ابھرا ہوا گوشت سا تھا (صحیح مسلم اور

شمائل ترمذی مین حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے،

مُہرِ نبوت

رایت الخاتم بین کتفی رسول اللہ صلی اللہ	مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دونون شانونکے بیچ
علیہ وسلم غدۃ حمراء مثل بیضۃ الحمامۃ،	مین خاتم کو دیکھا تھا جو کبوتر کے انڈے کے برابر سرخ غدہ تھا،

(لیکن ایک اور روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بائین شانہ کے پاس چند مہاسون کی مجموعی ترکیب سے ایک مستدیر شکل پیدا ہو گئی تھی، اسی کو مُہر نبوت کہتے تھے، تمام صحیح روایات کی تطبیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دونون شانون کے درمیان ایک ذرا ابھرا ہوا گوشت کا حصّہ تھا جس پر تل تھے اور بال اُگے ہوئے تھے،)

موے مبارک

سر کے بال اکثر شانے تک لٹکے رہتے تھے، فتح مکہ مین لوگون نے دیکھا تو شانون پر چار گیسو پڑے تھے،

مشرکینِ عرب بالون مین مانگ نکالتے تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) چونکہ کفار کے مقابلہ مین اہلِ کتاب کی موافقت پسند کرتے تھے، ابتدا مین آپ بھی اہل کتاب کی طرح بال چھوٹے ہوئے رکھتے تھے، پھر مانگ نکالنے لگے، یہ شمائل ترمذی کی روایت ہی، معلوم ہوتا ہے کہ جب مشرکین کا وجود نہ رہا تو انکی مشابہت کا احتمال بھی جاتا رہا، اس لیے اخیر اخیر زمانہ مین مانگ نکالنے لگے،

(بالون مین اکثر تیل ڈالتے تھے اور ایک دن بیچ کنگھی کرتے تھے، ریش مبارک مین گنتی کے چند بال سفید ہونے پائے تھے)

رفتار

رفتار بہت تیز تھی، چلتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ڈھلوان زمین مین اُتر رہے ہین، ضعیف روایتون مین ہے کہ آنحضرت صلعم

[1] مشکوۃ باب مذکور بحوالہ بخاری و مسلم [2] صحیح مسلم (باب اثبات النبوۃ) مشہور ہے کہ پشت پر جو خاتم نبوت تھی اس مین گویا قدرتی طور پر کلمہ طیبہ تحریر تھا، یہ بالکل بے سند بات ہے، احادیث سے اس کا کوئی ثبوت نہین، محدثین نے تصریح کر دی ہے کہ ان مین سے بعض روایتین باطل اور بعض بہت ہی ضعیف ہین۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہین لم یثبت منہا شیئ (زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۱۸۴) البتہ کلمہ اس نقرئی خاتم مین منقوش تھا جو انگشت مبارک مین خطوط پر مُہر کرنے کی غرض سے آپ پہنا کرتے تھے، لوگون نے غلطی سے اسکو خاتم نبوت کی طرف منسوب کر دیا۔

کے سایہ نہ تھا یعنی زمین پر جسم اقدس کا سایہ نہین پڑتا تھا لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایتین صحت سے خالی اور ناقابل اعتبار ہین،

گفتگو اور خندہ وتبسم — گفتگو نہایت شیرین اور دلآویز تھی، بہت ٹھہر ٹھہر کر گفتگو فرماتے تھے، ایک ایک فقرہ الگ ہوتا کہ سننے والون کو یاد رہجاتا، معمول تھا کہ ایک ایک بات کو تین تین دفعہ فرماتے، جس بات پر زور دینا ہوتا، بار بار اس کا اعادہ فرماتے، حالت گفتگو مین اکثر نگاہ آسمان کی طرف ہوتی تھی، آواز بلند تھی، حضرت ام ہانی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم کعبہ مین قرآن پڑھتے تھے، اور ہملوگ گھرون مین پلنگون پر لیٹے لیٹے سنتے تھے[۱]

حضرت خدیجہ کے پہلے شوہر سے ایک صاحبزادے تھے، جن کا نام ہند تھا، وہ نہایت خوش تقریر تھے، جس چیز کا بیان کرتے اُسکی تصویر کھینچدیتے، حضرت امام حسن علیہ السلام نے ان سے پوچھا "آنحضرت صلعم کیونکر تقریر فرماتے تھے" اُنھون نے کہا آپ ہمیشہ متفکر رہتے تھے، اکثر چپ رہتے اور بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے، ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا تھا، ہات سے اشارہ کرتے تو پورا ہات اُٹھاتے، کسی بات پر تعجب کرتے تو ہتیلی کا رُخ پلٹ دیتے، تقریر مین کبھی ہات پر ہات مارتے، بات کرتے کرتے جب کبھی مسرت کی کیفیت طاری ہوتی تو آنکھین نیچی ہوجاتین ہنستے بہت کم تھے، ہنسی آتی تو مسکرا دیتے، اور یہی آپ کی ہنسی تھی[۲]، جریر بن عبداللہ کا بیان ہی کہ کبھی ایسا نہین ہوا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجکو دیکھا ہو، اور مسکرا نہ دیا ہو، روایتون مین آیا ہے کہ کبھی کبھی جب آپ کو زیادہ ہنسی آتی تو ڈاڑھ کے دانت (نواجذ) نظر آنے لگتے، لیکن ابن القیم وغیرہ نے لکھا ہی کہ یہ طرز ادا کا مبالغہ ہے ورنہ کبھی آپ اس زور سے نہین ہنسے کہ نواجذ نظر آئین،

لباس — لباس کے متعلق کسی قسم کا التزام نہ تھا، عام لباس چادر، قمیص، اور تہمد تھی، پاجامہ کبھی استعمال نہین فرمایا، لیکن امام احمد اور اصحاب سنن اربعہ نے روایت کی ہی کہ آپ نے منا کے بازار مین پاجامہ خریدا تھا، حافظ ابن قیم نے لکھا ہی کہ اس سے قیاس ہوتا ہی کہ استعمال بھی فرمایا ہوگا، موزون کی عادت نہ تھی لیکن نجاشی نے جو سیاہ موزے بھیجے تھے

[۱] ابن ماجہ باب ماجاء فی القراۃ فی صلوۃ اللیل، [۲] شمائل ترمذی،

آپ نے استعمال فرمائے، بظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ چرمی تھے، عمامہ کا شملہ کبھی دوش مبارک پر کبھی دونون شانون کے بیچ مین پڑا رہتا تھا، کبھی تحت الحنک کی طور پر لپیٹ لیتے تھے، عمامہ اکثر سیاہ رنگ کا ہوتا تھا، عمامہ کے نیچے سر سے لپٹی ہوئی ٹوپی ہوتی تھی، اونچی ٹوپی کبھی استعمال نہین فرمائی، (عمامہ کے نیچے ٹوپی کا التزام تھا، فرماتے تھے کہ ہم مین اور مشرکین مین یہی امتیاز ہے کہ ہم ٹوپیون پر عمامہ باندھتے ہین[1]،)

عمامہ

ٹوپی

لباس مین سب سے زیادہ یمن کی دھاری دار چادرین[2] پسند تھین جنکو عربی مین حبرہ کہتے ہین،

چادر

بعض اوقات شامی عبا استعمال کی ہی جسکی آستین اِسقدر تنگ تھی کہ جب وضو کرنا چاہا تو چڑھ نہ سکی، اور ہات کو آستین سے نکالنا پڑا، نوشیروانی قبا بھی جسکی جیب اور آستینون پر دیبا کی سنجاف تھی استعمال کی ہے،

عبا

جب انتقال ہوا تو حضرت عائشہ نے کمل جس مین پیوند لگے ہوئے تھے، اور گاڑھے کی ایک تہمد نکال کر دکھائی کہ انہی کپڑون مین آپ نے وفات پائی،

کمل

روایتون مین آیا ہے کہ آپ نے حُلّۂ حمرا بھی استعمال کیا ہے، حمراء کی معنی سرخ کے ہین اس لیے اکثر محدثین نے وہی عام معنی لیے ہین لیکن ابن القیم نے اصرار کے ساتھ دعویٰ کیا ہی کہ سرخ لباس آپ نے کبھی نہین پہنا، اور نہ آپ مردون کے لیے اس کو جائز رکھتے تھے، حلّۂ حمرا ایک قسم کی یمنی چادر تھی جس مین سرخ دھاریان بھی ہوتی تھین اس بنا پر اس کو حمرا کہتے تھے، اور یہی کبھی کبھی استعمال کرتے تھے، عام محدثین کہتے ہین کہ اس تخصیص کا کوئی ثبوت نہین، زرقانی مین یہ بحث نہایت تفصیل سے مذکور ہے، مختلف روایتون سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے سیاہ سرخ، سبز، زعفرانی، ہر رنگ کے کپڑے پہنے ہین، لیکن سفید رنگ بہت مرغوب[3] تھا، (بعض اوقات اس قسم کی چادر بھی استعمال فرمائی ہے جسپر کجاوے کی شکل بنی ہوئی تھی[4]،) نعلین مبارک اس طرز کے تھے جس کو اس ملک مین چپّل کہتے ہین، یہ صرف ایک تلا ہوتا تھا، جس مین تسمے لگے ہوتے تھے، بچھونا چمڑے کا گدا ہوتا تھا جس مین روئی کے بجائے کھجور کے پتے ہوتے تھے، چارپائی بان کی بنی ہوتی تھی جس سے اکثر جسم پر بدھیان

حلّۂ حمرا

نعلین

[1] ابوداؤد کتاب اللباس [2] صحیح بخاری باب اللباس [3] (ابوداؤد کتاب اللباس) مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۲۴۲ [4] ابوداؤد جلد ۲ کتاب اللباس باب لبس الصوف والشعر)

پڑجاتی تھین،

جب آپ نے نجاشی اور قیصر روم کو خط لکھنا چاہا تو لوگون نے عرض کی کہ سلاطین مُہر کے بغیر کوئی تحریر قبول نہین کرتے اس بنا پر چاندی کی انگوٹھی بنوائی جس مین اوپر تلے تین سطرون مین محمد. رسول. اللہ، لکھا ہوا تھا، بعض صحابہ سے روایت ہے کہ آپ صرف مہر لگانے کے وقت اس کا استعمال کرتے تھے، پہنتے نہ تھے، لیکن شمائل ترمذی مین متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ آپ یون بھی استعمال فرماتے تھے اور دہنے ہات کی انگلی مین پہنتے تھے،

لڑائیون مین زرہ اور مغفر بھی پہنتے تھے، احد کے معرکہ مین جسم مبارک پر دو دو زرہین تھین، تلوار کا قبضہ کبھی چاندی کا بھی ہوتا تھا،

غذا اور طریقۂ طعام | اگرچہ ایثار اور قناعت کی وجہ سے لذیذ اور پر تکلف کھانے کبھی نصیب نہ ہوتے، یہان تک کہ (جیسا کہ صحیح بخاری کتاب الاطعمہ مین ہے) تمام عمر آپ نے چپاتی کی صورت تک نہین دیکھی، تاہم بعض کھانے آپکو نہایت مرغوب تھے، سرکہ، شہد، حلوا، روغن زیتون، کدو، خصوصیت کے ساتھ پسند تھے، سالن مین کدو ہوتا تو پیالہ مین اسکی قاشین انگلیون سے ڈھونڈھتے، ایک دفعہ حضرت ام ہانی کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا کہ کچھ کھانے کو ہے، بولین کہ سرکہ ہے، فرمایا کہ جس گھر مین سرکہ ہو، اُس کو نادار نہین کہہ سکتے، عرب مین ایک کھانا ہوتا ہی، جس کو حیس کہتے ہین۔ یہ گھی مین پنیر اور کھجور ڈالکر پکایا جاتا ہے، آپ کو یہ بہت مرغوب تھا،

ایک دفعہ حضرت امام حسن علیہ السلام، اور عبداللہ بن عباس سلمیٰ کے پاس گئے اور کہا کہ آج ہمکو وہ کھانا پکا کر کھلاؤ، جو آنحضرت صلعم کو بہت مرغوب تھا، بولین تم کو وہ کیا پسند آئے گا؟ لوگون نے اصرار کیا تو انھون نے جَو کا آٹا بیسکر ہانڈی مین چڑھا دیا، اوپر سے روغن زیتون، اور زیرہ، اور کالی مرچین ڈال دین، پک گیا تو لوگون کے سامنے رکھا اور کہا کہ یہ آپ کی محبوب ترین غذا تھی،

گوشت کے اقسام مین سے آپ نے دنبہ، مرغ، بٹیر، (حباری) اونٹ، بکری، بھیڑ، گورخر، خرگوش، مچھلی کا گوشت کھایا ہے، دست کا گوشت بہت پسند تھا، شمائل ترمذی مین حضرت عایشہ کا قول نقل کیا ہے کہ دست کا گوشت

فی نفسہ آپ کو چندان مرغوب نہ تھا، بات یہ تھی کہ کئی کئی دن تک گوشت نصیب نہین ہوتا تھا، اس لیے جب کبھی ملجاتا تو آپ چاہتے تھے کہ جلد پک کر طیار ہو جائے، دست کا گوشت جلدی گل جاتا ہے اس لیے آپ اسی کی فرمایش کرتے لیکن متعدد روایتون سے ثابت ہوتا ہی کہ یون بھی آپ کو یہ گوشت پسند تھا،

حضرت صفیہ کے نکاح مین جب آپ نے ولیمہ کا کھانا کھلایا تھا تو صرف کھجور، اور ستو تھا، تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے، پتلی ککڑیان پسند تھین، ایک دفعہ معوذ بن عفراؓ کی صاحبزادی نے کھجور اور پتلی ککڑیان خدمت مین پیش کین (بعض اوقات روٹی کے ساتھ بھی کھجور تناول فرمائی ہی)

پانی دودھ شربت

ٹھنڈا پانی نہایت مرغوب تھا، دودھ کبھی خالص نوش فرماتے کبھی اس مین پانی ملا دیتے، کشمش، کھجور، انگور، پانی مین بھگو دیا جاتا، کچھ دیر کے بعد وہ پانی نوش جان فرماتے، کھانے کے ظروف مین ایک لکڑی کا پیالہ تھا جو لوہے کے تارون سے بندھا ہوا تھا، روایت مین اسیقدر ہے، قرینہ سے معلوم ہوتا ہی کہ ٹوٹ گیا ہوگا اسلیے تارون سے جوڑ دیا ہوگا،

معمولات طعام

دسترخوان پر جو کھانا آتا اگر ناپسند ہوتا تو اس مین ہاتھ نہ ڈالتے، لیکن اسکو بُرا نہ کہتے، جو سالن سامنے ہوتا اُسی مین ہاتھ ڈالتے، ادھر اُدھر ہاتھ نہ بڑھاتے، اور اس سے اورون کو بھی منع فرماتے، کھانا کبھی مسند یا تکیہ پر ٹیک کر نہ کھاتے، اور اس کو ناپسند فرماتے، میز یا خوان پر کبھی نہین کھایا، خوان زمین سے کسی قدر اونچی میز ہوتی تھی، عجم اُسی پر کھانا رکھکر کھاتے تھے، چونکہ یہ بھی فخر اور امتیاز کی علامت تھی، یعنی امرا اور اہل جاہ کے ساتھ مخصوص تھی، اس لیے آپ نے اُس پر کھانا پسند نہین فرمایا، کھانا صرف تین انگلیون سے کھاتے[1]، گوشت کو کبھی کبھی چُھری سے کاٹ کر بھی کھاتے، صحیح بخاری مین یہ روایت موجود ہے[2]، ابوداؤد مین ایک حدیث ہی کہ گوشت کو چھری سے نہ کاٹو، کیونکہ یہ اہل عجم کا شعار ہے، لیکن ابوداؤد نے خود اس حدیث کو ضعیف کہا ہے، اس حدیث کے ایک راوی ابومعشر نجیح ہین جن کے نسبت بخاری نے لکھا ہے کہ وہ منکر الحدیث ہین، اور انہی منکرات مین حدیث مذکور بھی ہی[3]،

---

[1] غذا کے متعلق زیادہ تر واقعات شمائل ترمذی اور زاد المعاد ابن قیم سے ماخوذ ہین (۲) کتاب الاطعمہ باب قطع اللحم بالسکین، (۳) قسطلانی شرح صحیح بخاری (جلد ۸ صفحہ ۲۵ مصر)

خوش لباسی

خوش لباسی گو تکلف اور جاہ پسندی سے آپ کو نفرت تھی، لیکن کبھی کبھی نہایت قیمتی اور خوش نما لباس بھی زیب تن فرماتے تھے، حضرت عبد اللہ بن عباس جب حروریہ کے پاس سفیر ہوکر گئے تو وہ یمن کے نہایت قیمتی کپڑے پہنکر گئے، حروریہ نے کہا، کیون ابن عباس! یہ کیا لباس ہے؛ بولے کہ تم اس پر معترض ہو، مین نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بہتر سے بہتر کپڑون مین دیکھا ہے[1]،

حضرت عبد اللہ بن عمر نہایت متقشف تھے، ایک دفعہ بازار سے ایک شامی حلہ مول لیا، گھر پر آکر دیکھا تو اس مین سُرخ دھاریان تھین، جاکر واپس کر آئے، کسی نے یہ واقعہ حضرت اسماء (حضرت عایشہ کی بہن) سے کہا، انھون نے آنحضرت صلعم کا جبہ منگوا کر لوگون کو دکھایا جسکی جیبون اور آستینون اور دامن پر دیبا کی سنجاف تھی[2]،

(بعض امراء و سلاطین نے آنحضرت صلعم کو بیش قیمت کپڑے ہدیۃً بھیجے، آپ نے قبول فرمایا، اور کبھی کبھی زیب تن کئے،)

مرغوب رنگ

مرغوب رنگ رنگون مین زرد رنگ بہت پسند تھا، حدیثون مین ہے کہ کبھی کبھی آپ تمام کپڑے یہان تک کہ عمامہ بھی اسی رنگ کا رنگوا کر پہنتے تھے[3]، (سفید رنگ بھی بہت پسند تھا، فرماتے تھے کہ یہ رنگ سب رنگون مین اچھا ہے)

نامرغوب رنگ

نامرغوب رنگ سرخ لباس ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ عبد اللہ بن عمرو سرخ کپڑے پہنکر آئے تو فرمایا یہ کیا لباس ہے عبد اللہ نے جاکر آگ مین ڈال دیا، آپ نے سنا تو فرمایا کہ جلانے کی ضرورت نہ تھی، کسی عورت کو دیدیا ہوتا[4]،

عرب مین سرخ رنگ کی مٹی ہوتی ہے، جس کو مغرہ کہتے ہین، اُس سے کپڑے رنگا کرتے تھے، یہ رنگ آپکو نہایت ناپسند تھا، ایک دفعہ حضرت زینبؓ اس سے کپڑے رنگ رہی تھین آپ گھر مین آئے اور دیکھا تو واپس چلے گئے، حضرت زینب سمجھ گئین، کپڑے دھو ڈالے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) دوبارہ تشریف لائے اور جب دیکھ لیا کہ اس رنگ کی کوئی چیز نہین تب گھر مین قدم رکھا[5]،

ایک دن ایک شخص سرخ پوشاک پہنکر آیا تو آپ نے اُسکے سلام کا جواب نہین دیا، ایک دفعہ صحابہ نے

---

[1] ابوداؤد کتاب اللباس باب لبس الصوف والشعر، [2] ابوداؤد باب الرخصۃ فی العلم وخط الحریر، [3] ابوداؤد باب فی المصبوغ، [4] ابوداؤد باب فی الحمرۃ، [5] ابوداؤد

سواری کے اونٹون پر سرخ رنگ کی چادرین ڈال دی تھین، آپ نے فرمایا مین یہ دیکھنا نہین چاہتا کہ یہ رنگ تم پر چھاجائے، فوراً صحابہ نہایت تیزی[1] سے دوڑے اور چادرین اتار کر پھینکدین،

خوشبو

خوشبو کا استعمال خوشبو آپ کو بہت پسند تھی، کوئی شخص خوشبو کی چیز ہدیۃً بھیجتا تو کبھی رد نہ فرماتے، ایک خاص قسم کی خوشبو یا عطر ہوتا ہے جس کو سُکہ کہتے ہین، یہ ہمیشہ آپکے استعمال مین رہتا تھا، صحابہ کہتے ہین کہ جس گلی کوچے سے آپ نکل جاتے وہ معطر ہوجاتا، اکثر فرمایا کرتے کہ مردون کی خوشبو ایسی ہونی چاہیے کہ خوشبو پھیلے، اور رنگ نظر نہ آئے اور عورتون کی ایسی کہ خوشبو نہ پھیلے اور رنگ نظر آئے[2]،

نظافت پسندی

نظافت پسندی مزاج مین نظافت تھی، ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھا تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہین ہوتا کہ کپڑے دھولیا[3] کرے،

ایک دفعہ ایک شخص خراب کپڑے پہنے ہوئے خدمت مین حاضر ہوا، آپ نے پوچھا تم کو کچھ مقدور ہے؟ بولا ہان، ارشاد ہوا کہ خدا نے نعمت دی ہے تو صورت سے بھی اس کا اظہار ہونا چاہیے[4]۔

عرب تہذیب وتمدن سے کم آشنا تھے، مسجد مین آتے تو عین نماز مین دیوارون پر یا سامنے زمین پر تھوک دیتے آپ اس کو نہایت ناپسند فرماتے، دیوارون پر تھوک کے دھبون کو خود چھڑی کی نوک سے کھرچ کر مٹاتے، ایکدفعہ تھوک کا دھبہ دیوار پر دیکھا تو اس قدر غصہ آیا کہ چہرۂ مبارک سرخ ہوگیا، ایک انصاری عورت نے دھبہ کو مٹایا اور اس جگہ خوشبو لاکر ملی، آپ نہایت خوش ہوئے اور اُسکی تحسین[5] کی،

کبھی کبھی مجلسِ عالی مین خوشبو کی انگیٹھیان جلائی جاتین جن مین اگر اور کبھی کبھی کافور[6] ہوتا،

ایک دفعہ ایک عورت نے حضرت عایشہ سے پوچھا کہ خضاب لگانا کیسا ہے بولین کچھ مضائقہ نہین، لیکن مین اسلیے ناپسند کرتی ہون کہ میرے حبیب (رسول اللہ صلعم) کو حنا کی بو ناگوار تھی[7]۔

[1] یہ تمام روایتین ابوداؤد کتاب اللباس مین ہین، [2] شمائل ترمذی، [3] ابوداؤد کتاب اللباس باب ما جاء فی غسل الثوب، [4] ابوداؤد کتاب اللباس، [5] نسائی کتاب المساجد، [6] نسائی صفحہ ۲۶۷، مطبوعہ نظامی باب البخور، [7] نسائی صفحہ ۹۰۵، باب کراہیۃ ریح الحنا۔

اکثر مشک اور عنبر کا استعمال فرماتے،

ایک شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا کہ اس سے اتنا نہیں ہوسکتا کہ بالون کو درست کرلے[۱]، ایک دفعہ اون کی چادر اوڑھی، پسینہ آیا تو اُتار کر رکھدی[۲]،

ایک دن لوگ مسجد نبوی مین آئے، چونکہ مسجد تنگ تھی اور کاروباری لوگ میلے کپڑون مین چلے آئے تھے، پسینہ آیا تو تمام مسجد مین بو پھیل گئی، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا کہ نھاکر آتے تو اچھا ہوتا[۳]، اُسی دن سے غسلِ جمعہ ایک شرعی حکم بنگیا،

مسجد نبوی مین جھاڑو دینے کا التزام تھا، ام محجن نام ایک عورت جھاڑو دیا کرتی تھی، ابن ماجہ مین روایت ہے کہ آپ نے حکم دیا کہ مساجد مین بچے اور مجنون نہ جانے پائین اور خرید و فروخت نہ ہونے پائے، یہ بھی حکم دیا کہ مساجد مین جمعہ کے دن خوشبو کی انگیٹھیان جلائی جائین۔

اہل عرب بدویت کے اثر سے نظافت اور صفائی کا نام نہین جانتے تھے، اس بناء پر اس خاص باب مین آپ کو نہایت اہتمام کرنا پڑا تھا۔

عرب کی عادت تھی (اور آج بھی بدویون مین عموماً پائی جاتی ہے) کہ راستہ مین بول و براز کرتے تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) اس کو نہایت ناپسند فرماتے، اور اس سے منع کرتے تھے، احادیث مین کثرت سے روایتین موجود ہین، کہ آپ نے اُن لوگون پر لعنت کی ہے جو راستہ مین یا درختون کے سایہ مین بول و براز کرتے ہین، امراء کا دستور ہے کہ کاہلی کیوجہ سے کسی برتن مین پیشاب کرلیا کرتے ہین، اس سے بھی منع فرماتے تھے[۴]،

عرب مین پیشاب کے بعد استنجا کرنے یا پیشاب سے کپڑون کے بچانے کا مطلق دستور نہ تھا، آپ ایکدفعہ راہ مین جارہے تھے، دو قبرین نظر آئین، فرمایا کہ ان مین سے ایک پر اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ اپنے کپڑون کو پیشاب سے محفوظ نہین رکھتا تھا[۵]،

---

[۱] ابو داؤد کتاب اللباس۔ [۲] ابو داؤد کتاب اللباس۔ [۳] اس مضمون کی متعدد حدیثین بخاری شریف (غسل جمعہ) مین باختلاف الفاظ و واقعات مذکور ہین۔ [۴] ترغیب و ترہیب کتاب الطہارۃ۔ ([۵] صحیح بخاری عذاب القبر)

ایک دفعہ مسجد مین تشریف لائے، دیوارون پر جا بجا تھوک کے دھبے تھے، آپ کے ہاتھ مین کھجور کی ٹہنی تھی، اُس سے کھرچ کھرچ کر تمام دھبّے مٹائے، پھر لوگون کی طرف خطاب کر کے غصہ کے لہجہ مین فرمایا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص تمھارے سامنے آکر تمھارے مونہہ پر تھوک دے، جب کوئی شخص نماز پڑھتا ہی تو خدا اس کے سامنے اور فرشتے اُس کے داہنے جانب ہوتے ہین، اس لیے انسان کو سامنے یا دائین جانب تھوکنا نہین چاہیے[1]،

ایک صحابی نے عین نماز مین (جبکہ وہ امام نماز تھے) تھوک دیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) دیکھ رہے تھے، فرمایا کہ یہ شخص اب نماز نہ پڑھائے، نماز کے بعد یہ صاحب خدمت اقدس مین آئے اور پوچھا کہ کیا آپ نے یہ حکم دیا ہے، فرمایا، ہان تم نے خدا اور پیغمبر کو اذیّت دی[2]،

بودار چیزون مثلاً پیاز، لہسن، اور مولی سے سخت نفرت تھی، حکم تھا کہ یہ چیزین کھا کر لوگ مسجد مین نہ آئین، بخاری مین حدیث ہی کہ جو شخص پیاز لہسن کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے، اور ہمارے ساتھ نماز نہ پڑھے، زمانۂ خلافت مین حضرت عمرؓ نے خطبہ مین کہا کہ تم لوگ پیاز اور لہسن کھا کر مسجد مین آتے ہو، حالانکہ مین نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا تھا کہ کوئی شخص یہ چیزین کھا کر مسجد مین آتا تو آپ حکم دیتے کہ مسجد سے نکالکر بقیع پہنچا دیا جائے[3]،

سواری

سواری کا شوق | گھوڑے کی سواری آپ کو نہایت مرغوب تھی، آپ[4] فرمایا کرتے الخیل معقود فی نواصیہا الخیر، گھوڑون کے علاوہ گدھے، خچر، اور اونٹ پر آپنے سواری فرمائی ہی، آپکے خاص سواری کے گھوڑے کا نام لُحَیف تھا، گدھے کا نام عُفیر، خچّر کا نام دلدل اور یتہ اور اونٹنیون کا نام قصوا، اور عضبا، تھا،)

اسپ دوانی

اسپ دوانی | مدینہ سے باہر ایک میدان تھا، جسکی سرحد حصبا، سے ثنیۃ الوداع تک ۶ میل تھی، یہان گھڑدوڑ کی مشق کرائی جاتی تھی،

گھوڑے جو مشق کے لیے طیار کرائے جاتے تھے ان کی تیاری کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ان کو خوب دانہ

---

[1] ترغیب و ترہیب، [2] ترغیب و ترہیب باب البصاق فی المسجد، [3] مسلم و نسائی و ابن ماجہ، [4] نسائی صفحہ ۵۶۷ باب حب الخیل۔

گھانس کھلاتے تھے، جب وہ موٹے تازے ہوجاتے تو اُن کی غذا کم کرنی شروع کرتے اور گھر مین باندھکر چارجامہ کستے، پسینہ آتا اور خشک ہوتا، روزانہ یہ عمل جاری رہتا، رفتہ رفتہ جس قدر گوشت چڑھ گیا تھا، خشک ہوکر ہلکا پُھلکا چھریرا بدن نکل آتا، یہ مشق چالیس دن مین ختم ہوتی،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سواری کا ایک گھوڑا تھا، جس کا نام سبخہ تھا، ایک دفعہ اس کو آپ نے بازی مین دوڑایا، اُس نے بازی جیتی تو آپ کو خاص مسرت ہوئی،[1]

گھُڑدوڑ کا اہتمام حضرت علیؓ کے سپرد تھا، اُنھون نے اپنی طرف سے سراقہ بن مالک کو یہ خدمت سپرد کی اور اس کے چند قاعدے مقرر کئے جنکی تفصیل حسب[2] ذیل ہے،

١۔ گھوڑون کی صفین قائم کیجائین اور تین دفعہ پکار دیا جائے کہ جسکو لگام درست کرنی، یا بچہ کو ساتھ رکھنا، یا زین الگ کردینی ہو الگ کرلے۔

٢ جب کوئی آواز نہ آئے تو تین دفعہ تکبیرین کہی جائین، تیسری تکبیر پر گھوڑے میدان مین ڈال دیئے جائین،

٣۔ گھوڑے کے کان آگے نکل جائین تو سمجھ لیا جائیگا کہ وہ آگے نکل گیا،

حضرت علیؓ خود میدان کے انتہائی سرے پر بیٹھ جاتے اور ایک خط کھینچ کر دو آدمیون کو دونون کنارون پر کھڑا کردیتے، گھوڑے انہی دونون کے درمیان سے ہوکر نکلتے۔

اونٹون کی دوڑ بھی ہوتی، آنحضرت صلعم کی خاص سواری کا ناقہ عضباء ہمیشہ بازی لیجاتا، ایک دفعہ ایک بدو اونٹ پر سوار آیا، اور مسابقت مین عضباء سے آگے نکل گیا، تمام مسلمانون کو سخت صدمہ ہوا، آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خدا پر حق ہو کہ دنیا کی جو چیز گردن اُٹھائے اس کو نیچا دکھائے،[3]

رنگون مین صندلی، مشکی اور کمیت بہت پسند[4] تھا، گھوڑون کی دُم کاٹنے سے منع فرمایا کہ مکھی ہانکنے کا مورچھل[5] ہی،

---

[1] دارقطنی جلد ٢ صفحہ ٥٥٢ (کتاب السبق بین الخیل، مسند احمد اور بیہقی مین بھی یہ واقعہ مذکور ہی)، [2] یہ پوری تفصیل دارقطنی صفحہ ٥٥٣ و ٥٥٤ و کتاب السبق بین الخیل مین ہی لیکن محدثانہ حیثیت سے یہ روایت ضعیف ہی)، [3] (صحیح بخاری ونسائی و دارقطنی و مسند احمد عن انس باب الرہان والسبق)، [4] نسائی مطبوعۂ نظامی صفحہ ٥٦ (باب مایستحب من شبۃ الخیل، (٥ کتب سنن کتاب الادب)

معمولات

(ترمذی نے شمائل مین حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے اوقات کے تین حصّے کردیے تھے، ایک عبادت الٰہی کے لیے، دوسرا عام خلق کے لیے، اور تیسرا اپنی ذات کے لیے"[1])

صبح سے شام تک کے معمولات

معمول تھا کہ نماز فجر پڑھکر (جانماز پر) آلتی پالتی مارکر بیٹھ جاتے، یہان تک کہ آفتاب اچھی طرح نکل آتا (اور یہی وقت دربار نبوت کا ہوتا، لوگ پاس آآکر بیٹھتے اور آپ اُن کو مواعظ و نصائح تلقین فرماتے[2])

(اکثر صحابہ سے پوچھتے کہ کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے، کسی نے دیکھا ہوتا تو عرض کرتے، آپ اسکی تعبیر بیان فرماتے[3]، کبھی خود اپنا خواب بیان فرماتے[4]، اس کے بعد ہر قسم کی گفتگو ہوتی، لوگ جاہلیت کے قصے بیان کرتے، شعر پڑھتے، ہنسی خوشی کی باتین کرتے، آنحضرت صلعم صرف مسکرا دیتے[5]، اکثر اِسی وقت مالِ غنیمت اور وظائف وخراج وغیرہ کی تقسیم فرماتے[6]،

بعض روایتون مین ہے کہ جب دن کچھ چڑھ جاتا تو چاشت کی کبھی چار کبھی آٹھ رکعت نماز ادا فرماتے، گھر جاکر گھر کے دھندے مین مشغول رہتے، پھٹے کپڑون کو سیتے، جوتا ٹوٹ جاتا تو اپنے ہاتھ سے گانٹھ لگاتے، دودھ دوہتے[7])

نماز عصر پڑھکر ازواج مطہرات مین سے ایک ایک کے پاس جاتے، اور ذرا ذرا دیر ٹھہرتے، پھر جسکی باری ہوتی، وہین رات بسر فرماتے، تمام ازواج مُطہرات وہین جمع ہوجاتین، عشا تک صحبت[8] رہتی، پھر نماز عشا کے لیے مسجد مین تشریف لے جاتے اور واپس آکر سو رہتے، ازواج رخصت ہوجاتین، نمازِ عشا کے بعد بات چیت کرنی ناپسند فرماتے[9]،

خواب — عام معمول یہ تھا کہ آپ اوّل وقت نماز عشا پڑھکر آرام فرماتے تھے، سوتے وقت التزاماً قرآن مجید

(۱ صحیح مسلم باب تبسمہ صلعم و ابوداؤد صفحہ ۳۱۸ ۲ جامع ترمذی، ۳ صحیح مسلم کتاب التعبیر ۴ صحیح بخاری کتاب التعبیر ۵ نسائی باب قعود الامام فی مصلاہ، ۶ بخاری اور حدیث کی کتابون مین متعدد جزئی واقعات مذکور ہین۔ ۷ صحیح بخاری باب ما یکون الرجل فی مہنۃ اہلہ ومسند ابن حنبل ومسند عایشہ رضہ ۸ صحیح مسلم باب القسم بین الزوجات، ۹ بخاری صلوۃ العشاء۔

کی کوئی سورہ (بنی اسرائیل، زمر، حدید، حشر، صیف، تغابن، جمعہ) پڑھکر سوتے، شمائل ترمذی مین ہے کہ آرام فرماتے وقت یہ الفاظ فرماتے،

اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَ اَحْییٰ — خدایا تیرا نام لیکر مرتاہون اور زندہ رہتاہون،

جاگتے تو فرماتے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَ اِلَیْہِ النُّشُوْرُ — اس خدا کا شکر، جس نے موت کے بعد زندہ کیا اور اُسی کی طرف حشر ہوگا،

آدھی رات یا پھر رات رہے جاگ اُٹھتے، مسواک ہمیشہ سرہانے رہتی تھی، اٹھکر پہلے مسواک فرماتے پھر وضو کرتے، اور عبادت مین مشغول ہوتے، آپ کی سجدہ گاہ آپ کے سرہانے ہوتی تھی،

ہمیشہ داہنی کروٹ اور دایان ہات رخسارے کے نیچے رکھکر سوتے، لیکن جب کبھی سفر مین پچھلے پہر منزل پر اُترکر آرام فرماتے تو معمول تھا کہ دایان ہات اونچا کرکے چہرہ اُس پر ٹیک کر سوتے کہ گہری نیند آجائے نیند مین کسیقدر خراٹے کی آواز آتی تھی،

بچھونے مین کوئی التزام نہ تھا، کبھی معمولی بستر پر کبھی، کبھی کھال پر، کبھی چٹائی پر، اور کبھی خالی زمین پر آرام فرماتے[۱]،

عبادت شبانہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خانگی معمولات اور اوراد، سے حضرت عائشہ کے برابر کوئی واقف نہ تھا، اُن سے مروی ہے کہ جب سورہ مزمّل کی ابتدائی آیتین نازل ہوئین تو آپ نے اس قدر نمازین پڑھین کہ پانون پر ورم آگیا، بارہ مہینے تک باقی آیتین رُکی رہین، سال بھر کے بعد جب بقیہ آیتین اُترین تو قیام لیل جو اب تک فرض تھا نفل رہ گیا،

شب کو آٹھ رکعت متصل پڑھتے، جن مین صرف آٹھوین رکعت مین قعدہ کرتے، پھر ایک اور رکعت پڑھتے،

---

[۱] یہ پوری تفصیل زرقانی مین حدیث کی متعدد کتابون کے حوالے سے مذکور ہے،۔

اور اُس مین بھی جلسہ کرتے، پھر دو رکعتین ادا کرتے، اسطرح ۱۱ رکعتین ہوجاتین، لیکن جب عمر زیادہ ہوگئی، اور جسم ذرا بھاری ہوگیا تو سات رکعتین پڑھتے، جن کے بعد دو رکعتین اور ادا کرتے، کبھی کبھی رات کو اتفاقاً نیند کا غلبہ ہوتا اور اس معمول مین فرق آتا تو دن مین بارہ رکعتین پڑھ لیتے، تھے[1]

ابوداؤد مین حضرت عایشہ سے ایک اور روایت ہے اُس کے الفاظ یہ ہین،

عشا کی نماز جماعت سے پڑھکر گھر مین چلے آتے اور یہان چار رکعتین پڑھکر خواب راحت فرماتے وضو کا پانی اور مسواک، سرہانے، رکھ دی جاتی، سوکر اُٹھتے پہلے مسواک فرماتے، پھر وضو کرتے اور جائے نماز پر آٹھ رکعتین ادا کرتے،

حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہین کہ ایک دن مین اپنی خالہ میمونہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مین تھین) کے یہان خاص اس غرض سے رات کو رہا کہ دیکھون آپ رات کو کس طرح نماز پڑھتے ہین، زمین پر فرش بچھا ہوا تھا، آپ نے اُس پر آرام فرمایا، مین سامنے آڑا سویا، قریباً رات ڈھلے آپ آنکھین ملتے ہوئے اُٹھے، **آل عمران** کی اخیر کی دس آیتین پڑھین، پانی کی مشک لٹکی ہوئی تھی، اُس سے وضو کیا، پھر نماز شروع کی، مین بھی وضو کرکے بائین پہلو مین کھڑا ہوگیا، آپ نے ہات پکڑکر داہنی جانب پھیر دیا، ۱۳ رکعتین پڑھکر آپ سو رہے، یہان تک سانس کی آواز آنے لگی، صبح ہوتے حضرت بلال نے اذان دی آپ اُٹھے، فجر کی سنتین ادا کین، پھر مسجد مین تشریف لے گئے،

معمولاتِ نماز ابتداء مین آپ ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے، لیکن جب یہ گران گزرنے لگا تو صرف پنج وقتہ مسواک رہ گئی، فتح مکہ مین آپ نے سب سے پہلے، ایک وضو سے کئی نمازین پڑھین[2] تاہم عادۃً آپ اکثر نئے وضو کے ساتھ نماز ادا فرماتے تھے، وضو مین عام معمول یہ تھا کہ پہلے تین بار ہاتھ دھوتے، پھر کلی کرتے اور ناک مین پانی ڈالتے اُس کے بعد تین تین بار مُنھ ہات دھوتے، سر کا مسح کرتے، اور تین بار پانون کو دھوتے[3]، بعض اوقات کسی عضو کو تین

---

[1] سنن ابوداؤد باب صلوۃ اللیل۔ [2] صحیح مسلم ومسند جلد ۵ صفحہ ۲۲۵، [3] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰۸ باب صفۃ الوضوء واکمالہ

بار، اور کسی عضو کو دو بار اور کسی عضو کو ایک بار دہوتے[۱]،

سنن و نوافل زیادہ تر گھر ہی مین ادا فرماتے، اذانِ صبح ہی کے ساتھ اُٹھتے اور فجر کی دو رکعت سنت نہایت اختصار کے ساتھ ادا کرتے، یہان تک کہ حضرت عایشہ کا بیان ہے کہ مجھے بعض اوقات یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ نے سورۂ فاتحہ پڑھی یا نہین[۲]؟ لیکن فرض کی دو رکعتون مین عموماً طویل سورتین پڑھتے، حضرت عبداللہ بن سائب سے مروی ہے کہ ایک بار آپ نے مکہ مین نمازِ فجر مین سورۂ مومنین پڑھی اسی طرح کبھی وَاللَّیْلِ اِذَا عَسْعَسَ، اور کبھی سورۂ قٓ پڑھتے، صحابہ کا اندازہ ہے کہ آپ صبح کی نماز مین ساٹھ سے لیکر سو آیتون تک پڑھتے تھے،

ظہر و عصر مین اگرچہ بہ نسبت فجر کے تخفیف فرماتے تھے، تاہم ابتدا کی دو رکعتون مین سورۂ فاتحہ کے ساتھ اتنی بڑی سورہ پڑھتے کہ آدمی بقیع تک جاتا تھا اور وہان اپنا کام کرتا تھا، پھر پلٹ کر گھر آتا تھا، اور وضو کرتا تھا اور پہلی رکعت مین جاکر شامل ہوجاتا تھا، صحابہ نے اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ظہر کی اوّل دو رکعتون مین آپ اس قدر قیام فرماتے ہین جس مین آلٓمٓ تَنْزِیْلُ السَّجْدَہ کے برابر سورہ پڑھی جاسکتی ہے، اخیر کی دو رکعتون مین یہ مقدار نصف رہجاتی تھی، عصر کی دونون پہلی رکعتون مین ظہر کی آخری رکعتون کے برابر قیام فرماتے تھے، اور اخیر کی دو رکعتون مین پہلی رکعتون کی نصف مقدار رہجاتی تھی حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم ظہر کی پہلی رکعت مین تیس آیتون کے برابر اور دوسری رکعت مین پندرہ آیتون کے یا اس کے نصف کے برابر، اور عصر مین پندرہ آیتون کے برابر پڑھا کرتے تھے، جابر بن سمرہ کہتے ہین کہ ظہر مین آپ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھتے تھے،

مغرب کی نماز مین وَالْمُرْسَلٰتِ اور سورۂ طور پڑھتے تھے[۳]،

عشا کی نماز مین وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ اور اسی کے برابر کی سورتین پڑھتے تھے،

تہجد کی نماز مین بڑی بڑی سورتین پڑھتے تھے، مثلاً سورۂ **بقرہ**، سورۂ **آل عمران**، سورۂ **نساء**،

---

[۱] مسلم جلد اصفحہ ۱۰۱ باب آخر فی صفة الوضوء، [۲] مسلم جلد اصفحہ ۲۰۰ باب رکعتی سنة الفجر والحث علیہما۔ [۳] مسلم جلد اصفحہ ۱۷۰ باب القراءة فی الظہر والعصر، وغیرہا،

جمعہ کی پہلی رکعت مین سورہ جمعہ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ اور دوسری رکعت مین اِذَا جَاءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ، اور کبھی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ -

عیدین مین بھی دو پچھلی سورتین یعنی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰكَ پڑھتے تھے، اور اتفاق سے اگر عید اور جمعہ ایک ساتھ پڑجاتا تو دونون نمازون مین یہی دونون سورتین پڑھا کرتے تھے، جمعہ کے دن کی نماز صبح مین الٓمّٓ تَنْزِيْلُ السَّجْدَةِ، اور هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ، پڑھنے کا معمول تھا[1]،)

معمولات خطبہ (وعظ و پند اور ارشاد و ہدایت کے لیے آپ اکثر خطبہ دیا کرتے تھے، بالخصوص جمعہ کے لیے تو خطبہ لازمی تھا، جمعہ کے خطبات مین معمول یہ تھا کہ جب لوگ جمع ہوجاتے تو آپ نہایت سادگی کے ساتھ گھر سے نکلتے، مسجد مین داخل ہوتے، تو لوگون کو سلام کرتے، پھر منبر پر تشریف لیجاتے تو لوگون کی طرف رُخ کرکے سلام کرتے، اور اذان کے بعد فوراً خطبہ شروع کردیتے، پہلے ہاتھ مین ایک عصا ہوتا تھا، لیکن جب منبر بنگیا تو ہات مین عصا لینا چھوڑ دیا، خطبہ ہمیشہ نہایت مختصر اور جامع ہوتا تھا، فرمایا کرتے تھے کہ نماز کا طول اور خطبہ کا اختصار آدمی کے تفقہ کی دلیل ہی، جمعہ کے خطبہ مین عموماً سورۂ "ق"، پڑھتے تھے[2]، اس مین قیامت اور حشر و نشر کا بہ تفصیل ذکر ہے،

خطبہ ہمیشہ حمد خداوندی کی ساتھ شروع کرتے تھے، اگر اثنائے خطبہ مین کوئی کام پیش آجاتا تو منبر سے اُتر کر اس کو کرلیتے، پھر منبر پر جاکر خطبہ کو پورا فرماتے، ایک بار آپ خطبہ دے رہے تھے، اسی حالت مین ایک آدمی نے آکر کہا کہ "یا رسول اللہ مین مسافر آدمی ہون اپنے دین کی حقیقت سے ناواقف ہون اس کے متعلق پوچھنے آیا ہون،" آپ منبر سے اُتر آئے، ایک کرسی رکھ دی گئی، اس پر بیٹھ گئے اور اس کو تعلیم و تلقین کی، پھر جاکر خطبہ کو پورا کیا[3]، ایک بار آپ خطبہ دے رہے تھے، امام حسین علیہ السلام سرخ کپڑے پہنے ہوئے مسجد مین آگئے، چونکہ بچپن کی وجہ سے لڑکھڑاتے آتے تھے، آنحضرت صلعم نے دیکھا تو ضبط نہ ہوسکا، منبر سے اُتر آئے اور گود مین اُٹھالیا اور

---

[1] یہ تمام روایتین صحیح مسلم کتاب الصلوۃ، کتاب الجمعہ والعیدین مین مذکور ہین۔ [2] صحیح مسلم۔ [3] ادب المفرد مطبوعہ مصر صفحہ ۲۱۸ باب الجلوس علی السریر

یہ آیت پڑھی[1] اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ،

خطبہ کی حالت مین لوگون کو بیٹھنے اور نماز پڑھنے کا بھی حکم دیتے تھے، چنانچہ عین خطبہ کی حالت مین ایک شخص مسجد مین آیا، آپ نے پوچھا کیا تم نے نماز پڑھی؟ اُسنے کہا نہین "آپ نے فرمایا اٹھو اور پڑھو[2]"

میدانِ جہاد مین جب خطبہ دیتے تھے تو کمان پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوتے تھے، بعض لوگون کا خیال ہی کہ آپ ہاتھ مین تلوار لیکر کھڑے ہوتے تھے، لیکن ابن قیّم نے لکھا ہی کہ آپ نے خطبہ کی حالت مین کبھی ہاتھ مین تلوار نہین[3] لی،

وعظ و ارشاد کے لیے عموماً ناغہ دے دیکر خطبہ دیا کرتے تھے، تاکہ لوگ گھبرا نہ جائین[4]،)

معمولاتِ سفر (حج، عمرہ، اور زیادہ تر جہاد کی وجہ سے آپ کو اکثر سفر کی ضرورت پیش آیا کرتی تھی، سفر مین معمول یہ تھا کہ پہلے ازواج مطہرات پر قرعہ ڈالتے جس کے نام قرعہ پڑتا وہ ہمسفر ہوتین[5]، جمعرات کے دن سفر کرنا پسند فرماتے تھے، اور صبح کے تڑکے روانہ ہو جاتے تھے، افواج کو بھی جب کسی مہم پر روانہ فرماتے تو اُسی وقت روانہ فرماتے[6] جب سواری سامنے آتی اور رکاب مین قدم مبارک کو رکھتے تو بسم اللہ کہتے اور جب زین پر سوار ہو جاتے تو تین بار تکبیر کہتے، اس کے بعد یہ آیت پڑھتے،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا کُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ	سب تعریف اُس خدا کی جسنے اس جانور کو ہمارا فرمانبردار بنا دیا حالانکہ
وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ[7]	ہم خود اسکو مطیع نہین کرسکتے تھے اور ہم اپنے خدا کیطرف پلٹنے والے ہین،

پھر یہ دعا کرتے،

اللّٰهم انا نسألك فی سفرنا هذا البرّ والتقوی	خداوندا! اس سفر مین ہم تجھسے نیکی، پرہیزگاری اور عمل پسندیدہ کی
ومن العمل ما ترضی اللّٰهم هوّن علینا سفرنا	درخواست کرتے ہین، خداوندا ہمارے اس سفر کو آسان
واطوِ عنّا بعده اللّٰهم انت الصاحب فی السفر	اور اسکی مسافت کو طے کردے، خداوندا سفر مین تو رفیق ہے،

[1] جامع ترمذی مناقب حسنینؓ۔ [2] بخاری جلد ا صفحہ ۱۲۷، باب اذا رای الامام رجلا جاء وہو یخطب امرہ ان یصلی رکعتین۔ [3] زاد المعاد جلد اول صفحہ ۱۲۱ فصل فی ہدیہ فی خطبہ۔ [4] بخاری جلد ا صفحہ ۱۶ باب ما کان النبی صلعم یتخولہم بالموعظة۔ [5] بخاری جلد ۲ باب حدیث الافک کتاب المغازی [6] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ای یوم یستحب السفر و باب فی الابتکار فی السفر۔ [7] ابوداؤد کی ایک روایت مین ہی کہ سوار ہو جانیکے بعد تین تین بار تکبیر و تحمید کرتے پھر یہ دعا پڑھتے، سبحانک انی ظلمت

والخلیفۃ فی الاھل اللھم انی اعوذ بک من وعثاء السفر و کآبۃ المنقلب وسوء المنظر فی الاھل والمال،

بال بچون کے لیے تو ہمارا قائم مقام ہے، خداوندا، مین سفر اور واپسی کے آلام مصائب، اور گھر بار کی مناظر قبیحہ سے تیری پناہ مانگتا ہون،

جب واپس ہوتے تو اس مین اسقدر اور اضافہ کر دیتے، آیبون، تائبون، عابدون لربنا حامدون، راستے مین جب کسی چوٹی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے، اور جب اُس سے نیچے اترتے تو ترنم ریز تسبیح ہوتے، صحابہ بھی آپ کے ہم آواز ہو کر تکبیر و تسبیح کا غلغلہ بلند کرتے، جب کسی منزل پر اترتے تو یہ دعا فرماتے،

یا ارض ربی و ربک اللہ اعوذ باللہ من شرک وشر ما فیک وشر ما خلق فیک وشر ما یدب علیک واعوذ بک من اسد واسود ومن الحیۃ والعقرب ومن ساکنی البلد ومن والد وما ولد[۲]،

اے زمین میرا اور تیرا پروردگار خدا ہے، مین تیری برائی سے اور اُس چیز کی بُرائی سے جو تیرے اندر ہے اور اُس چیز کی بُرائی سے جو تیرے اندر پیدا کیگئی ہے اور اُس چیز کی بُرائی سے جو تجھپر چلتی ہے، پناہ مانگتا ہون، خداوند تجھسے شیر سانپ، بچھو، اور اُس گانون کے رہنے والون اور آدمیون سے پناہ مانگتا ہون۔

جب کسی آبادی مین داخل ہونا چاہتے تو یہ دعا پڑھتے،

اللھم رب السماوات السبع وما اظللن ورب الارضین السبع وما اقللن ورب الشیاطین وما اضللن ورب الریاح وما ذرین اسألک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا واعوذ بک من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا[۳]،

خداوندا! اے ساتون آسمان اور اُن تمام چیزون کے پروردگار جنپر وہ سایہ افگن ہین اے ساتون زمینون اور اُن تمام مخلوقات کے پروردگار جو انپر موجود ہین، اے شیاطین اور اُن تمام نفوس کے پروردگار جنکو وہ گمراہ کرتے ہین اے ہوا اور اُن تمام اشیاء کے پروردگار جنکو وہ اُڑاتی ہین مین تجھسے اس گانون اور اُس گانون کے رہنے والون کی بھلائی کی درخواست کرتا ہون، اور اس گانون اور اس گانون کے رہنے والون کی بُرائی سے پناہ مانگتا ہون،

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یقول الرجل اذا سافر، [۲] زاد المعاد فصل فی ہدیہ فی السفر، [۳] ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یقول الرجل اذا نزل المنزل،

مدینہ پہنچتے تو پہلے مسجد مین جاکر دو رکعت نماز ادا فرماتے[1]، پھر مکان کے اندر تشریف لیجاتے، تمام لوگون کو حکم تھا کہ سفر سے آنے کے ساتھ ہی گھر کے اندر نہ چلے جائین، تاکہ عورتین اطمینان کے ساتھ سامان درست کرلین[2]،

معمولات جہاد| جہاد مین معمول یہ تھا کہ جب فوج کو کسی مہم پر روانہ فرماتے تو امیر العسکر کو خاص طور پر پرہیزگاری اختیار کرنے اور اپنے رفقار کے ساتھ نیکی کرنے کی ہدایت فرماتے، پھر تمام فوج کی طرف مخاطب ہوکر فرماتے،

اغزوا باسم اللہ فی سبیل اللہ قاتلوا من کفر باللہ اغزوا ولا تغلوا ولا تغدروا ولا تمثلوا ولا تقتلوا ولیدًا،	خدا کے نام پر خدا کی راہ مین کفار سے لڑو، خیانت اور بدعہدی نہ کرنا، مُردون کے ناک کان نہ کاٹنا، بچون کو قتل نہ کرنا،

اُس کے بعد شرائط جہاد کی تلقین کرتے[3]،

جب فوج کو رخصت کرتے تو یہ الفاظ فرماتے،

استودع اللہ دینکم وامانتکم وخواتیم اعمالکم[4]	مین تمہارے فرض کو امانت کو اور تمہارے اعمال کے نتائج کو خدا کے حوالے کرتا ہون-

جب خود شریک جہاد ہوتے اور حملہ کے مقام پر شب کو پہنچتے تو صبح کا انتظار کرتے، صبح ہوجاتی تو حملہ کرتے[5] اگر صبح کے وقت حملہ کرنے کا اتفاق نہ ہوتا تو دوپہر کے ڈھلنے کے بعد حملہ کرتے[6]، جب کوئی مقام فتح ہوجاتا تو اقامت عدل و انصاف کے لیے وہان تین دن تک قیام فرماتے[7]، جب فتح و ظفر کی خبر آتی تو سجدۂ شکرانہ بجالاتے[8]، جب میدان جہاد مین شریک کارزار ہوتے تو یہ دعا فرماتے،

اللھم انت عضدی ونصیری بک احول وبک اصول وبک اقاتل[9]-	خداوندا تو میرا دست و بازو ہے، تو میرا مددگار ہی، تیرے سہارے پر مین مدافعت کرتا ہون، حملہ کرتا ہون، اور لڑتا ہون،

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی اعطاء البشیر، [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الطروق- [3] صحیح مسلم کتاب الجہاد باب تامیر الامام الامراء علی البعوث ووصیتہ ایاہم بآداب الغزو وغیرہا- [4] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الدعاء عند الوداع- [5] بخاری کتاب المغازی ذکر غزوہ خیبر- [6] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی ای وقت یستحب اللقاء- [7] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی الامام یقیم عند الظہور علی العدو بارضہم- [8] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر [9] ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یدعی عند اللقاء-

معمولات عیادت وعزا (بیماروں کی عیادت وغمخواری آپ ضرور فرماتے تھے اور صحابہ کو ارشاد ہوتا تھا، کہ عیادت بھی ایک مسلمان کا فرض ہے[1]، ہجرت کے ابتدائی زمانہ مین معمول شریف یہ تھا کہ جب کسی شخص کی موت کا وقت قریب آجاتا تو صحابہ آپ کو اسکی اطلاع دیتے، آپ اُس کے مرنے سے پہلے تشریف لاتے، اس کے لیے دعاے مغفرت فرماتے، اور اخیر دم تک اس کے پاس بیٹھے رہتے، یہان تک کہ دم واپسین کے انتظار مین آپکو اس قدر دیر ہو جاتی کہ آپکو تکلیف ہونے لگتی، صحابہ نے تکلیف کا احساس کیا، اور اب اونکا یہ معمول ہو گیا کہ جب کوئی شخص مر چکتا تو آپ کو اسکی موت کی خبر دیتے، آپ اس کے مکان پر تشریف لیجاتے، اُس کے لیے استغفار فرماتے، جنازہ کی نماز پڑھتے، اس کے بعد اگر مٹی دینا چاہتے تو ٹھہر جاتے، ورنہ واپس چلے آتے لیکن صحابہ کو آخر اس کی یہ تکلیف بھی گوارا نہ ہوئی، اس لیے خود جنازہ آپ کے مکان تک لانے لگے اور یہی عام معمول ہو گیا[2]،

عیادت کے لیے جب کسی بیمار کے پاس تشریف لیجاتے، تو اُس کو تسکین دیتے پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے[3] اُسکی صحت کے لیے دعا فرماتے[4]، اور کہتے ان شاءاللہ طہور (خدا نے چاہا تو خیریت ہے، کوئی بدفالی کے فقرے کہتا تو ناپسند فرماتے، ایک بار ایک اعرابی مدینہ مین آکر بیمار پڑ گیا، آپ اسکی عیادت کو تشریف لے گئے اور کلمات تسکین ادا فرمائے، اس نے کہا تم نے خیریت کہا، شدید تپ ہے، جو قبر ہی مین ملا کر چھوڑے گی، آپ نے فرمایا ہان، اب یہی ہو[5]،)

معمولات ملاقات | معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ کرتے، کوئی شخص اگر جھک کر آپ کے کان مین کچھ بات کہتا تو اسوقت تک اسکی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود منھ نہ ہٹا لے۔ مصافحہ مین بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہات ملاتے تو جب تک کہ وہ خود نہ چھوڑ دے اس کا ہات نہ چھوڑتے، مجلس مین بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہمنشینون سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے[6]،

(1) صحیح بخاری باب وجوب عیادۃ المریض، (2) مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۶۶، (3) صحیح بخاری باب وضع الید علی المریض، (4) باب دعاء العائد للمریض۔ (5) باب عیادۃ الاعراب) (6) ابوداؤد و ترمذی،

جو شخص حاضر ہونا چاہتا، دروازہ پر کھڑا ہو کر پہلے "السلام علیکم" کہتا، پھر پوچھتا کہ کیا مین اندر آسکتا ہون؟ (خود بھی آپ کسی سے ملنے جاتے تو اسی طرح اجازت مانگتے) کوئی شخص اس طریقہ کے خلاف کرتا تو آپ اس کو واپس کردیتے، ایک دفعہ بنو عامر کا ایک شخص آیا اور دروازہ پر کھڑا ہو کر پکارا کہ اندر آسکتا ہون؟ آپ نے فرمایا کہ جاکر ان کو اجازت طلبی کا طریقہ سکھا دو، یعنی پہلے سلام کرلے، تب اجازت مانگے،

ایک دفعہ صفوان بن امیۃ نے جو قریش کے رئیس اعظم تھے، آنحضرت صلعم کے پاس اپنے بھائی کلدہ کے ہات، دود، ہرن کا بچہ، اور لکڑیان بھیجین، کلدہ یون ہی بے اجازت چلے آئے، آپ نے فرمایا کہ واپس جاؤ اور سلام کرکے اندر آؤ[ل]

ایک دفعہ حضرت جابرؓ زیارت کو آئے اور دروازہ پر دستک دی، آپ نے پوچھا کون ہی، بولے "مین" آپ نے فرمایا "مین، مین" یعنی یہ کیا طریقہ ہے نام بتانا چاہیے،

جب آپ خود کسی کے گھر پر جاتے تو دروازہ کے دائین یا بائین جانب کھڑے ہوتے اور "السلام علیکم" کہکر اذن طلب فرماتے، (راوی کا بیان ہے کہ آپ عین دروازہ کے سامنے اس وجہ سے نہ کھڑے ہوتے کہ اُس وقت تک دروازون پر پردہ ڈالنے کا رواج نہ تھا،) اگر صاحب خانہ اذن نہ دیتا تو پلٹ آتے، چنانچہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم سعد بن عبادہ کے گھر تشریف لائے، اور باہر کھڑے ہو کر اذن طلبی کے لیے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہا، سعد نے اسطرح آہستہ سلام کا جواب دیا کہ آنحضرت صلعم نے نہین سنا، حضرت سعد کے فرزند قیس بن سعد نے کہا آپ رسول اللہ کو اندر آنے کی اجازت کیون نہین دیتے، حضرت سعد نے کہا چپ رہو، رسول اللہ بار بار سلام کرین گے جو ہمارے لیے برکت کا سبب ہوگا۔ آنحضرت صلعم نے دوبارہ السلام علیکم کہا، اور سعد نے پھر اسیطرح جواب دیا، آنحضرت صلعم نے تیسری دفعہ پھر اسی طریقہ سے اذن طلب کیا اور جب کوئی جواب نہ ملا تو آپ واپس چلے، حضرت سعد نے جب آپ کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر گئے اور عرض کی کہ

ل یہ دونون روایتین ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ مین ہین۔

مین آپ کا سلام سُن رہا تھا، لیکن آہستہ جواب دیتا تھا کہ آپ بار بار سلام فرماوین[1]،)

(کسی کے گھر تشریف لے جاتے تو ممتاز مقام پر بیٹھنے سے پرہیز فرماتے، ایک بار آپ حضرت عبداللہ بن عمر کے مکان پر تشریف لے گئے اُنھون نے آپ کے بیٹھنے کے لیے چمڑے کا ایک گدّا ڈال دیا، لیکن آپ زمین پر بیٹھ گئے، اور گدّا آنحضرت صلعم اور حضرت عبداللہ بن عمر کے درمیان آگیا[2]۔)

معمولات عامہ (تیمّن یعنی داہنی طرف سے یا داہنے ہاتھ سے کام کرنا آپ کو محبوب تھا، جوتا پہلے داہنے پانون مین پہنتے، مسجد مین پہلے داہنا پانون رکھتے، مجلس مین کوئی چیز تقسیم فرماتے تو داہنی طرف سے، اسی طرح کسی کام کو شروع کرنا چاہتے تو پہلے بسم اللہ کہہ لیتے۔)

[1] (ابو داؤد کتاب الادب، [2] ادب المفرد صفحہ ۲۱۹،)

مجالس نبوی

دربار نبوّت

شہنشاہِ کونین کا دربار نقیب وچاؤش اور خیل وحشم کا دربار نہ تھا، دروازہ پر دربان بھی نہین ہوتے تھے تاہم نبوت کے جلال سے ہر شخص پیکر تصویر نظر آتا تھا، حدیثون مین آیا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مجلس مین لوگ بیٹھتے تو یہ معلوم ہوتا کہ ان کے سرون پر چڑیان بیٹھی ہوئی ہین یعنی کوئی شخص ذرا جنبش بھی نہین کرتا تھا، گفتگو کی اجازت مین ترتیب کا لحاظ رہتا تھا لیکن یہ امتیاز مراتب نسب ونام یا دولت ومال کی بنا پر نہین، بلکہ فضل واستحقاق کی بنا پر ہوتا تھا، سب سے پہلے آپ اہل حاجت کی طرف متوجہ ہوتے، اور اُنکے معروضات سنکر اُنکی حاجت براری فرماتے،

تمام حاضرین ادب سے سر جھکائے رہتے، خود بھی آپ مودّب ہوکر بیٹھتے، جب کچھ فرماتے تو تمام مجلس پر سناٹا چھاجاتا، کوئی شخص بولتا تو جب تک وہ چُپ نہ ہوجائے، دوسرا شخص بول نہین سکتا تھا، اہلِ حاجت عرض مدعا مین ادب کی حد سے بڑھجاتے، تو آپ کمال حلم کے ساتھ برداشت فرماتے،

آپ کسی کی بات کاٹ کر گفتگو نہ فرماتے، جو بات ناپسند ہوتی اُس سے تغافل فرماتے اور ٹال جاتے، کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو اگر آپنے واقعی اس کا کوئی کام انجام دیا ہوتا تو شکریہ قبول فرماتے، مجلس مین جس قسم کا ذکر چھڑجاتا، آپ بھی اس مین شامل ہوجاتے ہنسی اور مہذب ظرافت مین بھی شریک ہوتے، خود بھی مذاقیہ باتین فرماتے، کسی قبیلہ کا کوئی معزز شخص آجاتا تو حسب رُتبہ اُسکی تعظیم کرتے، اور فرماتے اکرموا کریم کل قوم مزاج پرسی کے ساتھ ہر شخص سے دریافت فرماتے کہ کوئی ضرورت اور حاجت تو نہین ہے، یہ بھی فرماتے کہ جو لوگ اپنے مطالب مجھ تک نہین پہنچا سکتے، مجکو اُن کے حالات اور ضروریات کی خبردو،

ایران مین معمول تھا کہ جب مجلس مین کوئی معزز شخص آجاتا تھا تو سب تعظیم کو کھڑے ہوجاتے، یہ بھی قاعدہ تھا کہ روسا، اور امرا جب دربار جماتے تو لوگ سینون پر ہاتھ رکھکر کھڑے رہتے، آپ نے ان باتون سے منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ جسکو یہ پسند آتا ہو کہ اُس کے سامنے لوگ تعظیم سے کھڑے رہین، اُس کو اپنی جگہ دوزخ مین

ڈھونڈھنی چاہیئے[1]، البتہ جوش محبت مین آپ کسی کسی کے لیے کھڑے ہوجاتے، چنانچہ حضرت فاطمہ زہرا جب کبھی آجاتین تو اکثر کھڑے ہوجاتے اور فرطِ محبت سے انکی پیشانی چومتے، حضرت حلیمہ سعدیہ کے لیے بھی آپ نے اُٹھکر چادر بچھادی تھی،) اسی طرح ایک دفعہ آپ کے رضاعی بھائی آئے توان کے لیے بھی محبت سے کھڑے ہوگئے، اور ان کو اپنے سامنے بٹھایا[2]،)

ہرشخص کو اُس کے رتبہ کے مناسب جگہ ملتی، کسی شخص کے دل مین یہ خیال نہین آنے پاتا کہ دوسرا شخص اُس سے زیادہ عزت یاب ہے، جب کوئی شخص کوئی اچھی بات کہتا تو آپ تحسین فرماتے، اور نامناسب گفتگو کرتا تو اسکو مطلع فرمادیتے[3]۔

ایک دفعہ دو شخص مجلس اقدس مین حاضر تھے، ان مین ایک معزز اور دوسرا کم رتبہ تھا، معزز صاحب کو چھینک آئی، لیکن انھون نے اسلامی شعار کے موافق الحمدللہ نہین کہا، دوسرے صاحب کو بھی چھینک آئی، انہون نے الحمدللہ کہا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حسب معمول یرحمک اللہ کہا، معزز صاحب نے شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ اُنھون نے خدا کو یاد کیا تو مین نے بھی کیا، تم نے خدا کو بُھلا دیا، آمین نے بھی تم کو بُھلا دیا[4]،

صحابہ کو اس بات کی سخت تاکید تھی کہ کسی کی شکایت یا عیوب آپ تک نہ پہنچائین آپ فرماتے تھے کہ مین چاہتا ہون کہ دنیا سے جاؤن تو سب کی طرف سے صاف جاؤن[5]،

مجالسِ ارشاد

(آنحضرت[6] (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیم وتلقین کا فیض اگرچہ سفر، حضر، خلوت، جلوت، نشست، برخاست غرض ہر وقت جاری رہتا تھا، تاہم اس سے وہی لوگ مستفیض ہوسکتے تھے، جو اتفاق سے موقع پر ہوتے تھے اس بنا پر آپ نے تعلیم وارشاد کے لیے بعض اوقات خاص کردیئے تھے، کہ لوگ پہلے سے مطلع رہین اور جن کو استفاضہ منظور ہو، وہ آسکین۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب باب قیام الرجل للرجل [2] ابوداؤد، کتاب الادب برّ الوالدین۔
[3] یہ تمام تفصیل شمائل ترمذی، کی دو مفصل روایتون سے ماخوذ ہے جسمین آنحضرت صلعم کے عام اخلاق کا ذکر ہے۔
[4] ادب المفرد امام بخاری، [5] ابوداؤد کتاب الادب، [6] اضافہ تاصفحہ

یہ صحبتین عموماً مسجد نبوی مین منعقد ہوتی تھین، مسجد نبوی مین ایک چھوٹا سا صحن تھا، کبھی آپ وہان نشست فرماتے

ابتداءً آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی نشست کے لیے کوئی ممتاز جگہ نہ تھی، باہر سے اجنبی لوگ آتے تو آپ کے پہچاننے

مین دقت ہوتی، صحابہ نے ایک چھوٹا سا مٹی کا چبوترہ بنا دیا، آپ اس پر تشریف رکھتے، باقی دونون طرف صحابہ

حلقہ باندھ کر بیٹھ جاتے[۱]،)

آدابِ مجلس | (اِن مجالس مین آنے والون کے لیے کوئی روک ٹوک نہ تھی عموماً بدو اپنے اُسی وحشت نما طریقے سے

آتے اور بے باکانہ سوال و جواب کرتے،

خلقِ نبوی کا منظر ان مجالس مین زیادہ حیرت انگیز بنجاتا ہے، آپ پیغمبرِ خاتم کی حیثیت سے رونق افروز ہین

صحابہ عقیدت کیش غلامون کی طرح خدمتِ اقدس مین حاضر ہین، ایک شخص آتا ہے، اور اُسکو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)

مین، اور حاشیہ نشینون مین کوئی ظاہری امتیاز نظر نہین آتا، لوگون سے پوچھتا ہے، محمدؐ کون ہی؟ صحابہ بتاتے

ہین کہ یہی گورے سے آدمی جو ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہین، وہ کہتا ہے، اے ابن عبد المطلب! مین تم سے

نہایت سختی کے ساتھ سوال کرون گا، خفا نہ ہونا، آپ بخوشی سوال کی اجازت دیتے ہین[۲]،

با این ہمہ سادگی و تواضع، یہ مجالس رعب و وقار اور آداب نبوت کے اثر سے لبریز ہوتی تھین، آنحضرت (صلی اللہ

علیہ وسلم) کی تعلیمات و تلقینات کا دائرہ اخلاق، مذہب، اور تزکیۂ نفوس تک محدود تھا، اس کے علاوہ اور باتین

منصب نبوت سے خارج تھین، لیکن بعض لوگ نہایت معمولی اور خفیف باتین پوچھتے تھے، مثلاً یا رسول اللہ میرے

باپ کا نام کیا ہے؟ میرا اونٹ کھو گیا ہے وہ کہان ہے؟ آپ اس قسم کے سوالات کو ناپسند فرماتے تھے،

ایک بار اسی قسم کے لغو سوالات کئے گئے تو آپ نے برہم ہو کر فرمایا کہ جو پوچھنا ہو پوچھو، مین سب کا جواب

دون گا، حضرت عمر نے آپ کے چہرے کا رنگ دیکھا تو نہایت الحاح کے ساتھ کہا رضینا[۳]،

کوئی شخص کھڑے کھڑے سوال نہین کرتا تھا، ایک شخص نے اسطرح سوال کیا تو آپ نے اس کی طرف

---

[۱] ابوداؤد باب القدر، [۲] بخاری جلد۱ ص ۱۵ کتاب الایمان، [۳] بخاری کتاب العلم،

تعجب سے دیکھا، اسی طرح یہ بھی معمول تھا کہ جب ایک مسئلہ طے ہو جاتا تو دوسرا مسئلہ پیش کیا جاتا، بعض اوقات آپ گفتگو کرتے ہوتے، کوئی صحرانشین بدو جو آدابِ مجلس سے ناواقف ہوتا، دفعۃً آجاتا، اور عین سلسلۂ تقریر مین کوئی بات پوچھ بیٹھتا، آپ سلسلۂ تقریر کو قائم رکھتے اور فارغ ہو کر اُسکی طرف متوجہ ہوتے، اور جواب دیتے، ایک دفعہ آپ تقریر فرما رہے تھے، ایک بدو آیا اور آنے کے ساتھ اُس نے پوچھا کہ قیامت کب آئے گی؟ آپ تقریر کرتے رہے حاضرین سمجھے کہ آپ نے نہین سنا، کسی کسی نے کہا "سنا" لیکن آپ کو ناگوار ہوا، آپ گفتگو سے فارغ ہو چکے تو دریافت فرمایا کہ پوچھنے والا کہان ہے؟ بدو نے کہا "مین یہ حاضر ہون" آپ نے فرمایا جب لوگ امانت کو ضائع کرنے لگین گے بولا کہ امانت کیونکر ضائع ہوگی، فرمایا جب نااہلون کے ہات مین کام آئے گا[1]

اوقاتِ مجلس (اس قسم کی مجالس کے لیے جو خاص وقت مقرر تھا وہ صبح کا تھا، نماز فجر کے بعد آپ بیٹھ جاتے، اور فیوض روحانی کا چشمہ جاری ہو جاتا، بعض روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز کے بعد آپ ٹھر جاتے اور مجلس قایم ہو جاتی چنانچہ کعب بن مالک پر جب غزوۂ تبوک کی غیر حاضری کی وجہ سے عتاب نازل ہوا تو وہ انہی مجالس مین آکر آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خوشنودی مزاج کا پتہ لگاتے، خود اُن کے یہ الفاظ ہین۔

واٰتی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسلم علیہ و	مین رسول اللہ کے پاس آتا تھا اور سلام کرتا، اور آپ بعد نماز
ھو فی مجلسہ بعد الصلوٰۃ فاقول فی نفسی ھل	کے اپنی مجلس مین ہوتے تھے تو مین اپنے جی مین کہتا تھا کہ
حرّک شفتیہ برد السّلام ام لا[2]،	آپ نے جواب سلام مین اپنے لب ہلائے یا نہین۔

صبح کی مجلسون مین کبھی کبھی آپ وعظ فرماتے، ترمذی اور ابوداؤد مین عرباض بن ساریہ سے روایت ہی،

وعظنا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوما بعد	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح کی نماز کے بعد
صلوٰۃ الغداۃ موعظۃً بلیغۃً ذرفت منھا	ایک بلیغ وعظ کہا، جس سے آنکھین اشک ریز ہو گئین اور
العیون ووجلت منھا القلوب[3]	دل کانپ اُٹھے۔

[1] صحیح بخاری کتاب العلم صفحہ ۱۴، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۳۴ حدیث کعب بن مالک، [3] ترمذی صفحہ ۴۴۰۔

نماز کے بعد جو مجلس منعقد ہوتی، اُس مین وعظ و نصیحت اور اِس قسم کی جزئی باتون پر گفتگو ہوتی تھی، لیکن ان اوقات کے علاوہ آپ خاص طور پر حقایق و معارف کے اظہار کے لیے مجالس منعقد فرماتے تھے، یہی مجالس ہین جن کی نسبت احادیث مین یہ الفاظ آئے ہین،

کان یوماً بارزاً للناس[1]، آنحضرت صلعم ایکدن عام طور پر لوگون کے لیے باہر نکلے تھے،

چونکہ افادہ عام ہوتا تھا، اس لیے آپ چاہتے تھے کہ کوئی شخص فیض سے محروم نہ رہنے پائے اِس بنا پر جو لوگ اِن مجالس مین آکر واپس چلے جاتے، اُن پر آپ نہایت ناراض ہوتے تھے، آپ ایک مرتبہ صحابہ کے ساتھ مسجد مین بیٹھے ہوئے تھے، کہ تین شخص آئے، ایک صاحب نے حلقہ مین تھوڑی سی جگہ خالی پائی وہین بیٹھ گئے، دوسرے صاحب کو درمیان مین موقع نہین مِلا، اِس لیے سب کے پیچھے بیٹھے، لیکن تیسرے صاحب واپس چلے گئے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جب فارغ ہوئے تو فرمایا کہ اِن مین سے ایک نے خدا کی طرف پناہ لی، خدا نے اُس کو بھی پناہ دی، ایک نے حیا کی، خدا بھی اُس سے شرمایا، ایک نے خدا سے مُنھ پھیرا خدا نے اس سے بھی مُنھ پھیر لیا[2]،

پند و نصائح کتنے ہی موثر طریقہ سے بیان کیے جائین لیکن ہمیشہ سنتے سنتے آدمی اکتا جاتا ہی، اور نصائح بے اثر ہوجاتے ہین، اِس بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) وعظ و نصائح کی مجالس ناغہ دیکر منعقد فرماتے تھے، بخاری مین ابن مسعود سے روایت ہے،

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یتخولنا بالموعظة فی الایام کراھة السآمة علینا

آنحضرت صلعم ہم لوگون کو ناغہ دے کر نصیحت فرماتے تھے کہ ہم لوگ اکتا نہ جائین،

عورتون کے لیے مخصوص مجلس | ان مجالس کا فیض زیادہ تر مَردون تک محدود تھا، اور عورتون کو موقع کم ملتا تھا اِس بنا پر عورتون نے درخواست کی کہ ہمارے لیے خاص دن مقرر فرمایا جاے، آنحضرت صلعم نے یہ درخواست منظور کی اور اُن کے وعظ و ارشاد کے لیے ایک خاص دن مقرر ہوگیا[3]،

---

[1] سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۲ [2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۰ کتاب العلم، [3] بخاری کتاب العلم،

اگرچہ مسائل شرعیہ کے متعلق ہر قسم کے سوالات کی اجازت تھی، اور خاتونانِ حرم وہ مسائل دریافت کرتی تھین جو خاص پردہ نشینون سے تعلق رکھتے ہین، تاہم جب کوئی پردہ کا واقعہ مجلس عام مین سوال کی غرض سے پیش کیا جاتا تو فرطِ حیا سے آپ کو ناگوار ہوتا،

اس قسم کی پردے کی بات مرد بھی مجمعِ عام مین پوچھتے تو آپ کو تکدّر ہوتا، ایک دفعہ ایک انصاری نے (جنکا نام عاصم تھا) مجلسِ عام مین پوچھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو غیر کے ساتھ دیکھ لے تو کیا حکم ہی؟ آنحضرت صلعم کو ناگوار ہوا، اور آپ نے انکو ملامت کی[۱]،

طریقۂ ارشاد (کبھی کبھی آپ خود امتحان کے طور پر حاضرین سے کوئی سوال کرتے، اِس سے لوگون کی جودتِ فکر اور اصابت راے کا اندازہ ہوتا، حضرت عبداللہ بن عمر کا بیان ہی کہ ایک دفعہ آپ نے پوچھا، وہ کونسا درخت ہی جسکے پتے جھڑتے نہین، اور جو مسلمانون سے مشابہت رکھتا ہے، لوگون کا خیال جنگلی درختون کی طرف گیا، میرے ذہن مین آیا کہ کھجور کا درخت ہوگا، لیکن مین کمسن تھا اِس لیے جرأت نہ کرسکا، بالآخر لوگون نے عرض کی کہ حضور بتائین، ارشاد فرمایا، "کھجور"، عبداللہ بن عمر کو تمام عمر حسرت رہی کہ کاش مین نے جرأت کرکے اپنا خیال ظاہر کردیا ہوتا[۲]،

ایک روز آپ مسجد مین تشریف لائے، صحابہ کے دو حلقے قایم تھے، ایک قرآن خوانی اور ذکر و دعا مین مشغول تھا، اور دوسرے حلقہ مین علمی باتین ہو رہی تھین، آپ نے فرمایا دونون عمل خیر کر رہے ہین، لیکن خدا نے مجکو صرف معلّم بنا کر مبعوث کیا ہے، یہ کہکر علمی حلقہ مین بیٹھ گئے[۳]،

اِن مجالس مین دقیق مباحث کو جنکی تہ تک عوام نہین پہنچ سکتے ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک روز صحابہ کی مجلس مین مسئلہ تقدیر پر گفتگو ہو رہی تھی، آپ نے سنا تو حجرے سے نکل آئے، آپ کا چہرہ اس قدر سُرخ ہوگیا تھا گویا عارض مبارک پر کسی نے انار کے دانے نچوڑ دیئے ہین، آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کیا تم اسی لیے پیدا کیے گئے ہو؟ قرآن کو باہم ٹکرا رہے ہو، گذشتہ اُمتین انہی باتون سے برباد ہوئین[۳]،

۱؎ بخاری کتاب العلم، ۲؎ سنن ابن ماجہ صفحہ ۲۱ باب فضل العلماء، ۳؎ سنن ابن ماجہ صفحہ ۹ باب القدر،

اِن مجالس کا مقصد یہ بھی تھا کہ صحابہ جن مسایل مین باہم اختلاف کرتے آنحضرت صلعم ان کا صحیح فیصلہ کردیتے، مثلاً شہرت طلبی، اور جاہ پرستی خلوص عمل کے منافی سمجھی جاتی ہے، اور خود صحابہ کے زمانے مین بھی سمجھی جاتی تھی، چنانچہ آنحضرت صلعم کی مجلس مین دو شخصون نے اس مسئلہ مین گفتگو کی، ایک نے کہا اگر ہم نے دشمن سے مقابلہ کیا، اور ایک شخص نے فخریہ یہ کہکے نیزہ مارا کہ "میرا وار لینا مین غفاری جوان ہون"، تو اس مین تمہاری کیا راے ہے؟ مخاطب نے جواب دیا میری راے مین کچھ ثواب نہ ملے گا، تیسرے آدمی نے یہ گفتگو سنکر کہا میرے نزدیک اس مین کوئی حرج نہین، اس پر دونون مین اختلاف ہوا، آنحضرت صلعم نے انکی گفتگو سنی تو فرمایا، ثواب اور شہرت دونون مین کوئی مخالفت نہین[1]۔

عام خیال یہ تھا کہ قواے عملیہ کے بیکار کردینے کا نام تقدیر ہے، تقدیر مین جو کچھ لکھا ہوگا اس کو کوئی عملی طاقت مٹا نہین سکتی، لیکن آنحضرت صلعم نے ایک مجلس مین جو اتفاقاً منعقد ہوگئی تھی، اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ اعمال تو خود تقدیر ہین، انسان کو خدا جن اعمال کی توفیق دیتا ہے وہی اس کا نوشتۂ تقدیر ہین، اس لیے توکل قوتِ عمل کے بیکار کردینے کا نام نہین، چنانچہ صحابہ ایک جنازہ مین شریک تھے، آنحضرت صلعم تشریف لائے اور صحابہ جمع ہوگئے آپکے ہاتھ مین ایک چھڑی تھی، اس سے زمین کریدنے لگے، پھر فرمایا تم مین کوئی ایسا نہین ہی جسکی جگہ جنت یا دوزخ مین لکھی نہ جاچکی ہو، ایک شخص نے کہا تو ہم اپنی تقدیر پر توکل کرکے عمل کیون نہ چھوڑدین، جو شخص سعادتمند ہوگا، وہ خود بخود سعادتمندون مین داخل ہوجائے گا، اور جو شخص بدبخت ہوگا وہ بدبختون سے ملجائے گا، آپ نے فرمایا سعادتمند وہ لوگ ہین جنکو سعادتمندون کے عمل کی توفیق دیجاتی ہے، اور بدبخت وہ ہین جنکے لیے شقاوت کے کام کے اسباب جمع ہوجاتے ہین[2]۔

مجالس مین شگفتہ مزاجی (باوجود اس کے کہ اِن مجالس مین صرف ہدایت، ارشاد، اخلاق اور تزکیہ نفوس کی باتین ہوتی تھین، اور صحابہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین اسطرح بیٹھتے تھے، کَاَنَّ الطَّیرَ فَوقَ رؤسھم تاہم یہ مجلسین شگفتہ مزاجی کے اثر سے خالی نہ تھین، ایک دن آپ نے ایک مجلس مین بیان فرمایا کہ جنت مین خدا سے ایک

---

[1] ابوداود جلد ۲ صفحہ ۱۱۳، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۳۸۰، تفسیر وکذب بالحسنیٰ،

شخص نے کھیتی کرنے کی خواہش کی، خدا نے کہا کیا تمھاری خواہش پوری نہین ہوئی ہے، اس نے کہا ہان، لیکن مین چاہتا ہون کہ فوراً بوؤن اور ساتھ ہی طیار ہو جائے، چنانچہ اُس نے بیج ڈالے، فوراً دانہ اُگا، بڑھا، اور کاٹنے کے قابل ہوگیا، ایک بدّو بیٹھا ہوا تھا، اُس نے کہا یہ سعادت صرف قریشی یا انصاری کو نصیب ہوگی جو زراعت پیشہ ہین، لیکن ہم لوگ تو کاشتکار نہین، آپ ہنس پڑے[۱]،

ایک دفعہ ایک صاحب خدمت مین حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ مین تباہ ہوگیا، ارشاد ہوا کیون، بولے مین نے رمضان مین بیوی سے ہمبستری کی، آپ نے فرمایا ایک غلام آزاد کرو، بولے غریب ہون غلام کہان سے لاؤن، ارشاد ہوا دو مہینے کے روزے رکھو، بولے، یہ مجھ سے ہو نہین سکتا، فرمایا ساٹھ مسکینون کو کھانا کھلاؤ، بولے اتنا مقدور نہین، اتفاق سے کہین سے زنبیل بھر کر کھجورین آگئین، آپ نے فرمایا لو غریبون کو خیرات کرآؤ، عرض کی اُس خدا کی قسم جسنے آپ کو پیغمبر بنایا، سارے مدینہ مین مجھ سے بڑھ کر کوئی غریب نہین، آپ بیساختہ ہنس پڑے، اور فرمایا اچھا تم خود ہی کھالو[۲]"

فیض صحبت | (ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ نے عرض کی کہ ہم جب خدمتِ اقدس مین حاضر ہوتے ہین تو دنیا ہیچ معلوم ہوتی ہے لیکن جب گھر مین بال بچون مین بیٹھتے ہین تو حالت بدل جاتی ہے، آپ نے فرمایا اگر ایک سا حال رہتا تو فرشتے تمھاری زیارت کو آتے[۳]"

ایک دفعہ حضرت حنظلہؓ خدمت اقدس مین آئے اور کہا یارسول اللہ مین منافق ہوگیا، مین جب خدمت مین حاضر ہوتا ہون اور آپ دوزخ وجنت کا ذکر فرماتے ہین تو یہ چیزین آنکھون کے سامنے آجاتی ہین۔ لیکن بال بچون مین آکر سب بھول جاتا ہون، ارشاد ہوا کہ اگر باہر نکلکر بھی وہی حالت رہتی تو فرشتے تم سے مصافحہ کرتے[۴])

---

[۱] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۲۱ باب کلام الرب مع اہل الجنۃ۔ [۲] بخاری صفحہ ۸۰۰ باب نفقۃ المعسر علے اہلہ۔ [۳] ترمذی شریف باب ماجاء فی صفۃ الجنۃ ونعیمہا، امام ترمذی کے نزدیک یہ حدیث قوی نہین۔ [۴] ترمذی ابواب الزہد۔

خطابتِ نبوی

(خطابت[۱] اور تقریر، نبوت کا نہایت ضروری عنصر ہے، اسی بنا پر جب خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا تو ان کو یہ دعا مانگنی پڑی،

وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي، خداوندا میری زبان کی گرہ کھول کہ لوگ میری بات سمجھیں۔

لیکن سیدالانبیاؑ کو خود بارگاہِ الٰہی سے یہ وصف کامل عطا کیا گیا تھا، چنانچہ آپ نے تحدیثِ نعمت کے طور پر فرمایا،

انا افصح العرب، مین فصیح ترین عرب ہون،

بُعِثْتُ بجوامع الکلم مین کلمات جامعہ لیکر مبعوث ہوا ہون،

عرب مین اگرچہ ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت کا مدعی تھا، تاہم تمام عرب مین دو قبیلے اس وصف مین نمایان امتیاز رکھتے تھے، قریش اور بنو ہوازن، قریش خود آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا قبیلہ تھا، اور بنو ہوازن کے قبیلہ مین آپ نے پرورش پائی تھی، اس لیے آپ نے ارشاد فرمایا ہے،

انا اعربکم انا من قریش ولسانی لسان بنی سعد بن بکر[۲] مین تم مین فصیح تر ہون، قریشی ہون، اور میری زبان بنو سعد[۳] کی زبان ہے،

طرز بیان آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نہایت سادہ طریقہ پر خطبہ دیتے تھے، آپ جب اپنے حجرے سے خطبہ دینے کے لیے نکلتے تھے، تو سلاطین کی طرح نہ آپ کے ساتھ چاؤش ہوتے تھے، نہ آپ خطباء کا لباس پہنتے تھے، ہاتھ مین صرف ایک عصا ہوتا تھا، اور کبھی کبھی کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے۔[۴] ابن ماجہ مین ہے کہ مسجد مین جب آپ خطبہ دیتے تو دستِ مبارک مین عصا ہوتا تھا، اور میدان جنگ مین خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو کمان پر ٹیک لگاتے تھے،

---

۱ اضافہ تا ختم باب، ۲ طبقات ابن سعد جلد ا صفحہ ۱، ۳ بنو سعد قبیلہ ہوازن کی ایک شاخ ہے ۴ ابوداود جلد اول کتاب الصلوٰۃ ابواب الجمعۃ والخطبۃ علی قوس

جمعہ اور عید کا خطبہ تو متعین تھا لیکن اسکے علاوہ خطبہ کا کوئی وقت مقرر نہ تھا، جب ضرورت پیش آتی، آپ فی البدیہ خطبہ کے لیے تیار ہو جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ آپ نے زمین پر منبر پر۔ اونٹ پر جس جگہ جیسا موقع پیش آیا ہے خطبہ دیا ہے۔ ضرورت کے لحاظ سے اگرچہ آپ کو کبھی کبھی طویل خطبہ بھی دینا پڑتا تھا تاہم آپکے خطبے عموماً مختصر ہوتے تھے، عام نصائح اور پند کی باتین گو آپ اخباری فقرون مین بیان فرماتے لیکن جب کلام کو خاص طور پر مؤثر بنانا ہوتا تھا تو خطبہ کو عموماً سوال کی صورت مین شروع فرماتے تھے، غزوۂ حنین مین آپ نے انصار کے سامنے جو خطبہ دیا وہ اول سے آخر تک سوال وجواب ہے، خطبۂ حجۃ الوداع وغیرہ اور تمام خطبات مین جیسا کہ آگے آتا ہے یہ خصوصیت نمایان ہے۔ جوشِ بیان کا یہ حال تھا کہ آنکھیں سُرخ اور آواز نہایت بلند ہو جاتی تھی۔ غصہ بڑھ جاتا تھا، اُنگلیان اُٹھتی جاتی تھین۔ گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ آپ کسی فوج کو جنگ کے لیے اُبھار رہے ہین[۱]، جوشِ بیان مین جسد مبارک جھوم جھوم جاتا تھا[۲]، ہاتون کو حرکت دینے سے پٹھون کے تڑخنے کی آواز آتی تھی[۳]، کبھی مٹھی بند کر لیتے تھے، کبھی کھول دیتے تھے، حضرت عبداللہ بن عمر نے اس قسم کی پر جوش حالت کی نہایت صحیح تصویر ان الفاظ مین کھینچی ہے۔

سمعت رسول اللہ صلعم علی المنبر یقول یاخذ الجبار سمٰوٰاتہ وارضہ بیدہ وقبض یدہ فجعل یقبضہا ویبسطہا ..... قال ویتمائل رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن یمینہ وعن شمالہ حتی نظرت الی المنبر یتحرک من اسفل شئ منہ حتی انی لاقول اساقط ھو برسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (ابن ماجہ ذکر المبعث)

آنحضرت کو منبر پر خطبہ دیتے سنا فرما رہے تھے کہ خداوند صاحب جبروت آسمان وزمین کو اپنے ہاتھ مین لے لیگا، یہ بیان کرتے ہوئے آپ مٹھی بند کر لیتے تھے اور پھر کھول دیتے تھے..... آپ کا جسم مبارک کبھی دائین کبھی بائین جھکتا جاتا تھا۔ یہانتک کہ مین نے منبر کو دیکھا تو اس کا سب سے نچلا حصہ بھی اس قدر ہل رہا تھا کہ مین نے خیال کیا کہ آپ کو لے کر گر تو نہین پڑے گا۔

آنحضرت کی خطبات کی نوعیت | احادیث کی کتابون مین آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے خطبات اور اُنکے جستہ جستہ

---

[۱] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ صفحہ ۳۱۹ جلد اول [۲] ابن ماجہ ذکر المبعث [۳] مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۰۲،

فقرے بغیر کسی خاص ترتیب کے جمع کر دیئے گئے ہین لیکن آنحضرت صلعم کی مختلف حیثیتین تھین، اور اس کا اثر آپ کے طرزِ بیان پر پڑتا تھا، آپ داعی مذہب تھے، فاتح تھے، واعظ تھے، امیر الجیش تھے، قاضی تھے، پیغمبر تھے، اِس اختلافِ حیثیت نے آپ کے خطابت اور زورِ بیان مین نہایت اختلاف پیدا کر دیا ہے، اور بلاغت کا اقتضا بھی یہی ہے، آپ بحیثیت داعی مذہب ہونے کے جو خطبہ دیتے تھے اُس مین نہایت زور اور جوش پیدا ہو جاتا تھا، اور اُسوقت آپ کی حیثیت بالکل ایک امیر الجیش کی ہوتی تھی، چنانچہ جسوقت یہ آیت نازل ہوئی،

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ — اپنے اقربا کو ڈراؤ،

آپ نے تمام قریش کو جمع کر کے ایک خطبہ دینا چاہا، ابولہب کی شقاوت نے اگرچہ اس خطبہ کو پورا نہین ہونے دیا، تاہم آپ کی زبان سے اس موقع پر جو چند جملے نکل گئے اُس سے آپ کے زورِ بیان کا اندازہ ہو سکتا ہے، آپنے صفا پر چڑھ کر پہلے پکارا "یا صباحاہ" یہ وہ لفظ ہے جو عرب مین اُسوقت بولا جاتا ہی جب صبح کے وقت کوئی قبیلہ کسی قبیلہ پر دفعتہً غارتگری کے لیے ٹوٹ پڑتا ہی، تمام لوگ یہ لفظ سنکر چونک اُٹھے اور آپ کے گرد جمع ہو گئے، آپ نے فرمایا،

ارأیتم ان اخبرتکم ان خیلاً تخرج من سفح	بتاؤ اگر مین تمھین یہ خبر دون کہ اس پہاڑ کے دامن سے ایک
ھذا الجبل اکنتم مصدّقیّ	فوج نکلا چاہتی ہے تو کیا تم میری تصدیق کروگے،

سب نے جواب دیا، اب تک آپ کی نسبت ہمکو کسی قسم کی دروغگوئی کا تجربہ نہین ہوا ہے، جب آپ نے یہ اقرار لے لیا تو فرمایا،

إِنِّي نَذِيرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ — مین تمہین ایک ایسے سخت عذاب سے ڈراتا ہون جو تمہارے سامنے ہے،

ابولہب نے نہایت استخفاف کے ساتھ کہا، کیا ہم سبھون کو اسی لیے جمع کیا تھا، یہ کہکر چل کھڑا ہوا[1]،

غزوۂ حنین مین آپ نے تمام مال غنیمت مؤلفۃ القلوب کو دیدیا اور انصار بالکل محروم رہ گئے، تو چند نوجوانونکو

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۴۳، تفسیر سورۂ تبّت،

یہ نہایت ناگوار ہوا، اور اُنھون نے کہا "خدا پیغمبر کی مغفرت کرے، قریش کو دیتا ہی اور ہمکو چھوڑ دیتا ہی، حالانکہ ہماری تلوارون سے خون ٹپک رہا ہی" آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو تمام انصار کو ایک خیمہ مین جمع کرکے اصل حقیقت دریافت فرمائی لوگون نے کہا "چند نوجوانون نے یہ کہا ہے، لیکن ہم مین جو لوگ صاحب الرائے اور سردار ہین اُنھون نے ایک لفظ بھی نہین کہا" اب آپ نے اس موقع پر کھڑے ہوکر ایک خطبہ دیا،

یا معشر الانصار الم اجدکم ضلالا فھداکم	اے گروہ انصار کیا مین نے تمکو گمراہ نہین پایا پس خدا نے میری
اللّٰہ بی وکنتم متفرقین فالّفکم اللّٰہ بی وعالۃً	وجہ سے تمھین ہدایت دی، تم متفرق تھے، خدا نے میری
فاغناکم اللّٰہ بی،	وجہ سے تمکو مجتمع کردیا، تم محتاج تھے، خدا نے میری وجہ سے تمکو غنی کردیا۔

انصار ہر بات پر کہتے جاتے تھے "خدا اور اُس کا رسول بہت امین ہے" آپنے فرمایا "یہ کیون نہین کہتے کہ اے محمد! تم اس حالت مین آئے تھے کہ لوگ تمھاری تکذیب کرتے تھے، ہمنے تمھاری تصدیق کی، تمھارا کوئی مددگار نہ تھا ہم نے تمھاری مدد کی، تم گھر سے نکالے ہوئے تھے، ہمنے تمکو گھر دیا، تم محتاج تھے، ہمنے تمھاری غمخواری کی" اِسکے بعد آپ نے اصل اعتراض کا جواب دیا،

اترضون ان یذھب الناس بالشاۃ والبعیر	کیا تم یہ نہین پسند کرتے کہ لوگ اونٹ اور بکریان لیکے جائین اور
وتذھبون بالنبی الی رحالکم فواللّٰہ	تم اپنے گھرون مین خود پیغمبر کو لیکر جاؤ، خدا کی قسم تم لوگ جو لیکر واپس
لما تنقلبون بہ خیر مما ینقلبون	جاتے ہو وہ اُس سے بہتر ہی جسکو تمام لوگ لیکر جاتے ہین۔

اِس پر تمام انصار پکار اُٹھے "رضینا" یعنی ہم سب راضی ہین[1]۔

اس خطبہ کے وجوہِ بلاغت پر اگر غور کیا جائے تو ایک مختصر سا رسالہ طیار ہوسکتا ہے،

فاتحانہ حیثیت سے آپنے صرف فتح مکہ کے موقع پر ایک تقریر کی تھی جس کے جستہ جستہ فقرے احادیث کی کتابون مین مذکور ہین، مکہ عرب کے نزدیک نہایت مقدس شہر تھا حرم ایک دارالامان تھا جس مین کبھی خونریزی

[1] صحیح بخاری غزوۂ حُنین۔

نہین ہوسکتی تھی، فتح مکہ مین سب سے پہلے اُسکے دامنِ عظمت پر خون کا دھبّہ لگایا گیا، اور چونکہ مذہب کے ہاتھ سے لگایا گیا تھا، اس لیے خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ ہمیشہ کے لیے اس کا یہ احترام نہ مٹ جائے، آنحضرت صلعم کو انہی دونون پہلوؤن پر اپنی تقریر مین زور دینا تھا، چنانچہ آپنے بہ ترتیب انہی کی طرف توجہ کی، سب سے پہلے آپ نے صحابہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا،

ان اللہ حرم مکۃ یوم خلق السموات	خدا نے جسدن آسمان اور زمین کو پیدا کیا، اُسی دن مکہ کو حرام
والارض فھی حرام بحرام اللہ الی یوم القیٰمۃ لم	کر دیا، پس وہ بہ حرمت خدا حرام ہے، وہ میرے پہلے نہ کسی پر
تحل لاحد قبلی ولا تحل لاحد بعدی ولم تحلل	حلال ہوا، اور نہ میرے بعد حلال ہوگا، اور میرے لیے بھی بجز چند گھنٹون
لی قط الا ساعۃ من الدھر لا ینفر صیدھا ولا	کے ہرگز حلال نہین ہوا، نہ اسکے شکار رونکو بدکایا جاسکتا، نہ اسکا
یعضد شوکھا ولا یختلی خلاھا ولا تحل لقطتھا	کانٹا کاٹا جاسکتا۔ نہ اسکی گھاس کاٹی جاسکتی۔ نہ اسکی گم شدہ
الا لمنشد۔	چیز حلال ہوسکتی۔ بجز اس شخص کے جو اس کو ڈھونڈھ رہا ہے،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا سب سے مہتم بالشان خطبہ وہ ہی جو آپنے حجۃ الوداع مین دیا تھا، یہ خطبہ صرف احکام کا ایک سادہ مجموعہ ہے، جس کو قدرۃً خشک اور رُوکھا پھیکا ہونا چاہیے، تاہم سلاست، روانی، اور شستگی الفاظ کے لحاظ سے یہ خطبہ بھی اور خطبون سے کم نہین۔ آپ نے حمد و نعت کے بعد اس خطبہ کی اہمیت اس طرح ظاہر کی،

ایھا الناس اسمعوا فانی لا ادری لعلی لا القاکم	لوگو سنو! کیونکہ شاید مین اس سال کے بعد اس جگہ، اس
بعد عامی ھذا فی موقفی ھذا، فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا،	مہینہ مین۔ اس شہر مین تم سے نہ ملسکون۔

سادہ سا جملہ یہ تھا کہ "غالباً یہ میری عمر کا آخری سال ہے"، لیکن اس تفصیل اور اس پیرایۂ بیان نے اس مفہوم کو اور بھی زوردار بنا دیا ہے، آپ نے فرمایا کہ مسلمانون کی عزت، آبرو، جان، مال، سب مسلمانون پر حرام ہے، اِس مطلب کو اس بلیغ طریقہ سے ادا کیا ہے،

اتدرون ای یوم ھذا قالوا اللہ و رسولہ — کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہی؟ لوگون نے کہا خدا او

اعلم قال فان ھذا یوم حرام افتدرون — رسول کو اس کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا یہ یوم الحرام ہی،

ای بلد ھذا، قالوا اللہ و رسولہ اعلم قال — کیا جانتے ہو یہ کونسا شہر ہی۔ لوگون نے کہا خدا اور رسول کو

بلد حرام قال اتدرون ای شہر ھذا قالوا — اسکا علم ہی، آپنے فرمایا بلد الحرام ہی، کیا جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہی، لوگون

اللہ و رسولہ اعلم قال شہر حرام، — نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہی آپنے فرمایا شہر حرام ہی،

اِس طرح جب لوگون کے دل مین اس دن، اس مہینہ اور اس شہر کی حرمت کا خیال تازہ ہوگیا تو آپ نے اصل مقصود کو بیان فرمایا،

ان اللہ حرم علیکم دماءکم و اموالکم و اعراضکم — خدا نے تمہارا خون، تمہارا مال، تمہاری آبرو تم پر اس

کحرمۃ یومکم ھذا فی شہرکم ھذا فی بلدکم — مہینہ مین اس شہر مین اس دن کی حرمت کی

ھذا، لا ترجعوا بعدی کفارًا یضرب بعضکم — طرح حرام کیا۔ میرے بعد کافر ہو جانا کہ تم مین

رقاب بعض، — ہر ایک دوسرے کی گردن مارے۔

آپ نے اِن الفاظ مین مساوات کی تعلیم دی ہے۔

ان ربکم واحد و ان اباکم واحد کلکم من آدم — تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم

و آدم من تراب اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ — مٹی کے تھے خدا کے نزدیک تم مین شریف تر وہ ہی جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

عرب کا عام ذریعۂ معاش غارت گری تھی، لیکن شہر حرم کے چار مہینے تک وہ لوگ بیکار نہین رہ سکتے تھے اِسلیے ان مہینون کو ادل بدل کیا کرتے تھے جسکو نسئی کہتے ہین، قرآن مجید نے اُسکی ممانعت کی،

اِنَّمَا النَّسِیْءُ زِیَادَۃٌ فِی الْکُفْرِ — نسئی کفر مین اضافہ کرتی ہے۔

آپ نے اپنے خطبہ مین اس کا اعلان ان الفاظ مین فرمایا۔

ان الزمان قد استدار کھیئتہ یوم خلق اللہ — زمانہ ہر پھر کے پھر اُسی مرکز پر آگیا جیسا کہ اس دن تھا

السموٰات والارض — جب خدانے آسمان وزمین کو پیدا کیا تھا،

اِن حیثیتون کے علاوہ آپ کی حیثیت ایک معلم اور واعظ کی تھی، آپنے اس حیثیت سے جو خطبے دیے ہین وہ اگرچہ نہایت سادہ ہین تاہم اُن مین بھی بلاغت کا اسلوب موجود ہے، ایک اخلاقی واعظ کے لیے پیچدار ترکیب، شاندار الفاظ، اور تشبیہ و استعارہ کی ضرورت نہین ہوتی، اُسکو صرف سادہ الفاظ، واضح جملے اور مختصر ترکیبون سے مطالب کو ذہن نشین کرنا پڑتا ہے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اس حیثیت سے جو خطبے دیئے ہین، وہ تمامتر اسی قسم کے ہین،

مدینہ آکر سب سے پہلا فقرہ جو زبانِ مبارک سے نکلا، یہ تھا،

يا ايها الناس، افشوا السلام، واطعموا الطعام، و
صلوا والناس نيام، تدخلوا الجنة بسلام،

لوگو! سلام پھیلاؤ، کھانا کھلایا کرو، نماز پڑھا کرو، جب اور لوگ
سوتے ہون، جنت مین سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے،

مدینہ مین جو سب سے پہلا جمعہ آپنے پڑھا ہے، ابن اسحاق کی روایت کے مطابق حمد وثنا کے بعد اُسمین آپنے یہ خطبہ دیا تھا،

اما بعد ايها الناس فقدموا لانفسكم تعلمنّ واللّٰه
ليصعقن احدكم ثم ليدعن غنمه ليس لها
راع ثم ليقولن له ربّه ليس له ترجمان ولا
حاجب يحجبه دونه الم ياتك رسولي فبلغك
وآتيتك مالا وافضلت عليك فما قدمت
لنفسك، فلينظرنّ يمينا وشمالا فلا يرى
شيئا ثم لينظرنّ قدامه فلا يرى غير
جهنّم فمن استطاع ان يتقي بوجهه من النار
ولو بشق من تمرة فليفعل ومن لم يجد فبكلمة
طيبة فانها تجزى الحسنة بعشر امثالها الى

حمد وثنا کے بعد، اے لوگو! اپنے لیے پہلے سے سامان کرلو، تمکو معلوم
ہوجائیگا، کہ خدا کی قسم تم مین سے ایک جب اپنے ہوش وحواس کھو چکے گا، اور اپنی
بکریون (مال و دولت) کو چھوڑ جائیگا، جنکا کوئی نگہبان نہوگا۔ پھر خدا
اُس کے لیے بیچ مین نہ کوئی ترجمان ہوگا نہ دربان ہی جو روکے گا، اُس سے
کہیگا کہ کیا تیرے پاس میرا فرستادہ نہین آیا، اور میرا پیغام نہین
پُہنچایا، اور مین نے تجکو دولت نہین دی، اور حاجت سے
زیادہ نہین عطا کیا، تو، تو نے اپنے لیے پہلے سے کیا سامان کیا۔
اُسوقت وہ بندہ داہنے بائین دیکھیگا تو اسکو کچھ نظر نہین آئیگا۔ اپنے سامنے دیکھے گا
تو جہنم کے سوا اسکو کوئی چیز نظر نہین آئیگی۔ پس جسکو قدرت ہو وہ اپنے کو اس
آگ سے بچائے گو چھوہارے کے ایک ٹکڑہ ہی سے کیون نہو، کسی کے پاس یہ بھی نہو

سبع مائۃ ضعف، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

تو ایک اچھی اور خوش اخلاقی کی بات ہی ہے۔ کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ دہ گونہ بلکہ ہفتصد گونہ دیا جائیگا، تمپر خدا کی سلامتی اور اُسکی رحمت و برکت نازل ہو،

اسکے بعد دوسری دفعہ آپ نے فرمایا،

الحمد للہ احمدہ واستعینہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیآت اعمالنا من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ، واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ، ان احسن الحدیث کتاب اللہ قد افلح من زینہ اللہ فی قلبہ وادخلہ فی الاسلام بعد الکفر فاختارہ علی ما سواہ من احادیث الناس انہ احسن الحدیث وابلغہ، احبوا ما احب اللہ، احبوا اللہ من کل قلوبکم، ولا تملوا کلام اللہ وذکرہ ولا تقس عنہ قلوبکم فاعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً واتقوہ حق تقاتہ وصدقوا اللہ صالح ما تقولون بافواھکم وتحابوا بروح اللہ بینکم ان اللہ یغضب ان ینکث عھدہ، والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خدا کی حمد ہو، مین خدا کی حمد کرتا ہون اور اس کے دامن مین اپنے نفس کی بُرائیون اور اپنے اعمال کی خرابیون سے پناہ چاہتے ہین۔ جسکو خدا ہدایت دے اسکو کوئی گمراہ نہین کرسکتا، اور جسکو وہ ہدایت نہ کرے اُسکی کوئی رہنمائی کرنیوالا نہین۔ مین گواہی دیتا ہون کہ خدا کے سوا کوئی اور معبود نہین، وہی تنہا ہی کوئی اس کا شریک نہین۔ بہترین کلام خدا کی کتاب ہے، کامیاب ہوا وہ جسکے دلکو خدا نے اس سے آراستہ کیا، اور اس کو کفر کے بعد اسلام مین داخل کیا۔ انسانون کی باتون کو چھوڑ کر خدا کے کلام کو پسند کیا، کیونکہ خدا کا کلام سب سے زیادہ بہتر اور سب سے زیادہ پُراثر ہے۔ جسکو خدا دوست رکھتا ہی تم بھی دوست رکھو، اور خدا کو دل سے پیار کرو، اور اُسکے کلام اور ذکر سے کبھی نہ تھکو، اور تمہارے دل اُسکی طرف سے سخت نہون، پس خدا ہی کو پوجو اور کسی کو اسکا ساجھی نہ بناؤ، اور اُس سے ڈرو جیسا کہ ڈرنیکا حق ہے، اور خدا سے سچی بات کہو، اور آپسمین ایک دوسرے کو ذات الٰہی کے واسطہ سے پیار کرو، خدا اس سے ناراض ہوتا ہی کہ کوئی اپنے عہد کو پورا نہ کرے۔ تمپر خدا کی سلامتی اور رحمت اور برکت نازل ہو۔

ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے خطبہ دیا جس مین صرف پانچ باتین بیان کین۔

ان اللہ لا ینام ولا ینبغی لہ ان ینام، یخفض القسط

ہان خدا سوتا نہین اور نہ سونا اسکی ذات کے شایان شان ہے

ویرفعہ، یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النہار وعمل النہار قبل عمل اللیل حجابہ النور (صحیح مسلم روایۃ اللہ تعالیٰ) وہی قسمت کو پست و بلند کرتا ہی۔ رات کے اعمال اسکو دن سے پہلے پہنچ جاتے ہین۔ اور دن کے اعمال رات سے پہلے۔ خدا کا پردہ نور ہے۔

جمعہ کے خطبہ مین عموماً زہد و رقاق، حسن اخلاق، خوف قیامت، عذاب قبر، توحید و صفات الٰہی بیان کرتے تھے، ہفتہ مین کوئی مہتم بالشان واقعہ پیش آتا تھا تو اُسکے متعلق ہدایات فرماتے تھے، اکثر ایسا بھی کرتے کہ نئے خطبہ کے بجاے قرآن مجید کی کوئی انھین مضامین کی موثر سورت ق وغیرہ پڑھ دیا کرتے، یہ سورہ آپ جمعہ کے خطبہ مین اکثر اور بیشتر پڑھا کرتے تھے، عید کے خطبہ مین ان مضامین کے علاوہ صدقہ پر خاص طور پر زور دیتے تھے، اتفاقی خطبے ضرورت کے موقعون پر دیا کرتے تھے اور ان مین مقتضائے وقت کے مناسب مطالب بیان فرماتے تھے، ایک دفعہ آفتاب مین گہن لگا، اتفاق سے اسی دن آپکے کمسن فرزند حضرت ابراہیم نے وفات پائی تھی، مزعومات عرب کے مطابق لوگون نے کہا کہ یہ گہن اسی لیے لگا ہی، آپ نے اسموقع پر حسب ذیل خطبہ دیا:

اما بعد یا ایہا الناس انما الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ وانہما لا ینکسفان لموت احد من الناس، ما من شیئٍ لم اکن رأیتہ الا قد رأیتہ فی مقامی ھذا حتی الجنۃ والنار، وانہ قد اوحی الی انکم تفتنون فی القبور مثل فتنۃ الدجال فیوتی احدکم فیقال ما علمک بھذا الرجل فاما الموقن فیقول ھو محمد ھو رسول اللہ جاء بالبینات والھدیٰ فاجبنا واطعنا، اما المرتاب فیقول لا ادری سمعت الناس یقولون شیئاً فقلت، انہ عرض علے کل شیئ تولجونہ فعرضت علے الجنۃ حتی لوتناولت منہا قطفا اخذتہ فقصرت

حمد و ثنا کے بعد، لوگو! آفتاب و ماہتاب خدا کی دو نشانیان ہین وہ کسی کے مرنے سے تاریک نہین ہوتے، جس چیز کو مین نے پہلے نہین دیکھا تھا، اسکو یہین دیکھ لیا یہانتک کہ جنت و دوزخ کو بھی، اور ہان مجھے وحی کی گئی ہے کہ تم قبرون مین آزمائے جاؤگے، جسطرح دجال سے آزمائے جاؤگے، تم مین سے ہر شخص کے پاس ایک آنیوالا آئیگا اور پوچھے گا کہ اس شخص (یعنی خود آنحضرت صلعم) کی نسبت کیا جانتے ہو، یقین والے کہینگے یہ محمد ہین یہ خدا کے رسول ہین جو نشانیان اور ہدایتین لیکر آئے، تو ہم نے انکو قبول کیا اور انکی پیروی کی، اور متشکک کہینگے مین نہین جانتا لوگون کو جو کہتے سنا وہ کہدیا، میرے سامنے وہ تمام مقامات پیش ہوئے جنمین تم داخل ہوگے، تا آنکہ اگر مین چاہتا تو اسکا پھل توڑ لیتا لیکن میرا ہاتھ رک گیا، دوزخ میرے سامنے رونما

يدى عنه وعرضت على النار فرأيت فيها امرأة
تعذب فى هرة لها ربطتها فلم تطعمها ولم تدعها
تاكل من خشاش الارض، ورأيت ابا ثمامة عمرو
بن مالك يجر قصبه فى النار وانهم كانوا يقولون
ان الشمس والقمر لا يخسفان الا لموت عظيم وانه
آيتان من آيات الله يريكموهما فاذا خسفا فصلوا حتى تنجلى[1]،

کی گئی۔ مین نے اس مین ایک عورت کو دیکھا جسکو صرف اس لیے سزا
دیجارہی تھی کہ اُسنے ایک بلی کو باندھ رکھا تھا، نہ اُسکو خود کچھ کھانیکو دیتی تھی اور
نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین کی گری پڑی کوئی چیز کھائے۔ مین نے دوزخ مین
ابوثمامہ عمرو بن مالک کو دیکھا۔ یہ وہ لوگ تھے جو کہتے تھے کہ آفتاب و ماہتاب مین
کسی بڑے آدمی کی موت سے گہن لگتا ہے حالانکہ وہ تو خدا کی دو نشانیان
ہین جب تم گہن دیکھو تو نماز کے لیے کھڑے ہوجاؤ، تا آنکہ وہ صاف ہوجائے۔

ردّ بدعت اور اعتصام بالسنتہ مین آپکا یہ مختصر خطبہ بتغیر الفاظ حدیث کی اکثر کتابون مین منقول ہے۔

انما هما اثنتان الكلام والهدى فاحسن الكلام كلام
الله واحسن الهدى هدى محمد الا واياكم ومحدثات
الامور فان شر الامور محدثاتها وكل محدثة بدعة
وكل بدعة ضلالة الا لا يطولن عليكم الامد فيقسو
قلوبكم الا ان ما هو آت قريب وان البعيد ما ليس
بآت الا انما الشقى من شقى فى بطن امه والسعيد من
وعظ بغيره الا ان قتال المومن كفر وسبابه فسوق
ولا يحل لمسلم ان يهجر اخاه فوق ثلاث الا واياكم
والكذب۔ ابن ماجه (باب اجتناب البدع)

صرف دو باتین ہین، قول اور عملی طریقہ، تو عمدہ کلام خدا کا
کلام ہے اور عمدہ طریقہ محمد کا طریقہ ہے، خبردار (مذہب مین) نئی باتون سے بچو
نئی باتین بدترین چیزین ہین، ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت
گمراہی ہے، تمکو درازی عمر کا خیال نہ پیدا ہو کہ تمہارے دل سخت ہوجائین
جو چیز آنیوالی ہے وہ قریب ہے، دور وہ چیز ہے جو آنیوالی نہین ہے، بدبخت
اپنی ماں کے پیٹ مین بدبخت ہوتا ہے، خوش نصیب وہ ہے جو غیر سے موعظت
حاصل کرے۔ خبردار مسلمان سے لڑنا کفر۔ اور اس سے گالی گلوج کرنا فسق
ہے، مسلمان کے لیے جائز نہین کہ تین دن سے زیادہ اپنے بھائی
سے رنجیدہ رہے، ہان خبردار جھوٹ سے پرہیز کرنا،

اثر انگیزی (خطبات نبوی، تاثیر اور رقت انگیزی مین درحقیقت معجزۂ الٰہی تھے، پتھر سے پتھر دل بھی ان کو سنکر چند لمحون مین موم ہوجاتے تھے۔ مکہ مین ایک دفعہ آپ نے سورۂ والنجم کی آیتین تلاوت کرکے سنائین تو یہ اثر ہوا کہ آپ کے ساتھ مسلمان تو مسلمان بڑے بڑے کفار بھی سجدہ مین گرپڑے[2]،

[1] صحیح مسلم روایات مختلفہ
[2] صحیح بخاری تفسیر والنجم

آنحضرت صلعم کے زمانۂ جاہلیت کے ایک دوست جو جھاڑ پھونک کرنا جانتے تھے یہ سنکر کہ نعوذ باللہ آپ کو جنون ہی بغرض علاج آئے، آپ نے اُن کے سامنے مختصر سی تقریر کی، انھون نے کہا کہ محمد ذرا اس کو پھر تو دُہرانا، غرض آپنے کئی بار تقریر دُہرائی تو اخیر مین انھون نے کہا "مین نے شاعرونکے قصیدے اور کاہنون کے کلام سنے ہین لیکن یہ تو چیز ہی اور ہے"[1]

ایک دفعہ ایک نومسلم قبیلہ ہجرت کرکے مدینہ آیا، آپ نے انکی امداد کی ضرورت سمجھی، مسجد نبوی مین تمام مسلمان جمع ہوئے، تو آپ نے ایک خطبہ دیا، جس مین قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی کہ تمام انسان ایک ہی نسل سے ہین یعنی

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ، — اے لوگو! اُس خدا سے ڈرو جس نے ایک ہستی سے پیدا کیا۔

پھر سورۂ حشر کی یہ آیت تلاوت کی، وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ،

اسکے بعد فرمایا "درہم، کپڑا، غلہ، بلکہ چھوہارہ کا ایک ٹکڑا، جو ہو، راہ خدا مین دو"، مدینہ کے مسلمانون کی مالی حالت جیسی کچھ تھی وہ سیرت کے ہر صفحہ سے ظاہر ہے، لیکن با این ہمہ آپ کی رقت انگیز اور موثر تقریر سے یہ عالم پیدا ہوگیا کہ ہر صحابی کے پاس جو کچھ تھا اس نے سامنے رکھدیا، بعضون نے اپنے کپڑے اُتار دیے، کسی نے گھر کا غلہ لاکر دیدیا ایک انصاری گئے اور گھر سے اشرفیون کا ایک توڑا اُٹھالائے، جو اس قدر بھاری تھا کہ بمشکل اُن سے اُٹھ سکتا تھا راوی کا بیان ہے کہ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے سامنے غلہ، اور کپڑے کے دو بڑے بڑے ڈھیر لگ گئے، اور خوشی سے آپکا چہرہ کندن کی طرح دمکنے لگا،[2]

سخت سے سخت اشتعال انگیز اوقات مین آپکے چند فقرے معاملہ کو رفع دفع کرکے جوش محبت کا دریا بہا دیتے تھے، **اوس وخزرج** کی سالہا سال کی عداوتین اسی اعجاز کی بدولت مبدل بہ محبت ہوگئین، غزوہ بدر سے پہلے ایک دفعہ آپ سوار ہوکر نکلے، مسلمان اور منافقین یکجا بیٹھے ہوئے تھے، مسلمانون نے تو ادب سے سلام کیا لیکن منافقین نے ایک گستاخانہ فقرہ استعمال کیا، یہ چنگاری تھی جس نے خرمن مین آگ لگادی، قریب تھا کہ جنگ وجدل

---

[1] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوۃ وقصر الخطبہ، [2] صحیح مسلم باب الصدقہ،

برپا ہوجائے، لیکن آپ کے چند فقرون نے اس آگ پر پانی ڈال دیا۔[۱]

غزوہ مصطلق سے واپسی مین ایک واقعہ پر بعض منافقین نے اشتعال پیدا کیا اور بہت ممکن تھا کہ مہاجرین و انصار باہم دست وگریبان ہوجائین، کہ عین وقت پر آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی، آپ تشریف لاے تو اس طرح تقریر فرمائی کہ چند لمحون مین مہاجرین وانصار[۲] پھر شیر وشکر تھے، واقعۂ افک مین اوس وخزرج مین اسقدر اختلاف پیدا ہوا کہ خاص مسجد نبوی مین شاید تلوارین نیام سے نکل پڑتین آپ منبر پر تشریف فرما تھے، آپنے سلسلۂ تقریر کو جاری رکھا، اور اثر یہ تھا کہ برادرانہ محبت کی لہرین پھر جاری[۳] ہوگئین۔

غزوۂ حنین مین مالِ غنیمت کی تقسیم پر جب انصار مین آزردگی پیدا ہوگئی تھی، اس وقت آپ نے جس بلیغانہ انداز مین تقریر فرمائی ہے اس کا مختصر ذکر اوپر گذر چکا ہے، اُس تقریر کا اثر کیا ہوا؟ یہ ہوا کہ وہی انصار جو چند لمحے پہلے کبیدہ خاطر ہورہے تھے، اس قدر روے کہ اُن کی ڈاڑھیان تر ہوگئین، اور دل کا سارا غبار آب کوثر کے اُن قطرون سے دفعتًہ دُھل گیا۔[۴]

فتح مکہ کے موقع پر انصار کی توقع کے خلاف، جب آپ نے روساے قریش کی جان بخشی فرمائی تو اُن مین سے وہ لوگ جنکی آنکھون مین **خلق محمدی** کا جلوہ نہ تھا، معترض ہوئے کہ "آخر آپ کو اپنے وطن وخاندان کی محبت آہی گئی،" آپ کو یہ معلوم ہوا تو تمام انصار کو جمع کرکے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے کہ تم نے ایسا کہا ہی، عرض کی ہان! یارسول اللہ! فرمایا "وطن وخاندان کی پاسداری میرے پیش نظر نہ تھی، مین خدا کا بندہ اور اُس کا فرستادہ ہون، مین نے اللہ کی طرف ہجرت کی، اور تمھاری طرف اب میرا جینا تمھارا جینا ہے، اور میرا مرنا تمھارا مرنا ہے،" یہ سنکر انصار پر رقت طاری ہوگئی، اور رونے لگے

وعظ ونصیحت مین جو خطبات آپ ارشاد فرماتے تھے، وہ بھی اسی قدر موثر ہوتے تھے، ایک صحابی اس

---

[۱] صحیح بخاری السلام علے جماعۃ فیہا المسلم والکافر، [۲] صحیح بخاری تفسیر منافقین، وابن سعد غزوۂ مذکور۔ [۳] صحیح بخاری قصۂ افک، [۴] صحیح مسلم فتح مکہ،

موقع کی تصویر ان الفاظ مین کھینچتے ہین۔

وعظنا رسول اللہ صلعم یوماً بعد الصلوة الغداة	صبح کی نماز کے بعد آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک
موعظة بلیغة ذرفت منها العیون ووجلت	دن ایسا موثر وعظ کہا کہ آنکھین اشک ریز ہوگئین، اور
منها القلوب (ترمذی وابوداؤد)	دل کانپ اُٹھے،

ایک اور مجلس وعظ کے تاثیر کی کیفیت حضرت اسماء بنت ابی بکر بیان کرتی ہین۔

قام رسول اللہ صلعم خطیباً فذکر فتنة القبر	آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کو کھڑے ہوئے اور
التی یفتتن بها المرء فلما ذکر ذلک	اس مین فتنۂ قبر کو بیان کیا جسمین انسان کی آزمایش کیجائے گی
ضجّ المسلمون ضجّة[1]	جب یہ بیان کیا تو مسلمان چیخ اُٹھے۔

حضرت ابوہریرہ اور ابوسعید سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے کہ آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے، وَالَّذِی نَفْسِی بِیَدِهٖ "قسم ہی اُس ذات کی جس کے دستِ قدرت مین میری جان ہی"، یہ الفاظ آپنے تین دفعہ فرمائے، اور پھر جھک گئے، لوگون پر یہ اثر ہوا کہ جو جہان تھا وہین سر جھکا کر رونے لگا، راوی کہتے ہین کہ ہمکو بھی ہوش نہ رہا کہ آپ قسم کس بات پر کھا رہے[2] ہین۔

---

[1] صحیح بخاری باب ماجاء فی عذاب القبر۔ [2] سنن نسائی کتاب الزکوة۔

عبادات نبوی

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ ۝ وَاِلٰی رَبِّکَ فَارْغَبْ ۝

اے محمد جب تجھے فرصت ملے عبادت کے لیے کھڑا ہوجا اور اپنے رب سے دل لگا،

(دنیا[1] مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوا اور کوئی پیغمبر ایسا نہین گذرا جس کے متعلق صحیح طور پر یہ معلوم ہوسکے کہ اُس کا طریقہ عبادت کیا تھا؟ اُس کے کون کون سے اوقات اس کے لیے مخصوص تھے؟ اور اُن کی عبادتون کی نوعیت کیا تھی؟ گذشتہ انبیاء مین حضرت نوحؑ، بلکہ آدمؑ سے لیکر حضرت موسیٰؑ تک جن کے حالات **توراة** مین مذکور ہین ان کی زندگی کا یہ باب صحائف بنی اسرائیل سے قطعاً مفقود ہے، **انجیل** مین حضرت عیسیٰؑ کے متعلق کہین کہین صرف اس قدر ملتا ہے کہ وہ کبھی کبھی دعائین مانگا کرتے تھے، لیکن جب کہ اِن مذاہب کے پیروؤن نے اپنے پیغمبرون کے ساتھ اس قدر بے اعتنائی برتی ہے کہ یہ ضروری امور بھی جنپر دین وشریعت کا دارمدار ہے وہ محفوظ نہین رکھ سکے، پیروانِ اسلام کو یہ فخر ہے کہ اُنھون نے اوّل سے آخر تک اپنے پیغمبر کے اوقات عبادت، اُس کے طریقے، اُس کے انواع، اُسکی کیفیات، غرض اسکے ایک ایک جزئیات کو محفوظ رکھا ہے)

دعا اور نماز (آنحضرت صلعم نبوّت سے پہلے بھی عبادتِ الٰہی مین مصروف رہتے تھے، اور غار حرا مین جاکر مہینون قیام اور مراقبہ کرتے[2] تھے، نبوّت کے ساتھ ساتھ آپ کو نماز کا طریقہ بھی بتایا گیا، لیکن چونکہ کفار قریش کا ڈر تھا، اس لیے چھپکر نماز ادا کرتے تھے، نماز کا وقت جب آتا کسی پہاڑ کی گھاٹی مین چلے جاتے، اور وہان نماز پڑھ لیتے، ایک دفعہ آپ حضرت علیؓ کے ساتھ کسی درہ مین نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے ابو طالب آنکلے، انھون نے دیکھا تو پوچھا "بھتیجے! یہ تم کیا کر رہے ہو، آپ نے اُن کو اسلام کی دعوت دی[3]۔

چاشت کی نماز آپ سب کے سامنے حرم ہی مین ادا کرتے تھے، کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب مین[4] بھی جائز تھی

---

[1] اضافہ تاختم باب۔ [2] صحیح بخاری باب بدء الوحی۔ [3] مسند ابن حنبل جلد اصفحہ ۹۵، [4] ابن اثیر۔

صحیح بخاری مین ہے کہ ایک دن آپ حرم مین نماز پڑھ رہے تھے، اور روسائے قریش بیٹھے تمسخر کر رہے تھے، ابوجہل نے کہا "کاش اسوقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھالاتا، اور محمد صلعم جب سجدہ مین جاتے، تو وہ انکی گردن پر ڈال دیتا، چنانچہ اس تجویز کے مطابق یہ فرض عقبہ نے انجام دیا[1]، نماز مین جب آپ جہر سے قرات فرماتے تو کفار بُرا بھلا کہتے[2]،

ایک دفعہ اور آپ حرم مین نماز ادا کر رہے تھے، بعض اشقیا نے چاہا کہ آپ کے ساتھ گستاخی سے پیش آئین[3]، ایک دفعہ ایک شقی نے گلے مین پھانسی[4] ڈال دی، لیکن باین ہمہ مزاحمت، لذّت شناسِ یادالٰہی اپنے فرض سے باز نہین آتا تھا،

راتون کو اُٹھ اٹھ کر آپ نمازین پڑھا کرتے تھے، اس عبادت شبانہ کے متعلق مختلف صحابہ سے مختلف روایتین ہین۔ ایک راوی کا بیان ہے کہ آپ رات بھر نماز مین کھڑے رہے، ام سلمہ کہتی ہین کہ آپ کچھ دیر سوتے پھر کچھ دیر اُٹھکر نماز مین مصروف ہوتے، پھر سوجاتے پھر اُٹھ بیٹھتے اور نماز ادا کرتے، غرض صبح تک یہی حالت قایم رہتی ابن عباس کی روایت ہے کہ آدھی رات کے بعد آپ اُٹھتے تھے، اور ۱۳ رکعتین ادا کرتے تھے، حضرت عایشہ کی روایت ۹ رکعت کی ہے، محدثین نے ان سب مین یہ تطبیق دی ہے کہ آپ اِن طریقون مین سے ہر ایک طریقہ سے نماز ادا کرتے تھے، ہر راوی نے اپنا مشاہدہ بیان کیا[5] ہے، عام طور پر آخر مین آپ کا طرز عمل وہی تھا جو حضرت عایشہ اور ابن عباس کی زبانی، عبادت شبانہ کے عنوان مین گذر چکا ہے،

فرایض پنجگانہ کے علاوہ آپ کم از کم سنن ونوافل کی ۳۹ رکعتین روزانہ معمولاً ادا کرتے تھے، دو صبح، چار چاشت چھ ظہر، چھ عصر، چار پہلے اور دو بعد نماز، (حسب روایت حضرت عایشہ) دو مغرب، چھ عشاء، تیرہ تہجد، دو وتر۔ ان کے علاوہ صلوۃ الاوّابین، سنت تحیتِ مسجد وغیرہ الگ تھین، تمام سنن مین سب سے زیادہ صبح کی دو رکعتون کے آپ سختی سے

---

[1] صحیح بخاری باب الطہارۃ والصلوٰۃ [2] صحیح بخاری تفسیر سورۂ بنی اسرائیل [3] ابن ہشام، ذکر قبل ہجرت، [4] صحیح بخاری باب لقی النبی بمکۃ [5] اس بحث کو زرقانی نے شرح مواہب مین بتفصیل لکھا ہے، جلد، صفحہ ۲۵۵-

پابند[1] تھے، کسی وقت کی سنت خلاف معمول اگر چھوٹ جاتی تو اس کی قضا پڑھتے، حالانکہ اصل شریعت کی رو سے اسکی ضرورت عام امت کے لیے نہین، ایسا واقعہ حضر مین صرف ایک ہی دفعہ پیش آیا ہے، ظہر و عصر کے درمیان ایک وفد خدمت اقدس مین باریاب ہوا، جسکی وجہ سے آپ ظہر کے بعد کی دو رکعت نہ پڑھ سکے، نماز عصر کے بعد آپ نے بعض ازواج مطہرات کے حجرون مین جاکر دو رکعت نماز ادا کی، چونکہ یہ نماز بالکل خلاف معمول تھی، اس لیے ازواج مطہرات نے استفسار کیا، آپ نے واقعہ بیان فرمایا، عام امت کے لیے ایک نماز کی قضا ایک دفعہ کافی ہے لیکن چونکہ آپ جس چیز کو شروع کرتے تھے پھر اُس کو ترک کرنا پسند نہین فرماتے تھے، اِس لیے ام المومنین حضرت عایشہ اور ام سلمہ کا بیان ہے کہ آپ نے اس "قضا" کو تمام عمر "ادا" کیا[2]۔

رمضان کا مہینہ آپ کی عبادتون کے لیے سب سے زیادہ ذوق افزا تھا، حضرت ابن عباس بیان کرتے ہین کہ "آپ فیاض تو تھے ہی، لیکن جب رمضان کا مہینہ آتا، اور جبریل قرآن سنانے آتے تو آپ کی فیاضی کی کوئی حد نہ رہتی، آپ کی فیاضی ہوا سے بھی آگے نکل جاتی[3]"، رمضان کے آخری عشرہ مین آپ اور زیادہ عبادت گذار ہو جاتے حضرت عایشہ کہتی ہین، کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپ رات رات بھر بیدار رہتے تھے، ازواج سے بے تعلق ہو جاتے تھے، اہلبیت کو نماز کے لیے جگاتے تھے[4]، اس اخیر عشرہ مین آپ عموماً اعتکاف مین بیٹھا کرتے تھے یعنی ہمہ وقت مسجد مین بیٹھکر یاد الٰہی اور عبادت گذاری مین مصروف رہتے تھے[5]،

قرآن مجید کی تلاوت روزانہ فرماتے تھے، ابوداؤد کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت کا وقت نماز عشا کے بعد تھا[6]، روزانہ سورتون کی تعداد مقرر تھی۔ اُسی تعداد کے موافق آپ تلاوت کرلیا کرتے تھے، رمضان مین پورے قرآن کا دورہ کرتے تھے[7]، پچھلی رات کو اٹھکر کوئی موثر سورہ یا چند آیات تلاوت کرتے تھے، حضرت ابن عباس کہتے ہین کہ ایک دفعہ رات کو مین نے دیکھا کہ آپ پچھلے پہر بیدار ہوئے، آنکھین ملتے ہوئے اُٹھے، رات کے سنّاٹے مین

---

[1] صحیح بخاری ابواب نوافل وسنن، [2] مسند احمد و ابوداؤد، وصحیح مسلم الرکعتان بعد العصر، [3] صحیح بخاری کتاب الصوم [4] ابوداؤد باب الصوم [5] صحیح بخاری باب الاعتکاف، [6] ابوداؤد ابواب شہر رمضان [7] صحیح بخاری بدء الوحی

ستارے جھلملا رہے تھے، آپ نے نظر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا، اور یہ آیتین پڑھین[1]،

اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا، سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ رَبَّنَا اِنَّکَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ۝ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِکَ وَلَا تُخْزِنَا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ۭ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ۝ فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی بَعْضُکُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

(آل عمران)

آسمان اور زمین کی پیدایش، اور شب و روز کے انقلاب مین اُن دانشمندون کے لیے نشانیان ہین جو اُٹھتے بیٹھتے اور پہلو پر لیٹے ہوئے اللہ کو یاد کیا کرتے ہین اور آسمان و زمین مین غور کرتے ہین کہ خدایا! تونے یہ (نظام عالم) بے نتیجہ نہین پیدا کیا تو پاک ہے پس ہمکو دوزخ کے عذاب سے بچا، خدایا، جسکو تو دوزخ مین داخل کرے، اُسکو تونے رسوا کر دیا، گناہگارون کا کوئی مددگار نہین خداوندا ہمنے ایک پکارنیوالے کی آواز سنی، جو پکار کر یہ کہہ رہا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لاؤ، تو ہم ایمان لائے، خداوندا! تو ہمارے گناہ بخشدے ہماری بُرائیون پر پردہ ڈال، اور نیکون کے ساتھ ہمکو دنیا سے اُٹھا، خداوندا! تونے اپنے رسولون کے ذریعہ ہم سے جس چیز کا وعدہ کیا ہے، وہ ہمکو عنایت کر اور قیامت کے دن ہمین رسوا نہ کرنا، تو اپنے وعدہ کے خلاف نہین کرتا، پروردگار نے پکار سن لی اور دعا قبول کر لی کہ مین کسی کام کرنیوالے کے کام کو ضائع نہین کرتا، مرد ہو یا عورت تم ایک دوسرے سے ہو جنھون نے ہجرت کی یا اپنے گھرون سے نکالے اور میری راہ مین ستائے گئے ہین اور وہ لڑے ہین اور مارے گئے ہین، مین اُن سب کے گناہون کو مٹا دون گا۔ اور اُن کو جنت مین جگہ دون گا۔ جنکے نیچے نہرین بہتی ہونگی۔ اللہ کی طرف سے اُن کو یہ جزا ملیگی اور اللہ ہی کے پاس اچھی جزا ہے۔

اسی موقع پر آپ یہ الفاظ بھی کہا کرتے تھے جو سراپا اثر اور روحانیت مین ڈوبے ہوئے ہین۔

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم صلوۃ اللیل۔

اللھم لک الحمد، انت نور السموات والارض ولک	خداوندا! تیری حمد ہو، تو آسمان و زمین کا نور ہے، تیری حمد ہو، تو
الحمد انت قیام السموات والارض ولک الحمد انت	آسمان و زمین کا وجود ہے، تیری حمد ہو، تو آسمان و زمین اور
رب السموات والارض ومن فیھن انت الحق ووعدک	جو کچھ ان مین ہی، سب کا پروردگار ہی، تو حق ہی، تیرا وعدہ حق
الحق وقولک الحق ولقاءک حق والجنۃ حق، والنار	ہے۔ تیری بات حق ہے، تجھسے ملنا حق ہے، جنت حق ہے
حق، والساعۃ حق، اللھم لک اسلمت وبک آمنت	دوزخ حق ہی قیامت حق ہی، خداوندا مین نے تیرے ہی آستانے
وعلیک توکلت والیک انبت، وبک خاصمت و	پر سر جھکایا ہی، تجھی پر ایمان لایا ہون، تجھی پر مین نے بھروسہ
الیک حاکمت، فاغفر لی ما قدمت واخرت	کیا ہی، تیرے ہی زور سے جھگڑتا ہون، تجھی سے فیصلہ چاہتا
واسررت واعلنت انت الھی لا الہ الا انت،	ہون، تو میرا اگلا اور پچھلا، کھلا اور چھپا ہر ایک گناہ معاف کر
(صحیح مسلم باب الدعا فی صلوۃ اللیل)	تو ہی میرا مسجود ہے۔ تیرے سوا کوئی اور معبود نہین۔

کبھی گھر کے لوگ جب سو جاتے، آپ چپ چاپ بستر سے اُٹھتے اور دعا و مناجات الٰہی مین مصروف ہو جاتے حضرت عایشہ کہتی ہین کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو آپ کو بستر پر نہ پایا سمجھی کہ آپ کسی اور بیوی کے حجرہ مین تشریف لے گئے، اندھیرے مین ہاتھ سے اِدھر اور اُدھر ٹٹولا تو دیکھا کہ پیشانی اقدس خاک پر ہے، اور آپ سر بسجود دعا مین مصروف ہین، یہ دیکھکر حضرت عایشہ کہتی ہین کہ مجھکو اپنے شبہہ پر ندامت ہوئی، اور دل مین کہا، سبحان اللہ! ہم کس خیال مین ہین اور آپ کس عالم مین[1]، کبھی کبھی راتون کو اُٹھکر آپ تن تنہا قبرستان مین تشریف لے جاتے تھے اور دعا و زاری کرتے تھے، ایک دفعہ آپ کے پیچھے پیچھے حضرت عایشہ گئین تو دیکھا کہ آپ جنت البقیع مین داخل ہوئے اور دعا[2] مانگی۔

دُعا اور نماز کے بعد آپ سو جاتے یہان تک خراٹے کی آواز سنائی دیتی کہ دفعۃً سپیدۂ صبح نمودار ہوتا آپ بیدار ہوتے، صبح کی سنت ادا کر کے مسجد کو تشریف لے جاتے اور اسوقت یہ الفاظ زبان مبارک پر ہوتے،

[1] سنن نسائی باب الغیرۃ [2] سنن نسائی باب الاستغفار للمومنین،

اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی لسانی نوراً واجعل فی	خدایا! مرے دل مین نور پیدا کر، اور میری زبان مین اور میری
سمعی نوراً واجعل فی بصری نوراً، واجعل فی خلفی	قوت سامعہ مین نور پیدا کر، آنکھون مین نور پیدا کر، اور میرے پیچھے
نوراً ومن اما می نوراً واجعل من فوقی نوراً وتحتی نوراً	اور میرے آگے نور پیدا کر، میرے اوپر اور میرے نیچے نور پیدا
واعطنی نوراً (صحیح مسلم باب الدعا فی صلوۃ اللیل)	کر۔ اور مجھے نور عطا کر،

ارکان نماز مین سب سے کم وقفہ رکوع کے بعد قیام مین ہوتا ہے۔ لیکن حضرت انس سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم رکوع کے بعد اتنی دیر تک کھڑے رہتے تھے، کہ ہم لوگ سمجھتے تھے کہ آپ سجدہ مین جانا بھول گئے ہین،[1]

جو چیز نماز کی حضوری مین خلل ڈالتی تھی، اُس سے احتراز فرماتے تھے، ایک دفعہ چادر اوڑھ کر نماز ادا فرمائی جسمین دونون طرف حاشیے تھے، نماز مین اتفاق سے حاشیون پر نظر پڑ گئی نماز سے فارغ ہوکر فرمایا کہ یہ لیجا کر فلان شخص (ابوجہیم) کو دے آؤ، اور اُن سے انبجانی مانگ لاؤ حاشیون نے نماز کی حضوری مین خلل ڈالا۔[2]

ایک دفعہ دروازے پر منقش پردہ پڑا ہوا تھا، نماز مین اُس پر نگاہ پڑی تو حضرت عائشہ سے فرمایا اس کو ہٹا دو، اس کے نقش ونگار حضور قلب مین خلل انداز ہوئے،[3])

روزہ | (انبیاء اور داعیان مذاہب نے تکمیل روحانیت کے لیے تقلیل غذا بلکہ ترکِ غذا، (روزہ) کو اسبابِ ضروری مین شمار کیا ہے۔ ہندوستان کے ریاضت کش اور مرتاض داعیان مذاہب تو اس راہ مین حدِ افراط سے بھی آگے نکل گئے ہین لیکن داعی اسلام کا طرزِ عمل اس باب مین افراط وتفریط کے بیچ مین تھا،

اسلام سے پہلے اہل عرب عاشورا کے دن روزہ رکھا کرتے تھے، آنحضرت صلعم بھی معمولاً اس دن روزہ رکھتے تھے، بعض حدیثون سے معلوم ہوتا ہے کہ مکہ کے قیام کے زمانہ مین آپ متواتر کئی کئی مہینون تک روزہ رکھتے تھے، لیکن مدینہ آکر اس معمول مین فرق آگیا، مدینہ مین یہود بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے، آپ نے بھی رکھا، بلکہ تمام مسلمانون کو اس دن روزہ رکھنے کی تاکید فرمائی، لیکن جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو عاشورہ کا روزہ نفل ہوگیا،

[1] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۰۱، [2] صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۵۴ کتاب الصلوۃ انبجانی ایک کپڑے کا نام ہے، [3] صحیح بخاری کتاب اللباس والصلوۃ،

رمضان کے علاوہ پورے مہینہ کا روزہ مدینہ مین آپنے کبھی نہین رکھا، صرف ایک شعبان مستثنیٰ ہے اس مین قریب قریب پورے مہینہ بھر آپ روزہ سے رہتے تھے، اس طرح سال مین دو مہینے شعبان اور رمضان تو پورے روزون مین گذرتے تھے، سال کے بقیہ مہینون مین یہ کیفیت رہتی تھی کہ روزہ رکھنے پر آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب آپ کبھی روزہ نہ توڑین گے، پھر روزہ توڑ دیتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ اب کبھی روزہ نہ رکھین گے، مہینہ کے نصف اول مین جنکو ایام بیض کہتے ہین۔ آپ اکثر روزون سے رہتے تھے، مہینہ مین تین دن دو دو شنبہ اور ایک جمعرات کو آپ معمولاً روزے رکھا کرتے تھے، بعض روایتون مین ہے کہ جمعہ کا روزہ بھی معمولات مین سے تھا انکے علاوہ محرم کے دس دن یکم سے عاشورا تک اور شوال کے آغاز مین ۶ دن دوسری سے ساتوین تک آپ روزون مین گذارتے[۱] تھے۔

اتفاقی روزے اِن کے علاوہ تھے، آپ کبھی گھر مین تشریف لاکر پوچھتے تھے کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب ملتا "کچھ نہین" آپ فرماتے تو مین آج روزہ سے ہون[۲]، کبھی کبھی آپ صوم وصال بھی رکھتے تھے، یعنی متواتر کئی کئی دن تک ایک روزہ رکھتے تھے، بیچ مین مطلق افطار نہین کرتے تھے، یا برائے نام کچھ کھا لیتے تھے، لیکن جب صحابہ نے اس مین آپ کی تقلید کرنی چاہی تو آپ نے منع فرمایا۔ بعض لوگون نے اس ممانعت کو صرف اس معنی پر محمول کیا کہ آپ حکماً نہین بلکہ شفقت سے منع فرماتے ہین۔ اس لیے اس ممانعت کے باوجود آپ کے ساتھ انہون نے بھی اس قسم کے روزے رکھنے شروع کئے، آپ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو دو دن متصل روزہ رکھا، تیسرے دن اتفاق سے چاند ہوگیا، آپنے فرمایا "اگر مہینہ بڑھ سکتا تو مین اتنے دن تک افطار نہ کرتا کہ ان مذہب مین غلو کرنے والون کا سارا غلو جاتا رہتا" صحابہ نے عرض کی "یا رسول اللہ پھر حضور کیون کئی کئی دن تک افطار نہین کرتے؟" ارشاد ہوا "تم مین مجھسا کون ہے؟ مجھکو تو ایک کھلانے والا ہے جو کھلاتا ہے اور ایک پلانے والا ہے جو پلاتا ہے" بعض روایتون مین یہ الفاظ اس طرح وارد ہوئے ہین "تم مین مجھ جیسا کون ہے؟ مین شب بسر کرتا ہون تو میرا خدا مجکو کھلا اور پلا دیتا ہے"[۳]

---

[۱] روزہ کے متعلق یہ حدیثین تمام کتب حدیث مین ہین۔ اسوقت ابو داؤد اور صحیح مسلم کتاب الصوم پیش نظر ہین۔ [۲] ابو داؤد باب النیۃ فی الصیام [۳] صوم وصال کی یہ حدیثین صحیح مسلم سے لی گئی ہین۔

عام مسلمانون کیلئے آپ اس قسم کی مذہبی سختیون کو ناپسند فرماتے تھے، اور عام طور پر خود بھی ان چیزون سے احتراز کرتے تھے تفصیلی واقعات آگے آتے ہین،)

زکوۃ (آنحضرت صلعم، اسلام سے پہلے بھی بہت کچھ خیرات و مبرات کیا کرتے تھے، جیسا کہ آغاز اسلام مین حضرت خدیجہ نے شہادت دی[۱] ہے، اسلام کے بعد آپ کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی چیز نقد اپنے پاس رہنے نہین دیتے تھے جو کچھ آتا مستحقین مین تقسیم فرما دیتے، لیکن با این ہمہ **زکوۃ** کا ادا کرنا آپ سے ثابت نہین۔ اس سے بعض فقہائے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ انبیائے علیہم السلام پر زکوۃ فرض نہین ہوتی، لیکن اصل یہ ہے کہ زکوۃ کے دو مفہوم ہین، ایک مطلق صدقہ و خیرات اور اس باب مین جو آپ کی کیفیت تھی وہ کس سے مخفی ہے؟ دوسرا یہ کہ چاندی سونے یا جانور وغیرہ کی مخصوص مقدار و تعداد پر جو حاجت اصلیہ سے زیادہ ہو اور سال بھر تک مالک کے قبضہ مین رہی ہو، ایک خاص شرح رقم ادا کی جائے۔ یہ مصطلحہ زکوۃ کبھی آپ پر فرض ہی نہین ہوئی کاشانہ نبوت مین کوئی قابل زکوۃ چیز سال بھر تک تو کیا رہتی۔ یہ بھی پسند خاطر نہ تھا کہ شب گذر جاے اور مال و دولت کا کوئی نشان گھر کے اندر رہ جائے۔ ایک دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ خراج کی رقم اس قدر زیادہ آگئی کہ وہ شام تک ختم نہ ہو سکی آپ نے رات بھر مسجد مین آرام فرمایا، اور کاشانۂ اقدس مین اسوقت تک قدم نہین رکھا جب تک حضرت **بلال** نے آکر یہ اطلاع نہ دی کہ "یا رسول اللہ! خدا نے آپ کو سبکدوش کیا[۲]"

حج (اسلام سے پہلے آپ نے جسقدر حج کیے، ان کی صحیح تعداد متعین نہین کی جاسکتی، **ابن الاثیر** نے لکھا ہے کہ چونکہ قریش معمولاً ہر سال حج ادا کیا کرتے تھے، اس لیے قرینہ غالب یہی ہے کہ آنحضرت صلعم بھی ہر سال حج ادا کرتے ہونگے، ترمذی[۳] مین ہے کہ قیام مکہ کے زمانہ مین آپ نے دو حج کیے تھے، اور ابن ماجہ اور حاکم مین ہے کہ تین حج کیے تھے، لیکن یہ سب[۴] روایتین مرسل ہین۔ مدینہ کے زمانہ قیام مین متفقاً ثابت ہی کہ صرف ایک حج سنہ ۱۰ھ مین کیا[۵]۔ یہ وہی حجۃ الوداع ہے جسکا ذکر بہ تفصیل پہلے گذر چکا ہے،

---

[۱] صحیح بخاری بدء الوحی [۲] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین [۳] باب کم حج النبی صلعم [۴] زرقانی جلد ۸ صفحہ ۱۴۶ [۵] صحیح مسلم و ابوداؤد حجۃ الوداع و ترمذی باب کم حج النبی صلعم،

حج کے علاوہ آپ نے عمرے بھی ادا کیے ہین، ہجرت کے بعد چار عمرے ثابت ہین، ایک عمرہ ذیقعدہ کے مہینہ مین، ایک حدیبیہ کے سال ایک غزوۂ حنین کے بعد اور چوتھا حجۃ الوداع[۱] کے ساتھ، حضرت انسؓ کہتے ہین کہ حجۃ الوداع والے عمرہ کے سوا تمام عمرے آپ نے ذیقعدہ کے مہینہ مین ادا کیے، ایک دفعہ حضرت ابن عمر سے کسی نے پوچھا کہ آنحضرت صلعم نے کے عمرے کیے تھے؟ انھون نے جواب دیا "چار عمرے ان مین سے ایک ماہ رجب مین"، حضرت عائشہ نے یہ سنا تو کہا "خدا ابوعبدالرحمن (ابن عمر کی کنیت) پر رحم فرمائے آپ نے کوئی عمرہ ایسا نہین کیا جس مین وہ شریک نہون، آنحضرت صلعم نے رجب مین کوئی عمرہ نہین کیا[۲]"،

سال حدیبیہ مین سب سے پہلی دفعہ جب آپ عمرہ ادا کرنے کے لیے روانہ ہوتے ہین تو کفار قریش نے قدم قدم پر روکنے کی کوشش کی، صحابہ ان کی مدافعت مین آپ سے پچھڑ گئے لیکن آپ کو خانۂ کعبہ کی زیارت کا یہ ذوق وشوق تھا کہ اپنے ہمراہیون کا انتظار کیے بغیر آپ سب سے آگے بڑھے چلے جارہے تھے، آخر جان نثارون نے ابوقتادہ انصاری کو بھیجا کہ وہ جاکر ہماری جانب سے سلام عرض کرین اور یہ درخواست کرین کہ "آپ ذرا توقف فرمائین، ہمین یہ ڈر ہی کہ دشمن کہین ہمارے اور آپ کے درمیان حائل نہ ہو جائین"، بارے آپنے انکی یہ درخواست قبول فرمائی[۳]،

دوام ذکر الٰہی | **قرآن مجید** نے اہل ایمان کا یہ وصف خاص بیان کیا ہے۔

الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ — جو خدا کو اُٹھتے بیٹھتے۔ لیٹتے یاد کرتے ہین (آل عمران)

لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ — جنکو اشغال دنیوی خدا کی یاد سے غافل نہین کرتے۔

اور **قرآن** کا مبلغ ان اوصاف کا خود بہترین مظہر تھا، حضرت عائشہ فرماتی ہین کہ آنحضرت صلعم ہر لحظہ اور ہر لحہ خدا کی یاد مین مصروف رہتے تھے[۴]، ربیعہ بن کعب اسلمی، رات کو آپ کے آستانے پر پہرہ دیتے تھے وہ بیان کرتے ہین کہ آپ کی تسبیح وتہلیل کی آواز سنتے سنتے مین تھک جاتا تھا، اور مجھے نیند آجاتی تھی[۵]۔ اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، کھاتے پیتے، سوتے جاگتے، وضو کرتے، نئے کپڑے پہنتے، سوار ہوتے، سفر مین جاتے، واپس آتے گھر مین

---

[۱] جامع ترمذی باب مذکور [۲] بخاری ومسلم کتاب الحج، [۳] صحیح بخاری صفحہ ۲۴۴ باب جزاء الصید، [۴] ابوداؤد کتاب الطہارۃ [۵] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۵۹،

داخل ہوتے، مسجد مین قدم رکھتے، غرض ہر حالت مین دل و زبان ذکر الٰہی مین مصروف رہتے، چنانچہ اسی بنا پر احادیث مین مختلف اوقات و حالات کے لیے کثرت سے ادعیہ ماثورہ منقول ہین۔ اخیر زندگی مین جب سورۂ اِذَا جَاءَ اتری جس مین تحمید و تسبیح کا حکم ہے تو امہات المومنین کا بیان ہے کہ ہر وقت اور ہر حالت مین زبان مبارک پر تسبیح و تہلیل جاری رہتی تھی[1]۔

حضرت ابن عمر کہتے ہین کہ آپ اکثر یہ دعا رَبِّ اغْفِرْ لِی وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد پڑھا کرتے تھے، ہم نے گنا تو ایک ایک نشست مین سو سو دفعہ یہ الفاظ آپ کی زبان سے ادا ہوئے[2]،، سفر اور کوچ کی بے اطمینانی مین بھی آپ یاد الٰہی سے غافل نہین ہوتے تھے، سواری پر بیٹھے بیٹھے نفل ادا کرتے تھے، اور اسکی پروا نہین کرتے تھے کہ قبلہ کی طرف رخ ہے یا نہین، سواری کا جانور جدھر چل رہا ہوتا آپ اُدھر ہی منھ کیے نماز کی نیت کر لیتے کہ[3] اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ - جدھر رخ کرو اُدھر ہی خدا کا منھ ہے)

ذوق و شوق

(آپ اصحاب کی محفل مین یا امہات المومنین کے حجرون مین، بات چیت مین مشغول ہوتے کہ دفعۃً اذان کی آواز آتی، آپ اُٹھ کھڑے ہوتے[4]، رات کا ایک معتد بہ حصّہ گو شب بیداری مین گذرتا تھا، تاہم صبح کے وقت اُدھر موذن نے اللہ اکبر کہا اِدھر آپ بستر سے اُٹھ بیٹھے[5]، شب کے وقت جس ذوق شوق اور وجد کی حالت مین نماز پڑھتے، اُس کا نقشہ حضرت عایشہ نے اِن الفاظ مین کھینچا ہے "کبھی پوری پوری رات آنحضرت صلعم کھڑے رہتے، سورۂ بقرہ، سورۂ آل عمران، سورۂ نساء (قرآن کی سب سے بڑی سورتین ہین) پڑھتے، جب کوئی خوف اور خشیتہ کی آیت آتی، خدا سے دعا مانگتے، اور پناہ طلب کرتے، کوئی رحمت اور بشارت کی آیت آتی تو اُس کے حصول کی دعا مانگتے[6]،، قرات اتنی زور سے فرماتے کہ دور دور تک آواز جاتی اور لوگ اپنے بسترون پر پڑے پڑے آپ کی آواز سنتے[7]، کبھی کبھی کوئی ایسی آیت آجاتی کہ آپ اُس کے ذوق و شوق مین محو ہو جاتے، حضرت

---

[1] ابن سعد جزء الوفاۃ [2] ترمذی و ابن ماجہ و دارمی باب دعوات۔ [3] صحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد وغیرہ۔ [4] صحیح بخاری باب یکون الرجل فی خدمۃ اہلہ صفحہ ۸۰ [5] صحیح بخاری باب من انتظر الاقامۃ [6] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۹۳ [7] ابن ماجہ باب ما جاء فی صلوۃ اللیل۔

ابوذر کہتے ہین کہ ایک دفعہ آپ نے نماز مین یہ آیت پڑھی۔

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ، — اگر تو سزا دے تو تیرے بندے ہین، اور اگر معاف کردے تو تو غالب اور حکمت والا ہے،

تو یہ اثر ہوا کہ صبح تک آپ یہی آیت پڑھتے رہ گئے، [۱]

زیدؓ بن خالد جہنی ایک صحابی ہین وہ بیان کرتے ہین کہ مین نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ آج شب مین آپ کو نماز پڑھتے دیکھون گا (غالباً یہ کسی سفر کا واقعہ ہے) نماز کا وقت آیا تو آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے، پہلے دو رکعتین معمولی ادا کین، پھر دو رکعتین بہت ہی لمبی اور بڑی دیر تک پڑھین، پھر دو دو رکعتین کرکے آٹھ رکعتین بتدریج چھوٹی پڑھین اور سب کے آخر مین وتر ادا کی، [۲] خبابؓ کی روایت ہے کہ ایک شب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو صبح تک مصروف رہے [۳]

حضرت **حذیفہ** کہتے ہین کہ ایک شب مجکو آنحضرت صلعم کے ساتھ نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا، آپ نے سورۂ بقرہ شروع کی (قران کی یہ سب سے بڑی سورہ ہے) مین سمجھا آپ سو آیتون تک پڑھین گے، لیکن آپ ان کو پڑھکر اور آگے بڑھے مین نے دل مین کہا شاید پوری سورہ آپ ایک ہی رکعت مین ختم کرنا چاہتے ہین۔ چنانچہ آپ نے جب اس سورہ کو ختم کیا تو مین نے خیال کیا اب آپ رکوع کرین گے، لیکن آپ نے فوراً ہی سورۂ نساء شروع کردی، یہ بھی ختم ہو چکی تو سورۂ آل عمران شروع کی (یہ تینون سورتین ملکر سوا پانچ پارون کے قریب ہین) بہت ٹھہر ٹھہر کر نہایت سکون اور اطمینان سے آپ قرات کر رہے تھے، اور ہر آیت کے مضمون کے مطابق بیچ بیچ مین تسبیح اور دعا کرتے جاتے تھے، اس کے بعد آپ نے رکوع کیا، رکوع مین قیام ہی کے برابر توقف فرمایا، پھر کھڑے ہوئے اور اتنی ہی دیر تک کھڑے رہے، پھر سجدہ کیا، اور سجدہ مین بھی اسی قدر تاخیر فرمائی، [۴]

میدان جنگ مین یاد الٰہی (عین اسوقت جب دونون طرف سے فوجین برسرپیکار ہوتین، تیر و سنان اور تیغ و خنجر کی چمک سے آنکھین خیرہ ہو رہی ہوتین، اور ہر طرف سے شور دار و گیر برپا ہوتا، آپ نہایت خضوع و خشوع اور

---

[۱] ابن ماجہ باب مذکور [۲] صحیح مسلم، موطا، ابو داؤد۔ [۳] نسائی احیاء اللیل [۴] صحیح مسلم و نسائی صلوۃ اللیل

اطمینان قلب کے ساتھ دعا، وزاری اور ذکر الٰہی مین مصروف ہوتے، سپاہی شجاعت کے فخر وغرور سے پیشانیون پر بل ڈالے ہوئے دشمنون کے مقابلہ مین ہوتے، لیکن خود سپہ سالار کی پیشانی زمینِ نیاز پر ہوتی، بدر، احد، خندق، خیبر، تبوک، تمام بڑے بڑے معرکون مین آپ کی یہی کیفیت تھی،

معرکہ ہائے جنگ مین سپہ سالارون کو اپنے بہادر سپاہیون کی قوت پر ناز ہوتا ہے، لیکن اسلام کے **قائد اعظم** کو صرف خدائے ذوالجلال کی قوت پر ناز تھا، عالم اسباب کے لحاظ سے گو آپنے اصول جنگ کے مطابق ہر میدان مین اپنی فوجین مرتب کین، لیکن اصلی اعتماد اور بھروسا اسباب کائنات سے ماوراء، قادر مطلق کی ذات پر تھا، **بدر** مین دو صحابی حاضر ہوتے ہین، اور عرض کرتے ہین کہ یا رسول اللہ! ہمکو کافرون نے اس شرط پر رہا کیا ہے کہ ہم جنگ مین شرکت نہ کرین، ارشاد ہوتا ہے کہ "ہمکو صرف خدا کی مدد درکار ہے"[1] بدر کا میدان خون سے لالہ زار ہو رہا ہے، اور آپ خشوع وخضوع سے دونون ہاتھ پھیلا کر بارگاہِ ایزدی مین عرض کر رہے ہین "خدایا اپنا وعدۂ نصرت پورا کر" محویت اور بیخودی مین ردائے مبارک کندھے سے گر گر پڑتی ہے، اور آپ کو خبر نہین ہوتی، کبھی سجدے مین گر پڑتے ہین اور عرض کرتے ہین کہ "خدایا! اگر آج یہ چند نفوس مٹ گئے تو پھر تو قیامت تک نہ پوجا[2] جائیگا"، اسی اثنا مین حضرت **علی**رض تین دفعہ میدان جنگ سے حاضر خدمت ہوتے ہین اور ہر دفعہ یہ دیکھتے ہین کہ وہ مقدس پیشانی خاک[3] پر ہی،

غزوۂ **احد** کے خاتمہ پر ابو سفیان مسرت سے **ہبل** کی جے پکارتا ہے، لیکن آپ اس دل شکستگی کے عالم مین بھی حضرت **عمر**رض کو حکم دیتے ہین کہ تم بھی کہو،

اَللّٰہُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَکُمْ اَللّٰہُ اَعْلٰی وَاَجَلُّ — خدا ہمارا آقا ہے، تمہارا کوئی آقا نہین، خدا بڑا اور بلند ہے،

غزوۂ **احزاب** مین آپ خود اپنے دست مبارک سے خندق کھودنے مین مصروف تھے، اور لبِ مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے،

اَللّٰھُمَّ لَا خَیْرَ اِلَّا خَیْرَ الْاٰخِرَۃ فَبَارِکْ فِی الْاَنْصَارِ وَالْمُھَاجِرَۃ — خدایا! بھلائی صرف آخرت کی بھلائی ہے، انصار اور مہاجرین کو برکت عطا کر

---

[1] صحیح مسلم باب الوفا بالعہد [2] صحیح بخاری ومسلم، بدر۔ [3] سیرت جلد اول صفحہ ۴۵،

دشمن اس شدت سے حملہ پر حملہ کر رہے تھے، کہ کسی مسلمان کا اپنی جگہ سے ہٹنا ممکن نہ تھا، اور یہ محاصرہ متصل ۲۰ ۲۲ دن تک قایم رہا، لیکن اس مدت مین صرف ایک یا زیادہ سے زیادہ چار وقت کی نمازین قضا ہوئین، ایک دن عصر کے وقت دشمنون نے اس زور کا حملہ کیا کہ ایک لمحہ کے لیے بھی مہلت نہ مل سکی، آخر عصر کا وقت ختم ہو گیا، آپکو سخت رنج ہوا، حملہ رکنے پر سب سے پہلے باجماعت نماز ادا کی[1]،

غزوۂ **خیبر** مین جب آپ شہر کے قریب پہنچے، تو زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے، اللہ اکبر خربت خیبر، اللہ اکبر خیبر ویران ہو چکا، عمارتین نظر آئین تو صحابہ سے ارشاد کیا کہ ٹھہر جاؤ، پھر یہ دعا مانگی،

اللھم انا نسئلک خیر ھذہ القریۃ وخیر اھلھا وخیر ما فیھا ونعوذ بک من شرھا وشر اھلھا وشر ما فیھا، (ابن ہشام)

اے خدا! ہم تجھسے اس آبادی کی، اس آبادی والون کی اس آبادی کی چیزون کی بھلائی چاہتے ہین، اور ان سب کی برائیون سے تیری پناہ کے طلبگار ہین۔

حنین کے معرکہ مین بارہ ہزار فوج آپ کے ساتھ تھی، لیکن اول ہی دہلہ مین اُس کے پاؤن اُکھڑ گئے، اس فوج کا سپہ سالار اگر انہی آدمیون کے بھروسہ پر میدان جنگ مین اترتا تو شاید وہ سب سے پہلے بھاگ کر اپنی جان بچاتا، لیکن آپ کو جس قوت پر اعتماد تھا، آپ اُس کو اس تنہائی مین بھی اُسی طرح ناصر و مددگار سمجھتے تھے جسطرح فوج ولشکر کے ساتھ، عین اسوقت جب دس ہزار قدر انداز تیرون کا مینہ برساتے ہوئے سیلاب کی طرح بڑھتے چلے آتے تھے اور آپ کے پہلو مین چند جان نثارون کے سوا کوئی اور باقی نہین رہا تھا، آپ سواری سے اُتر آئے، اور فرمایا،، مین خدا کا بندہ اور پیغمبر ہون،، پھر بارگاہ الٰہی مین دست بدعا ہو کر نصرت موعودہ کی درخواست کی، دفعۃً ہوا کا رُخ پلٹ گیا، اور نسیم فتح علم اسلام کو لہرانے لگی[2]، دس ہزار دشمن کے بے پناہ تیرون کو یکہ و تنہا مناجات و زاری کی سپر پر روکنے کی جرأت پیغمبرون کے سوا اور کس سے ظاہر ہو سکتی ہے۔

اس مرقع کا سب سے موثر منظر غزوۂ **بنی مصطلق** مین نظر آتا ہے، سامنے دشمن پڑاؤ ڈالے پڑے ہین اور غفلت کے

---

[1] صحیح بخاری، احد۔ [2] صحیح بخاری ومسلم، حنین۔

منتظر ہین کہ دفعتہً نماز کا وقت آجاتا ہے اور آپ امام بنکر آگے کھڑے ہو جاتے ہین صحابہ کی ایک جماعت مقتدی ہوکر نماز مین مصروف ہو جاتی ہے، اور دوسری دشمنون کا سامنا روک لیتی ہے۔ صلح حدیبیہ کے زمانہ مین اس سے بھی زیادہ خطرناک موقع پیش آیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مکہ کے پاس عسفان مین خیمہ زن تھے، قریش کے مشہور جنرل خالد بن ولید آس پاس کی پہاڑیون مین دشمنون کی فوج کا ایک دستہ لیے ہوے موقع کی تاک مین تھے۔ آخر قریش کی یہ راے قرار پائی کہ مسلمان جب نماز کے لیے کھڑے ہون تو عین اسوقت انپر بے خبری مین حملہ کیا جائے۔ خداوند کارساز کی بارگاہ مین قصرِ صلوۃ کی ایک عمدہ تقریب پیدا ہوگئی، چنانچہ قصر کی آیتین نازل ہوئین، عصر کا وقت آیا تو آپ نماز کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے، دشمن اپنی فوج کا پرا لیے آپ کے سامنے تھے، صحابہ دو حصون مین منقسم ہو گئے، ایک حصہ نے آپ کے پیچھے آکر نماز کی صفین قائم کرلین، اور دوسرا حصہ دشمنون کے مقابل کھڑا ہو گیا، پہلی جماعت فارغ ہو کر بتدریج دشمنون کے مقابل آگئی، اور دوسری ترتیب کے ساتھ پیچھے ہٹکر آپ کے ساتھ نماز مین جا ملی، یہ تمام تبدیلیان مقتدیون کی صفون مین ہو رہی ہین، لیکن خود سپہ سالار خون آشام تلوارون کے سایہ مین تمام خطرات سے بے پروا عبادت الٰہی مین مصروف ہے[1]، اور اس کو ذرہ برابر جنبش نہین ہوتی،

اِن واقعات کو پڑھ کر اندازہ ہوگا کہ اس حکم الٰہی کی کہان تک تعمیل ہوئی،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَ اذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ، (انفال)	مسلمانو! جب کسی گروہ سے مٹ بھیڑ ہو جائے تو ثابت قدم رہو، اور بار بار خدا کا نام لیتے جاؤ۔ تم کامیاب ہوگے،

صحیح بخاری مین روایت ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) جہاد مین جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تو تین بار اللہ اکبر[2] کہتے،

خشیتہ الٰہی آپ خاتم الانبیاء تھے، افضلِ رُسل تھے، محبوب خاص تھے، تاہم خشیتہ الٰہی کا یہ اثر تھا کہ فرمایا کرتے، کہ "مجھکو کچھ نہین معلوم کہ میرے اوپر کیا گذرے گی، حضرت **عثمان بن مظعون** نے جب وفات پائی تو آپ

---

[1] ابو داؤد جلد اول باب صلوۃ المسافرین۔ [2] باب التکبیر عند الحرب۔

تعزیت کو گئے، لاش دھری تھی، ایک عورت نے لاش کی طرف مخاطب ہوکر کہا "خدا گواہ ہے کہ خدا نے تجھکو نوازا"
آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا "تم کو کیونکر معلوم ہوا؟" بولین "خدا نے اُن کو نہین نوازا تو اور کس کو نوازیگا"
ارشاد ہوا کہ "ہان مجھکو بھی ان کی نسبت بھلائی کی توقع ہے۔ لیکن مین پیغمبر ہوکر بھی یہ نہین جانتا کہ میرے ساتھ کیا
معاملہ کیا جائے گا"[1]

(جب کبھی زور سے ہوا چلتی آپ سہم جاتے، کسی ضروری کام مین ہوتے اس کو چھوڑ کر قبلہ رُخ ہو جاتے[2] اور
فرماتے "خدایا تیری بھیجی ہوئی مصیبت سے پناہ مانگتا ہون"، جب مطلع صاف ہو جاتا، یا پانی برس جاتا تو مسرور ہوتے،
اور خدا کا شکر ادا فرماتے، ایک دن اس قسم کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عائشہ نے پوچھا "یا رسول اللہ! آپ کیون مضطرب
ہو جاتے ہین" ارشاد ہوا "عائشہ! تجھے کیا معلوم کہ قوم ہود کا واقعہ نہ پیش آئے، جس نے بادل دیکھکر کہا کہ یہ ہماری
کھیتون کو سیراب کرنے والا ہے، حالانکہ وہ عذاب[3] الٰہی تھا"

حضرت **ابوبکر**رض نے عرض کی کہ یا رسول اللہ آپ کے بال پکنے لگے، فرمایا "مجھے سورۂ ہود، واقعہ، والمرسلات
اور، عم یتساءلون نے بوڑھا کر دیا[4]، (ان سورتون مین قیامت وغیرہ کے واقعات مذکور ہین) ابی رض بن کعب سے روایت ہی
کہ جب دو ثلث شب گذر چکتی، باواز یہ الفاظ ادا فرماتے "لوگو! خدا کو یاد کرو، خدا کو یاد کرو، زلزلہ آرہا ہی، اُس کے پیچھے
پیچھے آنے والا آرہا ہی، موت اپنے سامان کے ساتھ آپہنچی، موت اپنے سامان کے ساتھ آپہنچی"[5]
فرمایا کرتے تھے "لوگو! جو کچھ مین جانتا ہون، اگر تم جانتے ہوتے، تو تم کو ہنسی کم، اور رونا زیادہ آتا"، (صحیحین)

ایک دفعہ آپ نے نہایت موثر طرز سے خطبہ مین فرمایا "اے معشر قریش! اپنی آپ خبر لو، مین تم کو خدا سے نہین بچا سکتا
اے بنی عبد المناف! مین تمکو بھی خدا سے نہین بچا سکتا، اے عباس بن عبد المطلب! مین تم کو بھی خدا سے نہین بچا سکتا،
اے صفیہ رض! رسول خدا کی پھوپی، مین تجھکو بھی خدا سے نہین بچا سکتا، اے محمدؐ کی بیٹی فاطمہ! مین تجھکو بھی

[1] صحیح بخاری باب الجنائز، [2] سنن ابن ماجہ باب ما یدعوبہ الرجل اذا رایٰ السحاب [3] یہ واقعہ بخاری ومسلم اور دیگر حدیث کی کتابون مین بھی مذکور ہے
اخیر فقرہ قرآن کی آیت کا ترجمہ ہی) [4] شمائل ترمذی، ماجاء فی شیبۃ صلعم [5] مشکوۃ بحوالۂ ترمذی باب البکاء والخوف،)

خدا سے نہین بچا سکتا، (صحیحین)

ایک دفعہ اعراب بادیہ کا مسجد نبوی مین اتنا ہجوم ہوا کہ آپ پسنے کے قریب ہو گئے، مہاجرین نے اُٹھ کر لوگون کو ہٹایا، آپ نکل کر حضرت عائشہ کے حجرہ مین داخل ہو گئے، اور تقاضاے بشری سے بد دعا زبان سے نکلگئی، فوراً قبلہ رُخ ہو کر دونون ہاتھ خدا کی بارگاہ مین اُٹھائے اور دعا کی، خدایا! مین ایک انسان ہون اگر تیرے کسی بندہ کو مجھ سے تکلیف پہنچے تو مجھے سزا نہ دینا[۱]۔

گریہ و بکا خشیت الٰہی کی وجہ سے اکثر آپ پر رقت طاری ہوتی اور آنکھون سے آنسو جاری ہو جاتے تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود نے جب آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے[۲]، اکثر نماز مین رقت طاری ہوتی اور آنسو جاری ہو جاتے، ایک دفعہ جب سورج گرہن پڑا تو نماز کسوف مین آپ ٹھنڈی سانسین بھرتے اور فرماتے تھے خدایا تو نے وعدہ کیا ہے کہ تو لوگون پر میرے ہوتے عذاب نہین نازل کرے[۳] گا،

عبد اللہ بن شخیر ایک صحابی بیان کرتے ہین کہ مین ایک بار خدمت نبوی مین حاضر ہوا دیکھا تو آپ نماز مین مشغول ہین۔ آنکھون سے آنسو جاری ہین، روتے روتے اس قدر ہچکیان بندھ گئی تھین کہ معلوم ہوتا تھا کہ چکی چل رہی ہے یا ہانڈی اُبل رہی[۴] ہے،

ایک بار آپ ایک جنازہ مین شریک تھے، قبر کھودی جا رہی تھی آپ قبر کے کنارے بیٹھ گئے، یہ منظر دیکھکر آپ پر اس قدر رقت طاری ہوئی کہ آنسوؤن سے زمین نم ہو گئی پھر فرمایا بھائیو! اس دن کے لیے سامان کر رکھو[۵]

ایک دفعہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لا رہے تھے، راہ مین ایک پڑاؤ ملا، کچھ لوگ بیٹھے تھے آپ نے دریافت فرمایا کہ تم کون ہو، بولے ہم مسلمان ہین۔ ایک عورت بیٹھی چولھا سلگا رہی تھی، پاس ہی

---

[۱] (مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۰۷ و ۱۲۳، دونون صفحون مین دو روایتین ہین مگر غالباً ایک ہی واقعہ ہے) [۲] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکورہ، [۳] ابوداؤد صلوۃ الکسوف، [۴] ترمذی و ابوداؤد باب البکاء فی صلوۃ اللیل، [۵] سنن ابن ماجہ باب الحزن والبکاء،

اس کا لڑکا تھا، آگ خوب روشن ہوگئی اور بھڑک گئی تو وہ بچہ کو لیکر آپ کی خدمت مین آئی، اور بولی آپ رسول اللہ ہین؟ ارشاد ہوا ہان بیشک، پھر اُس نے پوچھا کیا ایک مان اپنے بچہ پر جس قدر مہربان ہے، خدا اپنے بندون پر اس سے زیادہ مہربان نہین ہے، آپ نے فرمایا ہان بیشک اُس نے کہا تو مان اپنے بچہ کو آگ مین نہین ڈالتی، آپ پر گریہ طاری ہوگیا، پھر سر اُٹھا کر فرمایا، خدا اُس بندہ کو عذاب دیگا جو سرکش اور متمرد ہے، خدا سے سرکشی کرتا ہے، اور اُسکو ایک نہین کہتا[۱]"

ایک دفعہ آپ نے حضرت ابراہیم کی دعا،

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ،	پروردگار! ان بتون نے بہت سے لوگون کو گمراہ کیا ان مین سے جسنے میری پیروی کی وہی میری جماعت مین ہی۔

اس کے بعد حضرت عیسیٰ والی دعا پڑھی،

اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ،	اگر تو اُن کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہین۔ اور اگر معاف کردے تو تو غالب و دانا ہے۔

دونون ہاتھ اُٹھا کر اَللّٰھُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ فرماتے جاتے تھے اور آنکھون سے آنسو جاری تھے[۲])

محبت الٰہی

(دنیا مین دو قسم کے پیغمبر آئے ہین، ایک وہ جنکی آنکھون کے سامنے صرف خدا کے جلال و کبریائی کا جلوہ تھا، اور اس لیے وہ صرف خدا کے خوف و خشیت کی تعلیم دیتے تھے، مثلاً حضرت نوح و حضرت موسیٰ علیہما السلام دوسرے وہ جو محبت الٰہی مین سرشار تھے، اور وہ لوگون کو اسی خمخانۂ عشق کی طرف بلاتے تھے، مثلاً حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام، لیکن یہ دونون افراط و تفریط کے راستے تھے، پہلی راہ اخلاص و محبت کی منزل تک نہین پہنچاتی، اور دوسری عبودیت اور آداب و احترام کی منزل سے دور پھینکدیتی ہے، جیساکہ عیسائی تعلیم اور موجودہ انجیل کی سیرۃ مسیح مین ہر شخص کو نظر آسکتا ہے۔ لیکن اسلام دونون جلوون کو یکسان نمایان کرنا چاہتا ہے، یہی سبب ہے کہ حاملِ شریعت اسلامیہ

(۱) سنن ابن ماجہ باب ما یرجی من رحمۃ اللہ، (۲) صحیح مسلم باب بکائہ صلعم لامتہ)

کی ذات مبارک مین یہ دونون پہلو بہ یک دفعہ نظر آتے ہین، قرآن مجید نے کمال ایمان کا وصف یہ بیان کیا ہی،

وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِلّٰہِ جو ایمان لائے ہین انکو سب سے زیادہ خدا پیارا ہی۔

صحیح روایتون مین ہے کہ آپ راتون کو اتنی دیر تک نماز مین کھڑے رہتے تھے کہ پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا، یہ دیکھکر بعض صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ کی مغفرت تو خدا کرچکا ہے آپ یہ زحمت کیون اُٹھاتے ہین۔" ارشاد ہوا کہ "کیا مین عبدِ شکور نہ بنون"[1] ارباب باطن کہتے ہین کہ لوگ سمجھتے تھے کہ آپ کی یہ عبادت خشیتِ الہی سے ہے، اور چونکہ آپ گناہون سے پاک کردیے گئے تھے اس لیے آپ کو ریاضات شاقہ کی ضرورت نہ تھی آپ نے اپنے جواب مین اسی شبہہ کو دفع فرمایا اور بتایا کہ ان کا مقتضا محبت الہی ہے۔ خشیتہ الہی نہین۔ اسی لیے آپ فرمایا کرتے تھے۔

وجعلت لی قرۃ عینی فی الصلوۃ میری آنکھون کی ٹھنڈک نماز مین ہے۔

راتون کے سناٹے مین اُٹھکر آپ کبھی دعا و زاری مین مصروف ہوتے، کبھی قبرستان کی طرف نکل جاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ نصف شب کے سکوت مین خدا سماے دنیا پر نزول فرماتا ہے[1]، عبادت شبانہ کا خاتمہ صبح کی دو رکعتون پر ہوتا تھا، جنکی نسبت آپ کا ارشاد تھا کہ "انکے معاوضہ مین دنیا اور مافیہا کی نعمتین بھی میرے سامنے ہیچ ہین[2]۔"

ایک دفعہ ایک غزوہ مین کوئی عورت گرفتار ہوکر آئی، اُس کا بچہ گم ہوگیا تھا۔ محبت کا یہ جوش تھا کہ کوئی بچہ ملجاتا تو وہ سینہ سے لگالیتی، اور اُس کو دودھ پلاتی، آپ نے دیکھا تو حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمایا کیا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ عورت خود اپنے بچہ کو آگ مین ڈال دے،" لوگون نے عرض کی ہرگز نہین، فرمایا، "تو خدا کو اپنے بندون سے اس سے زیادہ محبت ہی، جتنی اُس کو اپنے بچہ سے[3] ہی،"

اسی طرح ایک اور واقعہ اوپر گذرچکا ہے کہ آپ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے، ایک عورت اپنے بچہ کو گود مین لیکر خدمت اقدس مین آئی اور عرض کی، یا رسول اللہ! ایک مان کو اپنے بچہ سے جسقدر محبت ہوتی ہی، کیا خدا کو

---

[1] صحیح بخاری [2] صحیح مسلم کتاب الصلوۃ [3] صحیح بخاری صفحہ ۸۸۰ باب رحمۃ الولد۔

اپنے بندون سے اُس سے زیادہ نہین ہے،" فرمایا ہان بیشک ہی" اُس نے کہا کوئی مان تو اپنے بچہ کو آگ مین ڈالنا گوارا نہین کرتی" یہ سنکر فرط اثر سے آپ پر گریہ طاری ہوگیا۔ پھر سر اُٹھاکر فرمایا "خدا صرف اُس بندہ کو عذاب دے گا جو سرکشی سے ایک کو دو کہتا ہے[1]۔

ایک دفعہ آپ صحابہ کی مجلس مین تشریف فرما تھے، ایک صاحب ایک چادر مین ایک پرند کو مع اُس کے بچون کے لپیٹے ہوئے لائے اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! مین نے ایک جھاڑی سے ان بچون کو اُٹھاکر کپڑے مین لپیٹ لیا۔ اُسکی مان نے یہ دیکھا تو میرے سر پر منڈلانے لگی۔ مین نے ذرا سا کپڑے کو کھول دیا تو وہ فوراً بچون پر گر پڑی، ارشاد ہوا کیا اپنے بچون کے ساتھ مان کی اس محبت پر تمکو تعجب ہے، قسم ہے اس ذات کی جس نے مجکو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہی، جو محبت اس مان کو اپنے بچون کے ساتھ ہے، خدا کو اپنے بندون کے ساتھ اس سے بدرجہا زیادہ ہے[2]،

آپ محبت الٰہی کے سامنے دنیا کی تمام محبتون کو ہیچ سمجھتے تھے، وفات سے پانچ دن پہلے آپ نے صحابہ کے مجمع مین ایک خطبہ دیا، اس مین فرمایا "مین خدا کے سامنے اس بات سے برارت کرتا ہون کہ تم مین سے (یعنی انسانون مین سے) کوئی میرا "دوست" ہو، کیونکہ خدا نے مجھے اپنا دوست بنالیا، جس طرح ابراہیم کو اُس نے اپنا دوست بنالیا تھا، اگر مین اپنی امت مین سے کسی کو دوست بنا سکتا تو ابو بکر کو بناتا[3]"،

وفات کے وقت زبانِ مبارک سے جو فقرہ باربار ادا ہو رہا تھا، وہ یہ تھا،

اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلیٰ ۔ خدایا صرف رفیقِ اعلیٰ مطلوب ہی۔

یہ الفاظ سنکر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ "اب آپ ہم لوگون کو چھوڑ دین گے[4]"،

اس "رفاقت علوی" کے راز سے جو کسی قدر آشنا ہین وہ اس فقرہ کی یہ تشریح کرتے ہین۔

انبیا علیہم السلام چون از مقام دعوت فارغ می گردند، و متوجہ عالمِ بقامی شوند، و مصلحتِ رجوع (الی الخلق)

---

[1] سنن ابن ماجہ باب ما یرجیٰ من الرحمۃ۔ [2] مشکوۃ بحوالہ ابو داؤد، باب رحمۃ اللہ [3] صحیح مسلم صفحہ ۲۰۱ باب النہی عن بناء المساجد علی القبور [4] صحیح بخاری، باب الوفات)

تمام می شود۔ بشوقِ تمام ندای اَلَّہُمَّ فِیْ الرَّفِیْقِ الْاَعْلٰی برآوردہ۔ بہ کلیت، متوجہ حق جل شانہ میگردند ودر مراتب قرب سیری می نمایند۔»[1]

توکّل علے اللہ

(توکل کے یہ معنی ہین کہ انسان کوششون کے نتائج اور واقعات عالم کے فیصلہ کو، خدا کے سپرد کردے) اسباب وعلل کے پردے اس کے سامنے سے اُٹھ جائین۔ اور براہ راست ہر چیز اللہ تعالے کے قبضۂ قدرت مین نظر آئے، بظاہر اسباب وعلل گو ناموافق ہون مگر یہ غیر متزلزل یقین پیدا ہو، کہ یہ ناموافق حالات ہمارے کام مین ذرہ بھر مؤثر نہین ہوسکتے، بلکہ اصلی قوت وقدرت عالم اسباب سے ماوراہستی کے ہاتھ مین ہی، انسان کا استقلال عزم، جرأت، و بیباکی یہ تمام باتین اسی ایک اصل کی پرتو ہین، اسی کی بدولت مشکل سے مشکل اوقات مین بھی زمامِ صبر اُس کے ہاتھ سے نہین چھوٹتی، پرخطر سے پرخطر راستون مین بھی جُبن اور ضعفِ ہمت اُس کے قلب مین راہ نہین پاتا، شدید سے شدید حالات مین بھی اس کے دل پر مایوسی کا بادل نہین چھاتا،

آنحضرت صلعم کے سوانح زندگی کا ایک ایک حرف پڑھ جاؤ تم کو صاف نظر آئے گا کہ اس آسمان کے نیچے شدائد اور مصیبتون کی کوئی ایسی صنف نہوگی جو آپ کی راہ مین حائل نہوئی ہو لیکن آپ کا دل کبھی اضطراب وانتشار مایوسی وناامیدی اور خوف وبیم سے آشنا نہوا۔ مکہ کی تنہائیون مین۔ مصائب کے ہجوم مین، دشمنون کے نرغہ مین حنین واُحد کے خونریز معرکون مین ہر جگہ توکل واعتماد علی اللہ کا ایک ہی جلوہ نظر آتا ہے، ابوطالب سمجھاتے ہین کہ "جانِ پدر! اس کام سے ہاتھ اُٹھاؤ"، آپ فرماتے ہین "عمِ محترم! میری تنہائی کا خیال نہ کیجیے، حق زیادہ دیر تک تنہا نہین رہنے گا۔ عجم وعرب ایک دن اس کے ساتھ ہوگا"، ایک دوسرے کے جواب مین آپ فرماتے ہین کہ "خدا بمجھے تنہا نہین چھوڑے گا"[2]، مکہ مین ایک مصیبت زدہ مایوس صحابی سے ارشاد ہوتا ہے "خدا کی قسم عنقریب وہ وقت آتا ہے جب یہ دین مرتبۂ کمال کو پہنچ جائے گا۔ اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہین رہیگا"[3]

ایک دفعہ حرم مین بیٹھکر کفار نے باہم مشورہ کیا کہ محمد اب جیسے ہی یہان قدم رکھین ان کی بوٹی بوٹی

[1] مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی رح مکتوب ۲۰۲ جلد اول [2] یہ دونون واقعہ ابن ہشام مین ہین [3] صحیح بخاری اواخر جلد اول۔

اڑادی جائے۔ حضرت فاطمہ انکی یہ تقریرین رہی تھین، وہ روتی ہوئی آپ کے پاس آئین اور واقعہ عرض کیا، آپ نے اُنکو تسکین دی، اور وضو کے لیے پانی مانگا، وضو کرکے آپ بے خطر حرم کی سمت روانہ ہوگئے۔ جب خاص صحنِ حرم مین پہنچے اور کفار کی نظر آپ پر پڑی خودبخود اُن کی نگاہین جھک گئین۔[1]

جلد اول مین پڑھ چکے ہو کہ شبِ ہجرت مین قریش کے بہادر خون آشام ارادون کے ساتھ کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ لیکن آپ نے نہایت سکون واطمینان کے ساتھ اپنے عزیز، قوتِ بازو علی مرتضیٰ کو اپنی جگہ بستر پر لٹا دیا، حالانکہ اچھی طرح معلوم تھا کہ یہ قتل گاہ ہے۔ بستر خواب نہین۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم تھا کہ ایک اور قادر کُل ہستی ہے جو تختۂ مقتل کو فرش گل بنا سکتی ہے، انکو لٹاتے ہوئے نہایت بے پروائی سے فرمایا کہ تمکو کوئی نقصان نہین پہنچا سکتا۔[2]

گھر کے چارون طرف دشمنان قریش محاصرہ کئے ہوئے تھے، اور خیال ہو سکتا تھا کہ صبحِ امید کے انتظار مین مکہ کے برناؤ پیر عجب نہین کو چون اور گلیون مین مشتاقِ خبر چل پھر رہے ہون۔ لیکن آپ نے اِذنِ الٰہی کے اعتماد پر ان تمام ناموافق حالات کی موجودگی مین گھر سے باہر قدم نکالا، اُس وقت سورۂ یٰسین کی ابتدائی آیتین زبانِ مبارک پر تھین جن مین نبوت کی اور اپنے راہ راست پر ہونے کی تصدیق ہی، آخری آیت یہ تھی۔

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ سَدًّا وَمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا	ہم نے اُنکے آگے اور اُن کے پیچھے دیوارین کھڑی کر دی ہین
فَأَغْشَيْنَاهُمْ فَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ (یٰسین)	ہمنے انکی آنکھون پر پردہ ڈال دیا ہے کہ وہ نہین دیکھتے ہین۔

اور یہ بالکل سچ تھا،

مکہ سے نکلکر آپ نے مع حضرت ابوبکرؓ کے غار ثور مین پناہ لی، قریش مین خون آشامی کے ساتھ اب اپنی ناکامی کا غصہ بھی تھا، اور اس لیے اسوقت اُن کے انتقام کے جذبات مین غیر معمولی تلاطم ہوگا، وہ آپکے تعاقب مین نشانِ قدم کو دیکھتے ہوئے ٹھیک اُسی غار کے پاس پہنچ گئے، کون کہسکتا ہے کہ اس پر خطر حالتین

[1] مسند احمد جلد اول صفحہ ۳۶۸ - [2] ابن ہشام وطبری۔

کسی کے حواس برجا رہ سکتے ہین، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر عرض کی، کہ "یا رسول اللہ دشمن اسقدر قریب ہین کہ اگر ذرا نیچے جھک کر اپنے پانون کی طرف دیکھین گے تو ہم پر نظر پڑجائے گی" لیکن اپ نے روحانیت کے پرسکون آواز مین فرمایا "ان دو کو کیا غم ہے جن کے ساتھ تیسرا خدا ہو"[1] پھر جیسا کہ قرآن مجید مین ہی، فرمایا،

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا، غم نہ کرو، خدا ہمارے ساتھ ہے،

سینۂ نبوت کے سوا اس روحانی سکون کا جلوہ اور کہان نظر آسکتا ہے؟

قریش کے اس اعلان کے بعد کہ جو محمدؐ کو زندہ، یا انکا سر کاٹ کر لائے گا اُسکو سو اونٹ ملین گے، سراقہ بن جعشم نے آپ کا تعاقب کیا، اور اس قدر قریب پہنچگیا کہ وہ آپ کو پا سکتا تھا، حضرت ابوبکرؓ بار بار گھبرا کر اُدھر دیکھ رہے تھے، لیکن آپ نے ایک دفعہ بھی مڑ کر نہین دیکھا کہ سراقہ کس ارادہ سے آرہا ہے، یہان دل پر وہی سکینتِ ربّانی طاری تھی، اور لب ہائے مبارک تلاوت قرآن مین مصروف تھے[2]،

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ مدینہ آکر آپ کی زندگی ہر قسم کے خطرون سے محفوظ ہوگئی تھی لیکن واقعہ یہ ہی کہ گو اسلام کو یہان اعوان و انصار کی ایک معتدبہ تعداد ملگئی تھی، لیکن اسی کے ساتھ اُن دشمنون کا سامنا بھی تھا جو دشمنان مکہ سے زیادہ خطرناک تھے، مکہ مین قریش گو آپ کے دشمن تھے لیکن اُن مین اور رسول اللہ صلعم مین نسبی تعلقات تھے، جو کبھی کبھی کسیکو غمخواری اور مواسات پر بھی مائل کردیتے تھے، لیکن مدینہ کے منافقین اور یہود کو مواسات و ہمدردی کی کوئی وجہ نہین ہوسکتی تھی، علاوہ برین یہود و منافقین مدینہ اور قریش مکہ مین باہم آنحضرت صلعم کے قتل وجلا وطنی کی سازشین شروع ہوگئی تھین[3]، اس بنا پر صحابہ جان نثاری کی بنا پر آکر راتون کو پہرا دیا کرتے تھے، اسی زمانہ مین ایک رات صحابہ آپکے خیمہ کا پہرہ دے رہے تھے، کہ یہ آیت نازل ہوئی،

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ) اور اللہ لوگون سے تیری حفاظت کرے گا۔

---

[1] صحیح بخاری و مسلم ہجرت، [2] صحیح بخاری ہجرت۔ [3] سیرۃ جلد اول سلسلۂ غزوات۔

اور آپ نے اُسی وقت خیمہ سے سر باہر نکال کر صحابہ سے فرمایا[۱]،

ایھا الناس انصرفوا فقد عصمنی اللہ، لوگو واپس جاؤ میری حفاظت کا ذمہ خود خدا نے لے لیا ہے،

غزوۂ نجد سے واپسی مین آپ نے ایک مقام پر پڑاؤ کیا۔ یہان بہت سے درختون کے جھنڈ تھے، دوپہر کا وقت تھا، صحابہ درختون کے سائے مین اِدھر اُدھر سو رہے تھے۔ آپ بھی ایک درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما تھے آپکی تلوار ایک درخت سے لٹکی تھی کہ ناگاہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک مین تھا، چپکے سے آیا، اور آپ کی تلوار اُتار کر نیام سے باہر کی اور آپ کے سامنے آیا کہ دفعۃً آپ ہشیار ہوئے، دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے، بدو نے پوچھا" اے محمد اب مجھ سے تم کو کون بچا سکتا ہے؟"، ایک پر اطمینان صدا آئی کہ "اللہ"[۲]۔

ایک دفعہ ایک شخص گرفتار ہو کر پیش ہوا کہ یہ آپ پر حملہ کی گھات مین تھا، آپ نے فرمایا" اس کو چھوڑ دو[۳] کہ یہ مجکو قتل کرنا بھی چاہتا تو نہین کر سکتا تھا"، یہ اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ میری حفاظت کا ذمہ دار کوئی اور ہے، خیبر مین جس یہودیہ نے آپ کو زہر دیا تھا، اُس سے آپنے دریافت کیا کہ تم نے یہ حرکت کیون کی، اُس نے جواب دیا کہ آپ کے قتل کرنے کے لیے، "آپ نے فرمایا کہ خدا تمکو اس پر مسلّط نہ کرتا[۴]"،

احد اور **حنین** کے معرکون مین جب میدانِ جنگ تھوڑی دیر کے لیے جان نثارون سے خالی ہو گیا تھا۔ آپ کا استقلال، توکّل علے اللہ و سکینت روحانی کی معجزانہ مثال ہے۔

یہ توکل اور اعتماد علی اللہ کی یکرخی تصویر ہے، اس مرقع کا دوسرا رُخ بھی کچھ اس سے کم موثر نہین ہی، آپ پر فقر و غنا کے مختلف دور گذرے، کوئی دن ایسا آتا کہ مسجد نبوی کا صحن زر و مال سے معمور ہو جاتا اور پھر متصل کئی کئی دن ایسے آتے کہ فاقہ سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے، حالانکہ بالکل ممکن تھا کہ آج کا سرمایہ کل کے مصارف کے لیے اُٹھا رکھا جائے، لیکن تمام عمر آپ کا طرز عمل اس کے خلاف رہا کبھی ایک دن کی آمدنی دوسرے دن کے لیے اُٹھا کر نہین رکھی گئی، ضروری اور بقدر کفاف اخراجات کے بعد جو کچھ بچ جاتا وہ شام تک

---

۱ جامع ترمذی، تفسیر مائدہ، ۲ صحیح بخاری کتاب الجہاد ۳ مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۷۱، ۴ صحیح مسلم باب السّم،

اہل استحقاق پر صرف کردیا جاتا تھا، ترمذی مین حضرت انسؓ سے روایت ہی

ان رسول اللہ صلعم کان لایدخر لغدٍ، آنحضرت صلعم کل کے لیے کوئی چیز اُٹھا کر نہین رکھتے تھے،

اتفاق سے یا بھولے سے اگر کوئی چیز گھر مین رہ جاتی تو آپ کو سخت تکلیف ہوتی تھی[1]، بلکہ آپ اُس وقت تک گھر مین تشریف نہین لے جاتے تھے، جب تک یہ نہ معلوم ہو جاتا کہ اب وہان خدا کی برکت کے سوا کچھ نہین ہی[2]، اس قسم کے متعدد واقعات جود وسخا کے عنوان مین مذکور ہین۔

نزع کے وقت جب انسان ہر چیز کو فراموش کر دیتا ہے، آپ کو یاد آیا کہ حضرت عایشہ کے پاس کچھ اشرفیان کھوئی تھین، وہ پڑی ہونگی، اس نازک موقع پر بھی یہ سہو آپکو توکل علی اللہ کی شان کے خلاف نظر آیا ارشاد ہوا کہ "عایشہ! کیا محمدؐ، خدا سے بدگمان ہو کر ملے گا، جاؤ پہلے اُن کو خیرات کردو[3]"

صبر و شکر

(رنج و غم کے متعاقب اور توأم دَور کسکی زندگی مین نہین آتے، لیکن انسان کے روحانی کمال کا جوہر یہ ہے کہ ایک طرف حصولِ مقصد اور کامیابی کے نشہ مین سرشار اور از خود رفتہ نہ ہو، تو دوسری طرف مصائب و آلام کی تلخی کو خندہ جبینی اور کشادہ دلی کے ساتھ گوارا کرلے، اور یہ یقین رکھے کہ انسان کا فرض صرف عمل ہے، کامیابی و ناکامی دونون کا سر رشتہ کسی بالاتر ہستی کے ہاتھ مین ہی، قرآن مجید نے اس آیت مین اسی نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَاؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ۙ لِّكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ ۙ (حدید ۳)

جتنی مصیبتین زمین پر اور خود تم پر نازل ہوتی ہین وہ انکے وجود سے پہلے، دیوان قضا مین لکھی گیئن ہین یہ بات خدا کے لیے آسان ہے، یہ اس لیے کیا گیا تاکہ تم ناکامی پر غم اور حصولِ مقصد پر فخر نہ کرو، خدا مغرور اور فخار کو دوست نہین رکھتا،

[1] صحیح بخاری باب من صلی بالناس فذکر حاجۃ فتخطاہم ومسند احمد جلد ۶ صفحہ ۲۹۳ [2] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین [3] مسند احمد و ابن سعد جزء الوفاۃ،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی زندگی مین وہ بڑی سے بڑی کامیابیان حاصل ہوئین، جو اس آسمان کے نیچے نوع انسان کے کسی فرد کو حاصل ہو سکتی تھین، تاہم آپ کے آئینۂ دل مین کبھی فخر و غرور نے اپنا عکس نہین ڈالا۔ آپ نے فرمایا اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ۔ "مین آدم کے بیٹون کا سردار ہون، لیکن مجھے اسپر فخر نہین" **عدی بن حاتم** طائی نے جو مذہباً عیسائی تھے آپ کے جو حالات سنے تھے انکی بنا پران کو یہ شک تھا کہ آپ بادشاہ ہین، یا پیغمبر؟ جب وہ اپنے قبیلہ کا وفد لے کر حاضر خدمت ہوئے تو عین اُسی وقت ایک مسکین سی عورت اپنی کسی غرض کے لیے بارگاہِ اقدس مین آئی اور مجمع سے ذرا ہٹکر کچھ سن لینے کی درخواست کی آپ فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُسوقت تک گلی مین کھڑے رہے جب تک وہ خود اپنی مرضی سے چلی نہین گئی، عدی کہتے ہین کہ آپ کی تواضع اور خاکساری کا یہ عالم دیکھکر مجھے یقین ہو گیا کہ آپ پیغمبر ہین بادشاہ نہین[1]۔

مفتوح شہرون مین داخل ہوتے ہوئے دنیا کے ہر فاتح کا سر غرور و ناز سے بلند ہو جاتا ہے۔ لیکن **مکہ و خیبر** کا فاتح اسوقت بھی اپنا سر نیاز بارگاہ ایزدی مین جھکا کر شہر مین داخل ہوا۔ **ابن اسحاق** نے روایت کی ہر کہ فتح مکہ مین جب آنحضرت صلعم ذی طوی مین پہونچے اور دیکھا کہ خدا نے آپکو فتح کی عزت عطا کی ہر، تو آپنے اپنی سواری پر توقف کیا،

ان رسول اللہ صلعم لما انتہی الی ذی طوی وقف علی راحلتہ .... لیضع راسہ تواضعاً للہ حین رای ما اکرمہ اللہ بہ من الفتح، حتی ان عثنونہ لیکاد یمس واسطۃ الرحل[2]،	جب آنحضرت صلعم ذی طوی مین پہنچے، اور دیکھا کہ خدا نے آپکو فتح کی عزت عطا کی ہر، تو آپنے اپنی سواری پر توقف کیا... تاکہ اپنا سر خدا کے سامنے جھکالین۔ پھر یہانتک آپ جھکے کہ آپ کی ٹھڈی قریب تھی کہ کجاوہ کی لکڑی سے لگ جائے،

آنحضرت صلعم کثرت سے عبادت اور تسبیح و تہلیل کیا کرتے تھے، بعض صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ خدا تو آپ کو بے گناہ اور معصوم بنا چکا اب آپ کیون یہ زحمت اُٹھاتے ہین؟" ارشاد ہوا

افلا اکون عبداً شکوراً[3]	کیا مین خدا کا شکر گذار بندہ نہ بنون،

---

[1] سیرت ابن ہشام صفحہ ۹۴۷ ج ۲ [2] سیرت ابن ہشام ذکر فتح مکہ۔ [3] صحیح بخاری قیام اللیل

یعنی اگر یہ تعبّد و تسبیح و تحمید پہلے اس مرتبہ کے حصول کے لیے تھی تو اب اس مرتبہ کے حصول پر شکر گذاری اور احسان مندی کے اعتراف مین ہے۔

دنیا کے اعاظم رجال جنکو روحانیت کا کوئی حصہ نہین دیا گیا، اپنی ہر کامیابی کو اپنی قوت بازو، اپنے حسن تدبیر اور اپنے ذاتی رعب و داب کی طرف منسوب کرتے ہین لیکن مقربین الٰہی کی اصطلاح مین یہ تخیل شرک و کفر کے ہمپایہ ہے، اُنکو ہر کامیابی اور مسرت کے واقعہ کے اندر خود **قادر کل** کا دستِ غیر مرئی کام کرتا نظر آتا ہی، حدیث مین ہے کہ[1]

انہ کان اذا جاءہ امر سرور او یسر بہ خر ساجدًا شاکرًا للہ تعالیٰ،

آنحضرت صلعم کے پاس جب کوئی خوشی کی خبر آتی تھی تو خدا تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے آپ فوراً سجدہ مین گر پڑتے تھے۔

قبیلہ ھمدان کے اسلام لانے کی خبر جب آپ کو پہنچی تو آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا[2]، اسی طرح ایک دفعہ اور کسی بات کی آپ کو خبر دی گئی تو آپ فوراً سجدۂ الٰہی بجالائے[3]، وحی کے ذریعہ سے جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ جو مجھپر درود بھیجے گا، اس پر خدا درود بھیجے گا، تو اس رفع منزلت پر آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا[4]،

حضرت **سعد** بیان کرتے ہین کہ ہملوگ آنحضرت صلعم کے ساتھ مکہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے اور جب مقام زدعراء کے قریب پہنچے تو سواری سے اُتر گئے اور ہاتھ اُٹھا کر دیر تک بارگاہِ الٰہی مین دعا کی، پھر سجدہ مین گئے، اور دیر تک اسی حالت مین پڑے رہے، پھر سر اُٹھا کر بدستور دعا کے لیے ہاتھ پھیلائے، اور پھر دیر تک سجدہ مین رہے، پھر اُٹھ کر مضرع کیساتھ دعا شروع کی اور اس کے بعد جبین نیاز خاک پر رکھی، اس دعا و سجود سے فارغ ہو کر آپ نے صحابہ سے فرمایا، "مین نے اپنی اُمت کی مغفرت کے لیے خدا سے دعا مانگی تھی، جس کا ایک حصہ مقبول ہوا مین شکر کے لیے سجدہ مین گرا، پھر مزید درخواست کی، اس نے وہ بھی قبول کی، مین سجدۂ شکر بجالایا، اور پھر دعا، وزاری کی، اُس نے اس کو بھی درجۂ استجابت بخشا، اور پھر مین[5] سجدہ مین گر پڑا،

سورۂ وَالضُّحیٰ مین اللہ تعالیٰ نے آپ کے اسی وصف کو نمایان کیا ہے۔

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی سجود الشکر [2] زاد المعاد بحوالہ بیہقی بسند علی شرط البخاری جلد اصفحہ ۹۰ [3] زاد المعاد مذکور بحوالہ ابن ماجہ۔ [4] مسند احمد عن عبدالرحمان بن عوف [5] ابوداؤد کتاب السجود

وَالضُّحٰى وَاللَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۝ مَا وَدَّعَكَ	(اے پیغمبر!) دن کے پہلے پہر کی قسم، اور رات کی قسم جب وہ پردہ ڈالدے
رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ۝ وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ	کہ تیرے پروردگار نے نہ تو تجکو چھوڑا، اور نہ تجھسے ناراض ہوا، یقیناً تیری
مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى	پچھلی زندگی پہلی سے بہتر ہی، وہ تجکو وہ کچھ دیگا جس سے تو خوش ہوجائیگا،
اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ۝ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا	کیا اُسنے تجکو یتیم نہین پایا تو اپنے پناہ مین لے لیا، اور تجکو راہِ حق کا جویان
فَهَدٰى ۝ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ فَاَمَّا	پایا تو اُسنے سیدھی راہ دکھائی، اور تجکو مفلس پایا تو غنی کر دیا تو (ان نعمتون
الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا	کے شکریہ مین) یتیم پر ظلم نہ کرنا، اور سائل کو نہ جھڑکنا، اور اپنے پروردگار
تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝	کے احسان کو یاد کرتے رہنا،

آپ کی سوانح زندگی کا حرف حرف شاہد ہی کہ آپ عمر بھر کیونکر اس ارشادِ ربانی کی تعمیل کرتے رہے،

صبر کا مفہوم بالکل شکر کے مخالف ہی، لیکن رسول اللہ صلعم کی ذات پاک مین یہ دونون متضاد اوصاف ایک ساتھ جمع ہوگئے تھے اور آپ کو عملاً دونون کے اظہار کا موقع ملا، حدیث شریف مین ہی کہ ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! سب سے زیادہ مصیبت کس پر آتی ہی؟" ارشاد ہوا کہ "پیغمبرون پر، پھر اسیطرح درجہ بدرجہ لوگون پر"[1]، واقعات بھی اس روایت کی تصدیق کرتے ہین، آپ سرورِ انبیا تھے، اس بنا پر دنیا کے شدائد اور مصائب کا بار اس مقدس گروہ مین سب سے زیادہ آپکے دوشِ مبارک پر تھا، اسی لیے قرآن مجید مین بار بار آپکو صبر کی تلقین کیگئی ہی، سورۂ احقاف مین ہی،

وَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ،	(اے پیغمبر!) جسطرح اولوالعزم پیغمبرون نے صبر کیا، تم بھی صبر کرو،

آپ ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ والد نے انتقال کیا، عہدِ طفولیت مین تھے کہ سر سے مان کا سایہ اُٹھ گیا، اس کے دو برس کے بعد دادا نے جنکی نگاہِ لطف زخمِ یتیمی کا مرہم تھی، وفات پائی، نبوت کے بعد ابو طالب نے جو قریش کے ظلم و ستم کی سپر تھے، مفارقت کی، محرمِ اسرار اُم المومنین **خدیجۃ الکبریٰ** جو اس ہجومِ مصائب مین آپ کی تنہا مونس و غمخوار تھین، موت نے ان کو بھی اسی زمانہ مین آپ سے علیحدہ کر دیا، والدین اور بیوی کے بعد انسان کو سب سے زیادہ اولاد سے محبت ہوتی ہے جسکی مفارقت کا زخم تمام عمر مندمل نہین ہوتا، آپ کی اولادِ ذکور حسبِ اختلافِ روایت

[1] سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء،

کم سے کم دو، اور زیادہ سے زیادہ آٹھ تھی، لڑکیون کی تعداد چار تھی، لیکن ایک (حضرت فاطمہ) کے سوا سب نے کمسنی یا جوانی مین آپ کی نگاہون کے سامنے جان دی، ان واقعات پر اگرچہ کبھی کبھی آپ کی آنکھین اشک آلود ہوگئین، لیکن زبان و دل پر ہمیشہ صبر و سکینت کی مُہر لگی رہی، اور کبھی کوئی کلمہ زبان مبارک سے ایسا نہین نکلا جس سے کارکنانِ قضا کی شکایت کا پہلو نکلتا ہو،

آپ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب نے ۸ھ مین وفات پائی تو تجہیز و تکفین کے متعلق آپ نے خود بہ نفس نفیس ہدایات دین، جنازہ قبر کے سامنے رکھا گیا تو آپ کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے۔ لیکن زبان مبارک سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ حضرت زید (پروردہ خاص) اور حضرت جعفر (ابن عم) دونون آپ کو بہت محبوب تھے غزوۂ موتہ مین انکی شہادت کی خبر آئی تو چشم مبارک اشک آلود ہوگئی، لیکن اسی اثنا مین حضرت جعفر کے گھر سے نوحہ کی آواز آئی تو آپ نے منع کر بھیجا۔ آپ کا ایک نواسہ جس سے آپ کو محبت تھی مبتلاے نزع ہوا تو صاحبزادی نے بلا بھیجا، لیکن آپ نے اس کے جواب مین سلام کے بعد یہ پیغام بھیجا،

اِنَّ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی وَکُلٌّ عِنْدَہٗ بِاَجَلٍ	اللہ نے جو لے لیا، وہ اُسی کا تھا، اور جو دیا وہ بھی اُسی کا ہے
مُسَمًّی فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ،	اسکا ہر کام وقت مقرر پر ہوتا ہی، صبر کرو اور اُس سے خیر طلب کرو۔

صاحبزادی نے دوبارہ بہ اصرار بلایا، آپ چند صحابہ کیساتھ وہان تشریف لے گئے، بچہ آپکی گود مین رکھ دیا گیا، وہ دم توڑ رہا تھا، آپ کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے، ایک صحابی نے کہا "یارسول اللہ یہ کیا ہے؟" فرمایا "یہ جذبہ محبت ہی جو اللہ تعالی نے اپنے بندون کے دل مین رکھا ہی، خدا اپنے بندون مین سے رحمدلون ہی پر رحم کرتا ہی"

ایک بار آپ سعد بن عبادہ کی عیادت کو تشریف لائے، اور انکی حالت دیکھکر فرمایا کہ "انتقال کر گئے" صحابہ نے کہا "نہین یارسول اللہ" آپ رُو پڑے، تو آپکو روتے دیکھکر صحابہ بھی رُو پڑے، آپنے فرمایا "اللہ تعالی آنکھونکے آنسو اور دل کے غم کو منع نہین کرتا لیکن (زبان کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ) اس سے عذاب ہوتا ہی، حضرت ابراہیم کی نجات کیوقت جب آپکی آنکھون سے اشکِ محبت جاری ہوئے تو عبد الرحمان بن عوف نے کہا "یارسول اللہ! یہ کیا بات ہی" فرمایا "یہ رحمت و شفقت ہی" حضرت عبد الرحمان نے دوبارہ گذارش کی، ارشاد ہوا[۱]،

[۱] ان تمام واقعات کیلیے صحیح بخاری کتاب الجنائز دیکھو

اِنَّ العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا مایرضی ربّنا وانّا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون،

آنکھ اشک ریز ہے، دل غمگین ہے، لیکن ہم وہی کہین گے جو ہمارے رب کی مرضی ہو۔ اے ابراہیم ہم تمہارے فراق مین بہت غمگین ہین۔

بہرحال یہ واقعات آنی ہین، یعنی ان کا اثر ایک خاص وقت تک انسان پر رہتا ہے، پھر مٹ جاتا ہے لیکن مسلسل اور غیر منقطع مصائب وحوادث کو اس طرح برداشت کرنا کہ کبھی پیمانۂ صبر لبریز نہ ہونے پائے، سخت مشکل ہے۔ ہجرت سے پہلے ۱۳ سال تک طایف اور مکہ کے اشقیانے دعوتِ حق کا جس تحقیر واستہزاء، سب وشتم، تعذیب وایذارسانی کے ساتھ جواب دیا، اُس کے دُھرانے کی حاجت نہین، مدینہ منورہ مین آٹھ نو برس تک جن خونین معرکون کا ہمیشہ سامنا رہا اور دشمنون نے آپ کی جلاوطنی وقتل وشکست کے جو جو منصوبے باندھے انکے اعادہ کی بھی ضرورت نہین، لیکن ان تمام تیرون کی بوچھار صبر کے سوا آپ نے کس سپر پر روکی؟،

اس سے بھی زیادہ مشکل اُن واقعات پر صبر ہے جو خود اختیاری ہون، فتوحات کی کثرت گو ہر دفعہ بیت المال کو معمور کردیتی تھی، لیکن دستِ کرم کو اُسی وقت آرام ملتا جب سارا خزانہ ارباب حاجت اور فقرا مین لٹ چکا ہوتا، چنانچہ اسی بنا پر خود آپ اور تمام اہلبیت کی زندگی اکثر فقر وفاقہ مین گذرتی تھی، جسم مبارک کے لیے ایک کے سوا کپڑے کا کوئی دوسرا جوڑا نہین ہوتا تھا، تاہم یہ تمام شدائد اس لیے گوارا تھے کہ صبر کی لذت، الوان نعمت کی خوشگواری اور لباسہاے فاخرہ کی مسرت سے کہین زیادہ تھی۔

لیکن سب سے زیادہ حوصلہ شکن اور صبر آزما اُس تیر کا نشانہ ہے جو دشمنون کے نہین بلکہ دوستون کے ہاتھ سے لگایا جائے دو دفعہ ایسا ہوا کہ بعض جلد باز نوجوانون نے آپکے کسی فعل پر جو کسی مصلحت پر مبنی تھا اعتراض کیا، اس موقع پر بھی صبر کا رشتہ آپکے ہاتھ سے نہ چھوٹا، صحیح بخاری مین ہو کہ غنائم حنین کے متعلق ایک دو انصاریون نے اعتراض کیا کہ آنحضرت صلعم نے یہ دوسرون کو کیون دیدیا، حق تو ہمارا تھا، آپ کو اسکی خبر پہنچی تو فرمایا،

رحمۃ اللہ علی موسی قد اوذی اکثر من ذلک فصبر (باب غزوۂ حنین)

موسیٰ پر خدا کی رحمت ہو وہ اس سے بھی زیادہ (اپنے دوستون کی طرف سے) ستاگئے ہین لیکن انھون نے صبر کیا۔

اخلاقِ نبوی

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ،

(حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس کا یہ وہ حصہ ہی، جہان آکر آپ کی زندگی تمام انبیائے کرام اور مصلحین عالم سے علانیہ ممتاز نظر آتی ہے۔ تاریخی ہستی کا ثبوت ایک طرف اگر یہ سوال کیا جائے کہ ان اخلاقی واعظون کا خود عملی نمونہ کیا تھا، تو دنیا اس کے جواب سے عاجز رہ جائے گی، دنیا کے تمام مصلحین اخلاق مین گوتم بدھ اور مسیح کا درجہ سب سے بڑا ہے، لیکن کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ ہندوستان کا یہ مصلحِ اعظم (بودھ) عملاً خود کیا تھا، کوہِ زیتون کے رحیمانہ اخلاق کا واعظ (مسیحؑ) دنیا کو اخلاق کا بہترین درس دیتا تھا، لیکن اسکی زندگی کا ایک واقعہ بھی اُس کے زرّین مقولون کی تائید مین تمکو معلوم ہی؟

لیکن مکہ کا معلّم اُمّی پکار کر کہتا تھا،

لم تقولون ما لا تفعلون (بقرہ) جو نہین کرتے وہ کہتے کیون ہو۔

وہ خود اپنی تعلیم کا آپ نمونہ تھا، انسانون کے مجمع عام مین وہ جو کچھ کہتا تھا، گھر کے خلوت کدہ مین وہ اُسی طرح نظر آتا تھا، اخلاق وعمل کا جو نکتہ وہ دوسرون کو سکھاتا تھا، وہ خود اس کا عملی پیکر بنجاتا تھا، بیوی سے بڑھکر انسان کے اخلاق کا اور کون رازدان ہوسکتا ہے۔ چند صاحبون نے آکر حضرت عائشہ سے درخواست کی کہ حضرت کے اخلاق بیان کیجیے، انھون نے پوچھا کیا تم قرآن نہین پڑھتے؟ ان خلق رسول اللہ صلعم کان القرآن، آپکا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا[۱]،

موجودہ صحائفِ آسمانی اپنے داعیون کے بہترین اقوال کا مجموعہ ہین، لیکن کیا اُنکا ایک حرف بھی اپنے مبلغین کے عمل کا مدّعی ہے۔ قرآن مجید لاکھون مخالفین اور اہل عناد کی بھیڑ مین اپنے داعیِ حق کی نسبت گویا تھا،

---

[۱] ابوداؤد باب الصلوۃ فی اللیل،۔

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ — اے محمد تم اخلاق کے بڑے درجہ پر ہو۔

بیدرد نکتہ چین آج تیرہ سو برس کے بعد آپ کو سنگدل کہتے ہین، لیکن اُسوقت جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا قرآن خود دشمنون کے مجمع مین آپ کی نسبت کیا شہادت دے رہا تھا،

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران)

خدا کی عنایت سے تم اُن سے بہ نرمی پیش آتے ہو۔ اگر تم کہین کج خلق اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے ہٹ جاتے۔

دوسری جگہ کہتا ہے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (توبہ)

تمہارے پاس تم مین سے خود ایک پیغمبر آیا، اُسپر تمہاری تکلیف بہت شاق گذرتی ہے، تمہاری بھلائی کا وہ بھوکا ہے، اہل ایمان پر نہایت نرم اور مہربان ہے۔

مسئلۂ اخلاق کی نسبت ایک بڑی غلطی یہ کی گئی ہے کہ صرف رحم و رافت اور تواضع و خاکساری کو پیغمبرانہ اخلاق کا مظہر قرار دیدیا گیا، حالانکہ اخلاق وہ چیز ہے جو زندگی کی ہر تر مین اور واقعات کے ہر پہلو مین نمایان ہوتی ہے دوست و دشمن، عزیز و بیگانہ، صغیر و کبیر، مفلس و تونگر، صلح و جنگ، خلوت و جلوت، غرض ہر جگہ اور ہر ایک تک دائرہ اخلاق کی وسعت ہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنوانِ اخلاق پر اسی حیثیت سے نظر ڈالنی چاہیے)

اخلاق نبوی کا جامع بیان (اس سے پہلے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق مبارکہ کے جزئی اور تفصیلی واقعات لکھے جائین، اُن صاحبون کے بیانات زیر تحریر آتے ہین، جنھون نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین سالہا سال اور مدتہاے دراز بسر کی ہین۔ اور جو آپ کے اخلاق و عادات کے دفتر کے ایک ایک حرف سے واقف تھے، انسان کے حالات کا واقف کار بیوی سے بڑھکر دنیا مین کون ہوسکتا ہے، حضرت **خدیجۃ الکبریٰ** جو نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد ۲۵ برس تک آپ کی خدمتِ زوجیت مین رہی تھین، زمانۂ آغازِ وحی مین آپ کو ان الفاظ مین تسلی دیتی تھین "ہرگز نہین، خدا کی قسم، خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا، آپ صلۂ رحم کرتے ہین، مقروضون کا بار اُٹھاتے ہین۔ غریبون کی اعانت کرتے ہین، مہمانون کی ضیافت کرتے ہین، حق کی

حمایت کرتے ہین، مصیبتون مین لوگون کے کام آتے ہین[۱]"

امہات المومنین مین حضرت عایشہ سے بڑھکر کسی نے آپ کے اوصاف تفصیل سے نہین بیان کئے ہین فرماتی ہین "آنحضرت صلعم کی عادت کسی کو برُا بھلا کہنے کی نہ تھی، برُائی کے بدلہ مین برُائی نہین کرتے تھے، بلکہ درگذر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے[۲] تھے، آپ کو جب دو باتون مین اختیار دیا جاتا، تو اُن مین جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے۔ بشرطیکہ وہ گناہ نہو، ورنہ آپ اُس سے بہت دور ہوتے، آپ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ مین انتقام نہین لیا، لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا، خدا اُس سے انتقام لیتا[۳] تھا، (یعنی خدا کی طرف سے بموجب احکام ربانی آپ اُسپر حد جاری فرماتے تھے) آپ نے نام لیکر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہین کی آپ نے کبھی کسی غلام کو، لونڈی کو، کسی عورت کو، خادم کو، جانور[۴] کو اپنے ہاتھ سے نہین مارا، آپ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہین فرمائی، لیکن یہ کہ وہ ناجائز[۵] ہو، آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خندان، ہنستے اور مسکراتے ہوئے، دوستون مین پانون پھیلا کر نہین بیٹھتے[۶] تھے، باتین ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے تھے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے[۷]"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو آنحضرت صلعم کے تربیت یافتہ تھے، اور آغاز نبوت سے آخر عمر تک کم از کم ۲۳ برس آپ کی خدمت اقدس مین رہے تھے، ایک دفعہ حضرت امام حسینؓ نے اُن سے آپ کے اخلاق و عادات کی نسبت سوال کیا۔ فرمایا "آپ خندہ جبین، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے، بات بات پر شور نہین کرتے تھے، کوئی برُا کلمہ منھ سے کبھی نہین نکالتے تھے، عیب جو اور تنگ گیر نہ تھے، کوئی ایسی بات ہوتی جو آپ کے ناپسند ہوتی تو اُس سے اغماض فرماتے تھے، کوئی آپ سے اس کی امید رکھتا تو نہ اس کو مایوس بناتے تھے، اور نہ منظوری ظاہر فرماتے تھے، (یعنی صراحۃً انکار و تردید نہین کرتے تھے، بلکہ خاموش رہتے تھے،

---

[۱] صحیح بخاری باب بدءالوحی۔ [۲] جامع ترمذی و شمائل ترمذی، [۳] صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد کتاب الادب۔
[۴] یہ تفصیل مسلم اور ابو داؤد وغیرہ احادیث کے مختلف روایات مین حضرت عایشہ سے مروی ہے [۵] حاکم بہ سند متصل، اسکے بعض ٹکڑے صحیح مسلم مین بھی ہین۔ [۶] ابن سعد۔ [۷] صحیح بخاری و مسلم و ابو داؤد۔

اور مزاج شناس آپ کے تیور سے آپ کا مقصد سمجھ جاتے تھے) اپنے نفس سے تین چیزین آپنے بالکل دور کردی تھین -
بحث ومباحثہ، ضرورت سے زیادہ بات کرنا، اور جو بات مطلب کی نہو اس مین پڑنا، دوسرون کے متعلق بھی تین
باتون سے پرہیز کرتے تھے. کسی کو بُرا نہین کہتے تھے، کسی کی عیب گیری نہین کرتے تھے، کسی کے اندرونی حالات
کی ٹوہ مین نہین رہتے تھے، وہی باتین کرتے تھے جن سے کوئی مفید نتیجہ نکل سکتا تھا، جب آپ کلام کرتے صحابہ
اسطرح خاموش ہوکر اور سر جھکا کر سنتے گویا اُن کے سرون پر پرندے بیٹھے ہین - جب آپ چپ ہوجاتے تو پھر وہ
آپس مین باتین چیتین کرتے، کوئی دوسرا بات کرتا تو جب تک وہ بات ختم نہ کرلیتا، چپ سنا کرتے، لوگ جن باتونپر
ہنستے آپ بھی مسکرا دیتے، جن پر لوگ تعجب کرتے، آپ بھی کرتے، کوئی باہر کا آدمی اگر بیباکی سے گفتگو کرتا تو آپ
تحمل فرماتے، دوسرون کے منھ سے اپنی تعریف سننا پسند نہین کرتے تھے، لیکن اگر کوئی آپ کے احسان وانعام کا
شکریہ ادا کرتا تو قبول فرماتے، جب تک بولنے والا خود چپ نہو جاتا آپ اسکی بات درمیان سے نہین کاٹتے تھے[۱]،
نہایت فیاض، نہایت راست گو، نہایت نرم طبع اور نہایت خوش صحبت تھے، اگر کوئی دفعتہً آپکو دیکھتا تو مرعوب
ہوجاتا. لیکن جیسے جیسے آشنا ہوتا جاتا آپ سے محبت کرنے لگتا[۲]"

ہند بن ابی ہالہ جو گویا آنحضرت صلعم کے آغوش پروردہ تھے. وہ بیان کرتے ہین[۳] کہ "آپ نرم خو تھے سخت
مزاج نہ تھے. کسی کی توہین روا نہین رکھتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتون پر اظہار شکر فرماتے تھے. کسی چیز کو بُرا نہین
کہتے تھے، کھانا جس قسم کا سامنے آتا تناول فرماتے، اور اس کو بُرا بھلا نہ کہتے، کوئی اگر کسی امر حق کی مخالفت کرتا
تو آپ کو غصہ آجاتا. اور اسکی پوری حمایت کرتے، لیکن خود اپنے ذاتی معاملہ پر کبھی آپ کو غصہ نہین آیا. اور نہ کسی
سے انتقام لیا"

مداومتِ عمل (اخلاق کا سب سے مقدم اور ضروری پہلو یہ ہے کہ انسان جس کام کو اختیار کرے اسپر اس قدر استقلال
کے ساتھ قایم رہے کہ گویا وہ اُسکی فطرت ثانیہ بن جائے. انسان کے سوا دنیا کی تمام مخلوقات صرف ایک ہی

---

۱ یہ پوری تفصیل شمائل ترمذی، بیانِ اخلاق مین ہے. ۲ یہ ٹکڑہ شمائل ترمذی، بیان حلیۂ مبارک مین ہی. ۳ شمائل ترمذی.

قسم کا کام کرسکتی ہے اور وہ فطرةً اُسی پر مجبول ہے، آفتاب صرف روشنی بخشتا ہی، اُس سے تاریکی کا صدور نہین ہوسکتا، رات تاریکی ہی پھیلاتی ہے، وہ روشنی کی علت نہین، درخت اپنے موسم ہی مین پھلتے ہین اور پھول ایامِ بہار ہی مین پھوٹتے ہیں۔ حیوانات کا ایک ایک فرد اپنی نوعی افعال و اخلاق سے ایک سرِ مو تجاوز نہین کرسکتا لیکن انسان خدا کی طرف سے مختار پیدا ہوا ہے، وہ آفتاب بھی ہے، اور رات کی تاریکی بھی، اُس کے جوہر کا درخت ہر موسم مین پھلتا ہے، اور اُس کے اخلاق کے پھول ایام بہار کے پابند نہین۔ وہ حیوانات کی طرح کسی ایک ہی خاص قسم کے اعمال و اخلاق پر مجبور نہین، اسکو اختیار دیا گیا ہے، اور یہی اختیار اُس کے مکلف اور ذمہ دار ہونے کا راز ہے۔

لیکن اخلاق کا ایک دقیق نکتہ یہ ہے کہ انسان اپنے لیے اخلاق حسنہ کا جو پہلو پسند کرے، اُسکی اس شدت سے پابندی کرے، اور اس طرح دائمی اور غیر متبدل طریقے سے اس پر عمل کرے، کہ گویا وہ اپنے اختیار کے باوجود اس کام کے کرنے پر مجبور ہے۔ اور لوگ دیکھتے دیکھتے یہ یقین کرلین کہ اس شخص سے اس کے علاوہ اور کوئی بات سرزد ہو ہی نہین سکتی۔ گویا اُس سے یہ افعال اُس طرح صادر ہوتے ہین جیسے آفتاب سے روشنی۔ درخت سے پھل، اور پھول سے خوشبو، کہ یہ خصوصیات اُن سے کسی حالت مین الگ نہین ہوسکتین، اسی کا نام استقامت حال اور مداومتِ عمل ہے۔

آنحضرت صلعم اپنے تمام کامون مین اسی اصول کی پابندی فرماتے تھے، جس کام کو جس طریقہ سے جسوقت آپ نے شروع فرمایا، اُس پر برابر شدت کے ساتھ قایم رہتے تھے **سُنّت** کا لفظ ہماری شریعت من اسی اصول سے پیدا ہوا ہے، سنت وہ فعل ہے جسپر آنحضرت صلعم نے ہمیشہ مداومت فرمائی ہے۔ اور بغیر کسی قوی مانع کے کبھی اُسکو ترک نہین فرمایا، اس بنا پر جس قدر سنن ہین وہ درحقیقت آپکی استقامت حال اور مداومت عمل کی ناقابل انکار مثالین ہین، آپ کے معمولات کا ذکر اس سے پہلے ہوچکا ہے، جس سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ آپ کے تمام اخلاق و اعمال کس قدر پختہ اور مستحکم تھے، کہ کبھی تمام عمر اس مین ایک ذرہ فرق نہین پیدا ہوا، ایک دفعہ ایک

شخص نے آنحضرت صلعم کے عبادات و اعمال کے متعلق حضرت عایشہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ کسی خاص دن یہ کرتے تھے۔ اُنھون نے جواب دیا لا کان عملہ دیمۃ آپکا عمل جھڑی ہوتا تھا، یعنی جس طرح بادل کی جھڑی جب برسنے پر آتی ہے تو نہین رُکتی۔ اسی طرح آپ کا حال تھا۔ کہ جو بات ایک دفعہ آپنے اختیار کر لی ہمیشہ اسکی پابندی کی، پھر فرمایا وایکم یستطیع ما کان النبی صلعم یستطیع آنحضرت صلعم جو کر سکتے تھے وہ تم مین سے کون کر سکتا ہی[1]، دوسری روایت مین ہی،

وکان اذا عمل عملاً اثبتہ[2] جب آنحضرت صلعم کوئی کام کرتے تھے تو اسپر مداومت فرماتے تھے۔

اسلیے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا خود ارشاد ہے[3]:

ان احب العمل الی اللہ ادومہ، خدا کے نزدیک سب سے محبوب وہ کام ہی جسپر سب سے زیادہ انسان مداومت کرے۔

آپ راتون کو اُٹھکر عبادت کیا کرتے تھے، حضرت عایشہ کہتی ہین کہ آنحضرت صلعم نے کبھی رات کی یہ عبادت ترک نہین کی، اگر کبھی مزاج اقدس ناساز یا سُست ہوا تو بیٹھکر ادا کرتے تھے[4]، جریر بن عبد اللہ ایک صحابی ہین جنکو دیکھکر آپ محبت سے مسکرا دیا کرتے تھے، انکا بیان ہی کہ کبھی ایسا نہوا کہ مین خدمت اقدس مین حاضر ہوا ہون اور آپ نے مسکرا نہ دیا ہو[5]،

جس کام کے کرنے کا جو وقت آپ نے مقرر کر لیا تھا اس مین کبھی تخلف نہوا، نماز اور تسبیح و تہلیل کے اوقات نوافل کی تعداد، خواب اور بیداری کے مقررہ ساعات، ہر شخص سے ملنے جلنے کے طرز و انداز مین کبھی فرق نہین آیا۔ اور اب وہی مسلمانون کی زندگی کا دستور العمل ہے)۔

حسن خلق (حضرت علی، حضرت عایشہ، حضرت انس، حضرت ہند بن ابی ہالہ وغیرہ جو مدتون آپکی خدمت مین رہے تھے، ان سب کا متفقاً بیان ہے۔ کہ آپ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق، اور نکو سیرت تھے آپکا چہرہ ہنستا تھا، وقار و متانت سے گفتگو فرماتے تھے، کسی کی خاطر شکنی نہین کرتے تھے،)

[1] صحیح بخاری کتاب الرقاق [2] ابو داؤد آخر کتاب الصلوۃ و صحیح بخاری کتاب الادب۔ [3] ایضاً، [4] ابو داؤد قیام اللیل۔ [5] صحیح مسلم مناقب جریر بن عبد اللہ۔

معمول یہ تھا کہ کسی سے ملنے کے وقت ہمیشہ پہلے خود سلام اور مصافحہ فرماتے، کوئی شخص جھک کر آپ کے کان مین کچھ بات کہتا تو اُس وقت تک اُسکی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک وہ خود مُونھہ نہ ہٹا لے۔ مصافحہ مین بھی یہی معمول تھا، یعنی کسی سے ہات ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے اُس کا ہاتھ نہ چھوڑتے، مجلس مین بیٹھتے تو آپ کے زانو کبھی ہمنشینون سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے[1]،

اکثر نوکر چاکر، لونڈی غلام خدمتِ اقدس مین پانی لیکر آتے کہ آپ اس مین ہات ڈالدین تاکہ متبرک ہو جائے جاڑون کے دن اور صبح کا وقت ہوتا، تاہم آپ کبھی انکار نہ فرماتے[2]،

ایک دفعہ آپ سعد بن عبادہ سے ملنے گئے، واپس آنے لگے تو انھون نے اپنے صاجزادہ قیس کو ساتھ کر دیا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہمرکاب جائین۔ آنحضرت صلعم نے قیس سے کہا، تم بھی میرے اونٹ پر سوار ہو لو، اُنھون نے بے ادبی کے لحاظ سے تامل کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ یا سوار ہو لو، یا گھر کو واپس جاؤ وہ واپس چلے آئے[3]،

ایک دفعہ نجاشی کے ہان سے ایک سفارت آئی، آپ نے اُس کو اپنے ہان مہمان رکھا، اور خود بہ نفس نفیس مہمانداری کے تمام کام انجام دیے۔ صحابہ نے عرض کی کہ ہم یہ خدمت انجام دین گے، ارشاد ہوا کہ ان لوگون نے میرے دوستون کی خدمت گذاری کی ہے، اس لیے مین خود انکی خدمت گذاری کرنی چاہتا ہون[4]۔

عتبان بن مالک جو اصحاب بدر مین تھے، انکی بینائی مین فرق آ گیا تھا، آنحضرت صلعم کی خدمت مین آ کر درخواست کی کہ مین اپنے محلہ کی مسجد مین نماز پڑھاتا ہون، لیکن جب بارش ہو جاتی ہے تو مسجد تک جانا مشکل ہو جاتا ہے اس لیے اگر آپ میرے گھر مین تشریف لا کر نماز پڑھ لیتے تو مین اسی جگہ کو سجدہ گاہ بنا لیتا، دوسرے دن صبح کے وقت آپ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لیکر اُنکے گھر گئے، دروازہ پر ٹھہر کر اذن مانگا، اندر سے جواب آیا

---

[1] ابوداؤد و ترمذی، [2] صحیح مسلم باب فی قرب النبی صلے اللہ علیہ وسلم من الناس۔ [3] سنن ابوداؤد کتاب الادب، [4] شرح شفاء قاضی عیاض بحوالہ دلائل بیہقی، جلد اخلاق۔

توگھر مین تشریف لے گئے اور دریافت فرمایا کہ کہان نماز پڑھون؟ اُنھون نے جگہ بتادی، آپنے تکبیر کہکر دو رکعت نماز ادا کی، نماز کے بعد لوگون نے کھانے کے لیے اصرار کیا، حریرہ ایک کھانا ہوتا ہی، قیمہ پر چھڑک کر طیار کرتے ہین وہ سامنے آیا، محلہ کے تمام لوگ کھانے مین شریک ہوئے، حاضرین مین سے کسی نے کہا **مالک بن دخشن** نظر نہین آتے، ایک نے کہا وہ منافق ہے، ارشاد فرمایا یہ نہ کہو، وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہین، لوگون نے کہا ہان۔ لیکن اُس کا میلان منافقین کی طرف ہے، آپ نے فرمایا جو شخص خدا کی مرضی کے لیے لا الہ الا اللہ کہتا ہے، خدا اُس پر آگ کو حرام کردیتا ہے[۱]،

(ابتدائے ہجرت مین خود آنحضرت صلعم اور تمام مہاجرین، انصار کے گھر مہمان رہے تھے، دس دس آدمیون کی ایک ایک جماعت ایک ایک گھر مین مہمان اُتاری گئی تھی **مقداد بن الاسود** کہتے ہین کہ مین اس جماعت مین تھا جس مین خود آنحضرت صلعم شامل تھے، گھر مین چند بکریان تھین جن کے دُودھ پر گذارہ تھا، دُودھ دُوہ چکتا تو سب لوگ اپنے اپنے حصّہ کا پی لیتے اور آپ کے لیے پیالہ مین چھوڑ دیتے، ایک شب کا واقعہ ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کی تشریف آوری مین تاخیر ہوئی، لوگ دُودھ پی پی کر سو رہے، آپ نے آکر دیکھا تو پیالہ خالی پایا، خاموش ہو رہے، پھر فرمایا، خدایا! جو آج کھلادے اُسکو تو بھی کھلا دینا، حضرت **مقداد**رضہ چھری لیکر کھڑے ہوئے کہ بکری کو ذبح کرکے گوشت پکائین، آپ نے روکا اور بکری کو دوبارہ دُوہ کر جو کچھ نکلا اُسی کو پی کر سو رہے[۲]، اور کسی کو اس فعل پر ملامت نہ کی،)

ابوشعیب ایک انصاری تھے، اُنکا غلام بازار مین گوشت کی دوکان رکھتا تھا، ایک دن وہ خدمت اقدس مین آئے۔ آپ صحابہ کے حلقہ مین تشریف فرما تھے، اور چہرہ سے بھوک کا اثر پیدا تھا، **ابوشعیب** نے جاکر غلام سے کہا کہ پانچ آدمیون کا کھانا طیار کرو، کھانا طیار ہو چکا تو آکر آنحضرت صلعم سے درخواست کی کہ صحابہ کے ساتھ قدم رنجہ فرمائین۔ کل پانچ آدمی تھے، راہ مین ایک اور شخص ساتھ ہولیا، آنحضرت صلعم نے ابوشعیب سے

---

[۱] بخاری جلد ۱ صفحہ ۶۱ کتاب الصلوۃ۔ [۲] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۔

کہا کہ یہ شخص بے کہے ساتھ ہولیا ہے، تم اجازت دو تو یہ بھی ساتھ آئے، ورنہ رخصت کردیا جائے، انھون نے کہا آپ اِن کو بھی ساتھ لائین[1]۔

عقبہ بن عامر ایک صحابی تھے ایک دفعہ آنحضرت صلعم پہاڑ کے درہ مین اونٹ پر سوار جارہے تھے یہ بھی ساتھ تھے، آنحضرت صلعم نے اُن سے کہا کہ آؤ سوار ہولو" اُنھون نے اِس کو گستاخی سمجھا کہ رسول اللہ کو پیادہ بنا کر خود سوار ہون، آنحضرت صلعم نے دوبارہ کہا، اب انکار کرنا امتثال امر کے خلاف تھا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اُتر پڑے اور یہ سوار ہولیے[2]۔

مجالسِ صحبت مین لوگون کی ناگوار باتون کو برداشت فرماتے اور اس کا اظہار نہ کرتے، حضرت زینب سے جب نکاح ہوا، اور دعوت ولیمہ کی تو کچھ لوگ کھانا کھاکر وہین بیٹھے رہے، اس وقت پردہ کا حکم نازل نہین ہوا تھا، اور حضرت زینب بھی مجلس مین شریک تھین، آپ چاہتے تھے کہ لوگ اُٹھ جائین۔ لیکن زبان سے کچھ نہین فرماتے تھے، لوگون نے کچھ خیال نہ کیا، آپ اُٹھکر حضرت عایشہ کے حجرہ تک گئے، واپس آئے تو اسی طرح مجمع موجود تھا، پھر واپس چلے گئے، اور دوبارہ تشریف لائے، پردہ کی آیت اسی موقع پر اتری[3]،

غزوۂ حنین سے واپس آرہے تھے کہ راہ مین نماز کا وقت آگیا، حسب دستور ٹھہر گئے، موذّن نے اذان دی **ابومحذورہ** جو اس وقت تک اسلام نہین لائے تھے چند دوستون کے ساتھ گشت لگا رہے تھے، اذان سنکر سب نے چلاّ چلاّ کر استہزا کے طور پر اذان کی نقل اتارنی شروع کی، آنحضرت صلعم نے سب کو بلواکر ایک ایک سے اذان کہلوائی۔ ابومحذورہ خوش لحن تھے اُن کی آواز پسند آئی، سامنے بٹھاکر سر پر ہات پھیرا، اور برکت کے لیے دعا کی، پھر اُن کو اذان سکھلا کر ارشاد فرمایا کہ جاؤ اسی طرح حرم مین اذان دیا کرنا[4]،

ایک صحابی کا بیان ہے کہ بچپن مین، مین انصار کے نخلستان مین چلا جاتا اور ڈھیلون سے مار کر کھجورین

---

[1] بخاری صفحہ ۸۲۱، [2] نسائی صفحہ ۸۰۳، [3] بخاری صفحہ ۹۲۲، باب آیۃ الحجاب، [4] دارقطنی، مطبوعۂ دہلی، جلد اول صفحہ ۸۶ کتاب الصلوٰۃ۔

گراتا، لوگ مجکو خدمتِ اقدس مین لے گئے، آپ نے پوچھا ڈھیلے کیون چلاتے ہو؟ مین نے کہا کھجورون کے لیے، ارشاد فرمایا کہ زمین پر ٹپکی ہوئی کھجورین کھالیا کرو، ڈھیلے نہ مارو، یہ کہکر میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی، [1]

عباد بن شرحبیل مدینہ مین ایک صاحب تھے، ایک دفعہ قحط پڑا اور بھوک کی حالت مین ایک باغ مین گھس گئے اور خوشے توڑکر کچھ کھائے، کچھ دامن مین رکھ لیے، باغ کے مالک کو معلوم ہوا تو اُس نے آکر انکو مارا اور کپڑے اُتر والیے یہ آنحضرتؐ کے پاس شکایت لیکر آے، مدعا علیہ بھی ساتھ تھا۔ آپ نے اُسکی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کہ یہ جاہل تھا، اسکو تعلیم دینا تھا، یہ بھوکا تھا، اس کو کھانا کھلانا تھا، یہ کہکر کپڑے واپس دلوادیے، اور ساٹھ صاع غلہ اپنے پاس سے عنایت فرمایا۔[2]

یہود کا دستور تھا کہ عورتون کو جب ایام آتے تو انکو گھرون سے نکال دیتے، اور انکے ساتھ کھانا پینا چھوڑ دیتے آنحضرت صلعم جب مدینہ مین تشریف لائے، تو انصار نے آپ سے اس کے متعلق سوال کیا۔ اسپر آیت اتری کہ اس حالت مین مقاربت ناجائز ہے، اس بنا پر آپ نے حکم دیا کہ مقاربت کے سوا کوئی چیز منع نہین، یہودیون نے آپ کا حکم سنا تو بولے کہ یہ شخص بات بات مین ہماری مخالفت کرتا ہے۔ صحابہ آپ کی خدمت مین آے کہ یہود جب یہ کہتے ہین تو ہم مقاربت بھی کیون نہ کرین۔ رخسارۂ مبارک غصّہ سے سُرخ ہوگیا، دونون صاحب چلے گئے، آپ نے اُن کے پاس کچھ کھانے کی چیزین بھیجین اُسوقت اُن کو تسکین ہوئی کہ آپ ناراض نہ تھے۔[3]

کسی شخص کی کوئی بات ناپسند آتی تو اکثر اُس کے سامنے اُس کا تذکرہ نہ فرماتے۔ ایک دفعہ ایک صاحب زرد کپڑے پہنکر خدمت مین حاضر ہوئے، آپنے کچھ نفرمایا، جب وہ اُٹھکر چلے گئے تو لوگون سے کہا کہ اِنسے کہدینا کہ یہ رنگ دھوڈالین۔[4]

ایک دفعہ ایک شخص نے باریابی کی اجازت چاہی، آپ نے فرمایا اچھا آنے دو۔ وہ اپنے قبیلہ کا اچھا

---

[1] ابوداؤد کتاب الجہاد۔ [2] ابوداؤد جلد ا کتاب الجہاد۔ [3] ابوداؤد باب مواکلۃ الحائض۔ [4] ابوداؤد جلد ۲ کتاب الادب،

آدمی نہین ہے لیکن جب وہ خدمتِ مبارک مین حاضر ہوا تو نہایت نرمی کے ساتھ اُس سے گفتگو فرمائی، حضرت عایشہ کو اس پر تعجب ہوا اور آپ سے دریافت فرمایا کہ آپ تو اس کو اچھا نہین سمجھتے تھے، پھر اس رفق و ملاطفت کے ساتھ کلام کیا، آپ نے فرمایا۔ خدا کے نزدیک سب سے بُرا وہ شخص ہے، جسکی بدزبانی کیوجہ سے لوگ اُس سے ملنا جُلنا چھوڑ دین[1]۔

یہود جس درجہ شقی اور دشمنِ اسلام تھے، اس کا اندازہ گذشتہ واقعات سے ہو چکا ہوگا، بااین ہمہ آنحضرت صلعم ان سنگدلون کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور لطف کا برتاؤ کرتے اور اُن سے داد و ستد رکھتے، سخت سے سخت غصّہ کی حالت مین صرف اس قدر فرماتے "اسکی پیشانی خاک آلود ہو[2]"

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہین کہ مدینہ مین ایک یہودی رہتا تھا جس سے مین قرض لیا کرتا تھا، ایکسال اتفاق سے کھجورین نہین پھلین، اور قرضہ ادا نہ ہو سکا، اُس پر پورا سال گذر گیا، بہار آئی تو یہودی نے تقاضا شروع کیا، اب کی بھی پھل کم آئے۔ مین نے آیندہ فصل کی مہلت مانگی، اُس نے انکار کیا، مین نے آنحضرتؐ سے آکر تمام واقعات بیان کیے، آپ چند صحابہ کے ساتھ خود یہودی کے گھر تشریف لے گئے اور سمجھایا کہ مہلت دیدو اُس نے کہا، ابوالقاسم! مین کبھی مہلت نہ دونگا۔ آپ نخلستان مین تشریف لے گئے اور ایک چکّر لگا کر پھر یہودی کے پاس آئے، اور اُس سے گفتگو کی۔ لیکن وہ کسی طرح راضی نہوا، بالآخر آپ نے مجھ سے فرمایا کہ چبوترہ پر (جو مسقّف تھا) فرش بچھا دو، اُس پر آرام فرمایا اور سو گئے، سو کر اُٹھے تو پھر یہودی سے خواہش کی کہ مہلت دیدے۔ اُس شقی نے اب بھی نہ مانا۔ اب آپ درختون کے جھنڈ مین جا کر کھڑے ہو گئے، اور جابر سے کہا کہ کھجورین توڑنی شروع کرو، آنحضرت صلعم کی برکت سے اتنی کھجورین نکلین کہ یہودی کا قرضہ ادا کر کے بچ رہین[3]۔

(مجلس نبوی مین جگہ بہت کم ہوتی تھی، جو لوگ پہلے آکر بیٹھ جاتے تھے ان کے بعد جگہ باقی نہین رہتی تھی ایسے موقع پر اگر کوئی آجاتا تو اُس کے لیے آپ خود اپنی ردائے مبارک بچھا دیتے تھے، ایک دفعہ مقام جعرّانہ

---

[1] صحیح بخاری و ابوداؤد۔ جلد ۲ کتاب الادب۔ [2] ادب المفرد امام بخاری [3] بخاری صفحہ ۸۱۱ باب الرطب والتمر۔

مین آنحضرت صلعم تشریف فرماتھے، اور اپنے ہاتھ سے لوگون کو گوشت تقسیم فرمارہے تھے کہ اتنے مین ایک عورت آئی اور آپ کے پاس چلی گئی، آنحضرت صلعم نے دیکھا تو اسکی نہایت تعظیم کی، اپنی چادر مبارک اُس کے لیے بچھادی راوی کہتا ہے کہ مین نے دریافت کیا کہ یہ کون عورت تھی، تو لوگون نے کہا یہ حضور کی رضاعی مان تھین[1]۔

اسی طرح ایک دفعہ کا اور ذکر ہے کہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) تشریف فرماتھے کہ آپ کے رضاعی والد آئے، آپنے اُن کے لیے چادر کا ایک گوشہ بچھادیا، پھر رضاعی مان آئین، آپ نے دوسرا گوشہ بچھادیا۔ آخر مین رضاعی بھائی آئے، تو آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُنکو اپنے سامنے بٹھالیا[2]۔

حضرت ابوذر مشہور صحابی ہین، ایک دفعہ انکو بلا بھیجا تو وہ گھر مین نہین ملے، تھوڑی دیر کے بعد حاضر خدمت ہوئے تو آپ لیٹے ہوئے تھے، انکو دیکھکر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سینہ سے لگالیا[3]۔ حضرت جعفر بھی جب حبشہ سے واپس آئے تھے تو آپ نے اُنکو گلے لگالیا اور انکی پیشانی کو بوسہ دیا[4]۔

سلام مین پیشدستی فرماتے، راستہ مین جب چلتے تو مرد، عورتین۔ بچے جو سامنے آتے اُنکو سلام کرتے[5]، ایک دفعہ آپ راستہ سے گذر رہے تھے ایک مقام پر مسلمان اور منافق و کافر یکجا بیٹھے ملے۔ آپنے سبکو سلام کیا[6]

کسی کی کوئی بات بری معلوم ہوتی تو مجلس مین نام لیکر اس کا ذکر نہین کرتے تھے۔ بلکہ صیغۂ تعمیم کے ساتھ فرماتے تھے، کہ لوگ ایسا کرتے ہین۔ لوگ ایسا کہتے ہین بعض لوگون کی یہ عادت ہے۔ یہ طریقۂ ابہام اسلئے اختیار فرماتے تھے کہ شخص مخصوص کی ذلت نہو۔ اور اُس کے احساسِ غیرت مین کمی نہ آجائے۔

حسنِ معاملہ اگرچہ غایت فیاضی کی وجہ سے اکثر مقروض رہتے تھے یہان تک کہ وفات کے وقت بھی آپ کی زرہ من بھر غلہ پر ایک یہودی کے ہان گرو تھی، لیکن ہر حال مین حسن معاملہ کا سخت اہتمام تھا، مدینہ مین دولتمند عموماً یہودی تھے، اور اکثر انہی سے آپ قرض لیا کرتے یہودی عموماً دنی الطبع اور سخت گیر ہوتے ہین آپ اُن کی ہر قسم

---

[1] ابوداؤد کتاب الادب۔ [2] ابوداؤد کتاب الادب برّ الوالدین۔ [3] ابوداؤد کتاب الادب باب المعانقہ [4] حوالۂ سابق
[5] بخاری وابوداؤد باب السلام [6] بخاری باب السلام علی جماعۃ فیہا الکافر۔

کی بدمزاجیان برداشت فرماتے تھے،

(نبوت سے پہلے جن لوگون سے آپ کے تاجرانہ تعلقات تھے، انھون نے ہمیشہ آپ کی دیانت اور حسنِ معاملہ کا اعتراف کیا ہے اسی لیے قریش نے متفقاً آپ کو **امین** کا خطاب دیا تھا، نبوت کے بعد بھی گو قریش بغض و کینہ کے جوش سے لبریز تھے، تاہم انکی دولت کے لیے مامون مقام آپ ہی کا کاشانہ تھا، عرب مین سائبؓ نام ایک تاجر تھے وہ مسلمان ہوکر بارگاہ نبوت مین حاضر ہوے، لوگون نے مدحیہ الفاظ مین آپ سے انکا تعارف کرایا، آپ نے فرمایا مین" انکو تم سے زیادہ جانتا ہون"، سائب نے کہا میرے مان باپ فدا، آپ میرے ساجھی تھے، لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا[۱])

ایک دفعہ ایک شخص سے کچھ کھجورین قرض کے طور پر لین، چند روز کے بعد وہ تقاضا کو آیا آپنے ایک انصاری کو حکم دیا کہ اُس کا قرضہ ادا کردین، انصاری نے کھجورین دین لیکن ویسی عمدہ نہ تھین جیسی اُسنے دی تھین، اُس شخص نے لینے سے انکار کیا، انصاری نے کہا تم رسول اللہ کی عطا کردہ کھجور کے لینے سے انکار کرتے ہو، بولا ہان، رسول اللہ عدل نہ کرین گے تو اور کس سے توقع رکھی جائے، آنحضرت صلعم نے یہ جملے سنے تو آپ کی آنکھون مین آنسو بھر آئے اور فرمایا کہ یہ بالکل سچ ہے[۲]۔

ایک دن ایک بدو آیا جس کا کچھ قرضہ آنحضرت صلعم پر تھا، بدو عموماً وحشی مزاج ہوتے ہین اُسنے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی صحابہ نے اس گستاخی پر اس کو ڈانٹا اور کہا کہ تجھکو خبر ہے تو کس سے ہمکلام ہے، بولا کہ مین تو اپنا حق مانگ رہا ہون آنحضرت صلعم نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگون کو اسی کا ساتھ دینا چاہیے، کیونکہ اُس کا حق ہے (قرضخواہ کو بولنے کا حق ہے، اس کے بعد صحابہ کو اُس کا قرض ادا کردینے کا حکم فرمایا اور زیادہ دلوایا[۳])

ایک غزوہ مین حضرت عبداللہ بن جابر انصاری ہم رکاب تھے، انکی سواری مین جو اونٹ تھا سست رو تھا اور تھک جانے کی وجہ سے اور بھی سست ہوگیا تھا، آپ نے اونٹ اُن سے خرید لیا۔ اور دام کے ساتھ

---

[۱] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۔ [۲] ترغیب و ترہیب بحوالہ مسند احمد صفحہ ۲۳ مطبوعۂ مصر، جلد ۲۔ [۳] ابن ماجہ باب لصاحب الحق سلطان

اونٹ بھی ان کو دیدیا کہ دونون تمہارے ہین۔[1]

(یہی واقعہ ایک روایت مین اس طرح پر ہے کہ آنحضرت صلعم نے اُن سے فرمایا تمہارے پاس کوئی لکڑی ہو تو دو، انھون نے دی، آپ نے اُس سے اونٹ کو مارا تو وہ اس قدر تیز دوڑنے لگا کہ سب سے آگے نکل گیا، پھر آنحضرت صلعم نے اُن سے چار دینار پر اونٹ اس شرط پر خرید لیا کہ مدینہ تک ان کو سواری کا حق ہی مدینہ پہنچکر جابر بن عبداللہ نے قیمت طلب کی آپ نے بلالؓ سے فرمایا کہ انکو قیمت چار دینار اور اس سے کچھ اور زیادہ بھی دو، چنانچہ حضرت بلال نے چار دینار پر ایک قیراط سونا اور زیادہ دیا۔)[2]

معمول تھا کہ کوئی جنازہ لایا جاتا تو پہلے فرماتے کہ میت پر کچھ قرضہ تو نہین ہے، اگر معلوم ہوتا کہ مقروض تھا، تو صحابہ سے فرماتے تم جنازہ کی نماز پڑھا دو، خود شریک نہ ہوتے۔[3]

ایک دفعہ کسی سے اونٹ قرض لیا، جب واپس کیا تو اُس سے بہتر اونٹ واپس کیا اور فرمایا کہ سب سے بہتر وہ لوگ ہین جو قرض کو خوش معاملگی سے ادا کرتے ہین"۔[4]

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ مستعار لیا، سو راتفاق سے وہ گم گیا تو اُس کا تاوان ادا فرمایا۔[5]

عموماً فرمایا کرتے تھے کہ مین تین دن سے زیادہ اپنے پاس ایک دینار بھی رکھنا پسند نہین کرتا۔ بجز دس دینار کے جنکو قرض ادا کرنے کے انتظار مین اپنے پاس رکھ چھوڑتا ہون"۔[6]

ایک دفعہ ایک بدو اونٹ کا گوشت بیچ رہا تھا، آنحضرت صلعم کو خیال یہ تھا کہ گھر مین چھوہارے موجود ہین آپ نے ایک وسق چھوہارون پر گوشت چکا لیا، گھر مین آکر دیکھا تو چھوہارے نہ تھے، باہر تشریف لاکر قصاب سے فرمایا کہ مین نے چھوہارون پر گوشت چکایا تھا لیکن چھوہارے میرے پاس نہین ہین، اُسنے واویلا مچائی کہ ہاے بد دیانتی! لوگون نے سمجھایا کہ رسول اللہ بد دیانتی کرین گے؟ آپ نے فرمایا نہین چھوڑ دو، اُسکو کہنے کا حق ہے

[1] بخاری صفحہ ۲۸۲ باب شری الدواب [2] صحیح بخاری کتاب الوکالۃ، [3] صحیح بخاری صفحہ ۸۰۹ کتاب النفقات، [4] ترمذی صفحہ ۱۶۷، [5] ترمذی صفحہ ۱۷۲۔ [6] بخاری جلد اصفحہ ۳۲۱۔ کتاب الاستقراض۔

پھر قصاب کی طرف خطاب کرکے وہی فقرہ ادا کیا، اُس نے پھر وہی لفظ کہے، لوگون نے پھر روکا، آپ نے فرمایا اُسکو کہنے دو اُس کو کہنے کا حق ہے، اور اس جملہ کو کئی بار دُھراتے رہے، اس کے بعد آپ نے ایک انصاریہ کے ہان اُسکو بھجوا دیا، کہ اپنے دام کے چھوہارے وہان سے لے، جب وہ چھوہارے لیکر پلٹا تو آپ صحابہ کے ساتھ تشریف فرما تھے، اس کا دل آپ کے حلم وعفو، اور حسنِ معاملت سے متاثر تھا، دیکھنے کے ساتھ بولا "محمدؐ! تمکو خدا جزاے خیر دے تم نے قیمت پوری دی اور اچھی دی[1]"

ایک دفعہ مدینہ منورہ کے باہر ایک مختصر سا قافلہ آکر فروکش تھا، ایک سرخ رنگ کا اونٹ اُسکے ساتھ تھا، اتفاقاً اُدھر سے آپ کا گذر ہوا آپ نے اونٹ کی قیمت پوچھی، لوگون نے قیمت بتائی، بے مول تول کئے آنحضرت صلعم نے وہی قیمت منظور کرلی اور اونٹ کی مہار پکڑکر شہر کی طرف روانہ ہوگئے، بعد کو لوگون کو خیال آیا کہ بے جان پہچان ہمنے جانور کیون حوالہ کردیا، اور اس حماقت پر اب پورے قافلہ کو ندامت تھی، قافلہ کے ساتھ ایک خاتون بھی تھی، اُسنے کہا "مطمئن رہو، ہم نے کسی شخص کا چہرہ ایسا روشن نہین دیکھا" یعنی ایسا شخص دغا نہ کرے گا، رات ہوئی تو آپ نے اُن کے لیے کھانا اور قیمت بھر کھجورین بھجوادین[2]۔

غزوۂ حنین مین آپکو کچھ اسلحہ کی ضرورت تھی، صفوان اُسوقت تک کافر تھے، اُنکے پاس بہت سی زرہین تھین آپنے اُنسے کچھ زرہین طلب کین، اُنھون نے کہا "محمدؐ! کیا کچھ غصب کا ارادہ ہے؟" فرمایا "نہین، مین عاریۃً مانگتا ہون، اگر ان مین سے کوئی تلف ہوئی تو مین تاوان دون گا" چنانچہ اُنھون نے تیس چالیس زرہین مسلمانون کو عاریۃً دین، حنین سے واپسی کے بعد جب اسلحہ اور دیگر سامانون کا جائزہ لیا گیا تو کچھ زرہین کم نکلین، آپ نے صفوان سے کہا، تمہاری چند زرہین کم ہین، انکا معاوضہ لے لو، صفوان نے عرض کی "یا رسول اللہ صلعم میرے دل کی حالت اب پہلی جیسی نہین[3]" یعنی مسلمان ہوگیا، اب معاوضہ کی حاجت نہین،

عدل وانصاف کوئی شخص گوشہ نشین ہوکر بیٹھ جائے تو اُس کے لیے عدل وانصاف سے کام لینا نہایت آسان ہے آنحضرت صلعم کو عرب کے سیکڑون قبایل سے کام پڑتا تھا، یہ آپس مین ایک ایک کے دشمن تھے، ایک کے موافق

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۶۸
[2] دارقطنی صفحہ ۳۰۰
[3] [illegible] البیوع باب تضمین [illegible]

فیصلہ کیا جاتا تو دوسرا دشمن بنجاتا، اسلام کی اشاعت کی غرض سے ہمیشہ آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو تالیف قلوب سے کام لینا پڑتا، ان سب مشکلات اور پیچیدگیون پر بھی عدل وانصاف کا پلہ کبھی کسیطرف جھکنے نہ پاتا۔

فتح مکہ کے بعد تمام عرب مین صرف طائف رہ گیا تھا، جس نے گردن تسلیم خم نہین کی، آنحضرت صلعم نے اس کا محاصرہ کیا لیکن پندرہ بیس روز کے بعد محاصرہ اُٹھا لینا پڑا، صخر ایک رئیس تھے اُن کو یہ حال معلوم ہوا تو خود جاکر طائف کی حصار بندی کی اور اہلِ شہر کو اس قدر دبایا کہ بالآخر وہ مصالحت پر راضی ہوگئے۔ صخر نے بارگاہِ نبوت مین اطلاع کی، مغیرہ بن شعبہ ثقفی آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے کہ صخر نے میری پھوپھی کو قبضہ مین کر رکھا ہے آپ نے صخر کو بلا بھیجا اور حکم دیا کہ مغیرہ کی پھوپھی کو اُن کے گھر پہنچا دو، اس کے بعد بنو سلیم آئے کہ جس زمانہ مین ہم کافر تھے، صخر نے ہمارے چشمہ پر قبضہ کر لیا تھا، اب ہم اسلام لائے ہمارا چشمہ ہم کو دلا دیا جائے، آپنے صخر کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ جب کوئی قوم اسلام قبول کرتی ہے تو اپنے جان ومال کی مالک ہوجاتی ہے اس لیے ان کو انکا چشمہ دیدو، صخر کو منظور کرنا پڑا، راوی کا بیان ہے کہ جب آنحضرتؐ کے حکم سے صخر نے دونون حکم منظور کیے، تو مین نے دیکھا کہ آنحضرت صلعم کے چہرہ پر شرم سے سرخی آگئی[1]، کہ صخر کو دونون معاملون مین شکست ہوئی، اور فتح طائف کا انکو کوئی صلہ نہ ملا۔

ایک دفعہ ایک عورت نے جو خاندانِ مخزوم سے تھی، چوری کی، قریش کی عزت کے لحاظ سے لوگ چاہتے تھے کہ سزا سے بچ جائے اور معاملہ دَب جائے، حضرت اُسامہ بن زید رسول اللہؐ کے محبوب خاص تھے، لوگون نے ان سے کہا کہ آپ سفارش کیجیے، اُنھون نے آنحضرت صلعم سے معافی کی درخواست کی، آپنے غضب آلود ہوکر فرمایا کہ بنی اسرائیل اسی کے بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غربا پر حد جاری کرتے اور امراء سے درگذر کرتے تھے[2]،

خیبر کے یہودیون سے جب صلح ہوکر وہان کی زمین مجاہدین مین تقسیم کردی گئی تو عبد اللہ بن سہل ایک دفعہ کھجورون کی بٹائی کے لیے گئے، محیصہ ان کے چچیرے بھائی بھی ساتھ تھے، عبد اللہ گلی مین جارہے تھے کہ کسی نے ان کو قتل کرکے لاش ایک گڈھے مین ڈال دی، مُحیصہ نے آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس جاکر استغاثہ کیا، آنحضرت صلعم نے فرمایا، "تم قسم کھاسکتے ہو کہ یہودیون نے انکو قتل کیا، بولے "مین نے اپنی آنکھ سے

[1] ابوداؤد صفحہ ۸۰ جلد ۲
[2] صحیح بخاری کتاب الحدود،

نہین دیکھا، آپ نے فرمایا تو یہود سے حلف لیا جائے؟ بولے "حضرت یہودیون کی قسم کا اعتبار کیا، یہ تو سو دفعہ جھوٹی قسم کھالین گے"[1]

خیبر مین یہود کے سوا اور کوئی قوم آباد نہ تھی، یہ یقینی تھا کہ یہودیون نے ہی عبد اللہ بن سہل کو قتل کیا ہے تاہم چونکہ عینی شہادت موجود نہ تھی آنحضرت صلعم نے یہود سے تعرض نہین فرمایا اور خونبہا کے سو اونٹ بیت المال سے دلوائے۔

طارق محاربی کا بیان ہے کہ جب اسلام عرب مین پھیلنا شروع ہوا تو ہم چند آدمی ربذہ سے نکلے، اور مدینہ کو روانہ ہوئے، شہر کے قریب پہنچکر مقام کیا، زنانی سواری بھی ساتھ تھی، ہم سب بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے آئے، اور سلام علیک کی، ہمنے سلام کا جواب دیا، ہمارے ساتھ سرخ رنگ کا اونٹ تھا، اسکی قیمت پوچھی، ہمنے جواب دیا اتنی کھجورین، اُنہون نے کچھ مول تول نہین کیا اور وہی قیمت منظور کرلی، پھر اونٹ کی مہار پکڑ کر شہر کی طرف بڑھے، نظرون سے اوجھل ہوگئے تو سبکو خیال آیا کہ دام رہ گئے اور ہم لوگ اُنکو پہچانتے نہین، لوگون نے ایک دوسرے کو ملزم ٹھہرانا شروع کیا، محمل نشین خاتون نے کہا، مطمئن رہو، ہمنے کسی شخص کا چہرہ، اس قدر چودھوین رات کے چاند کی طرح روشن نہین دیکھا، (یعنی ایسا شخص دغا نہ دیگا) رات ہوئی تو ایک شخص آیا کہ رسول اللہ نے تمہارے لیے کھانا اور کھجورین بھیجی ہین، دوسرے دن صبح کو ہملوگ مدینہ مین آئے آنحضرت صلعم مسجد مین خطبہ دے رہے تھے ہملوگون کو دیکھکر ایک انصاری نے اُٹھکر کہا یا رسول اللہ! یہ لوگ بنو ثعلبہ کے قبیلہ کے ہین اور ان کے مورث نے ہمارے خاندان کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، اس کے بدلہ مین انکا ایک آدمی قتل کرا دیجیے، آپ نے فرمایا، باپ کا بدلہ بیٹے سے نہین لیا جاسکتا[2]۔

سرق ایک صحابی تھے، انھون نے ایک بدوی سے ایک اونٹ مول لیا، لیکن قیمت نہ ادا ہوسکی، بدو ان کو پکڑ کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین لے گیا، اور واقعہ بیان کیا، آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ قیمت ادا کردو، انھون نے ناداری کا عذر کیا، آپ نے بدو سے کہا بازار مین لیجا کر انکو فروخت کرلو، بدو انکو بازار مین لیگیا، ایک صاحب نے دام دیکر بدو سے ان کو خریدا اور آزاد کر دیا[3]۔

---

[1] یہ واقعہ بخاری و نسائی وغیرہ مین (باب القسامۃ) مین باختلاف روایات مذکور ہے۔ [2] دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۳۰۷ و ۳۰۸۔ [3] دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۲۱۴۔

(ابو حدرد اسلمی ایک صحابی تھے، جنپر ایک یہودی کا قرض آتا تھا، اور اُن کے پاس بدن پر جو کپڑے تھے، اُنکے سوا کچھ نہ تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب آنحضرت صلعم خیبر کی مہم کا ارادہ کر رہے تھے، ابو حدرد نے یہودی سے کچھ مہلت طلب کی، لیکن وہ نمانا، اور اُنکو پکڑ کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین لایا، آپ نے فرمایا کہ ان کا قرض ادا کردو، انھون نے عذر کیا، آپ نے پھر فرمایا، انھون نے پھر یہی جواب دیا، اور عرض کی کہ یا رسول اللہ غزوۂ خیبر قریب ہی، شاید وہان سے واپسی پر کچھ ہاتھ آئے تو مین اسکو ادا کردون، آپنے پھر بھی حکم دیا کہ فوراً ادا کردو، آخر اپنا تہبند اُس یہودی کو قرض مین نذر کیا، اور سر سے جو عمامہ بندھا تھا اس کو کھولکر کمر سے لپیٹ لیا۔[۱]

اس عدل وانصاف کا یہ اثر تھا کہ مسلمان ایک طرف، یہود بھی جو آپکے شدید ترین دشمن تھے، اپنے مقدمات اسی بارگاہِ عدالت مین لاتے تھے[۲]، اور ان کی شریعت کے مطابق اس کا فیصلہ ہوتا تھا، چنانچہ قرآن مجید مین اس واقعہ کا مصرّح ذکر ہے، اسلام سے پہلے یہودیان بنو نضیر و قریظہ مین عزت وشرافت کی ایک عجیب وغریب حد قائم تھی کوئی قریظی اگر کسی نضیری کو قتل کرتا تو قصاص مین وہ مارا جاتا، لیکن اگر کوئی قریظی کسی نضیری کے ہاتھ سے مارا جاتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر چھوہارا تھی، اسلام مین جب یہ واقعہ پیش آیا تو قریظہ نے آنحضرت صلعم کے سامنے مقدمہ پیش کیا، آپ نے فوراً توراۃ کے آئین کے مطابق اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ کے حکم سے دونون قبیلون مین برابر کا قصاص جاری کردیا۔[۳]

عدل وانصاف کا سب سے نازک پہلو یہ ہی کہ خود اپنے مقابلہ مین بھی حق کا رشتہ چھوٹنے نہ پائے، ایک بار آپ مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، لوگون کا گرد وپیش ہجوم تھا، ایک شخص آکر منھ کے بل آپ پر لدگیا، دست مبارک مین پتلی سی لکڑی تھی آپ نے اُس سے اُسکو ٹھوکا دیا، اتفاق سے لکڑی کا سرا اُس کے منھ مین لگ گیا اور خراش آگئی فرمایا مجھسے انتقام لے لو، اُس نے عرض کیا یا رسول اللہ مین نے معاف کردیا۔[۴]

---

[۱] مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۴۲۳۔ معجم صغیر طبرانی معجم عبدان [۲] ابوداؤد، باب تضمین العاریۃ جلد ثانی، [۳] ابوداؤد، کتاب الدیات [۴] ابوداؤد، باب القود بغیر حدید۔

مرض الموت مین آپنے عام مجمع مین اعلان کیا کہ اگر میرے ذمہ کسی کا قرض آتا ہو، اگر مین نے کسی کی جان و مال یا آبرو کو صدمہ پہنچایا ہو تو میری جان و مال آبرو حاضر ہے، اسی دنیا مین وہ اپنا انتقام لے لے، مجمع مین سناٹا تھا، صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو دلوا دیئے گئے [۱]،

جود وسخا | جود و سخا آپ کی فطرت تھی، (ابن عباس رض کی روایت ہو کہ آپ تمام لوگون سے زیادہ سخی تھے، اور خصوصًا رمضان کے مہینہ مین آپ اور زیادہ سخاوت فرماتے تھے [۲])، تمام عمر کسی کے سوال پر "نہین" کا لفظ نہین فرمایا [۳]، آپ فرمایا کرتے تھے،

انما انا قاسم وخازن واللّٰہ یعطی، (بخاری) — مین تو صرف دینے بانٹنے والا اور خازن ہون دیتا اللّٰہ ہے،

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس مین آیا، اور دیکھا کہ دور تک آپ کی بکریون کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے، اُس نے آپ سے درخواست کی اور آپ نے سب کی سب دیدین۔ اُس نے اپنے قبیلہ مین جا کر کہا اسلام قبول کرلو، محمد صلعم ایسے فیاض ہین کہ مفلس ہو جانے کی پرواہ نہین کرتے [۴]،

ایک دفعہ ایک شخص نے کچھ مانگا، آپ نے فرمایا اسوقت میرے پاس کچھ نہین ہے، تم میرے ساتھ آؤ، حضرت عمر رض بھی ساتھ تھے، عرض کی کہ آپکے پاس کچھ موجود نہین تو آپ پر کیا ذمہ داری ہے، ایک اور صاحب حاضر تھے انہون نے کہا یا رسول اللّٰہ! آپ دیئے جائیے اور عرش والے خدا سے نہ ڈریے، وہ آپ کو محتاج نہ کرے گا، آپ فرطِ بشاشت سے مسکرا دیئے [۵]۔

(عام فیاضی کا یہ حال تھا کہ جو شخص آپ کی خدمت مین حاضر ہوتا اگر آپکے پاس کچھ سرمایہ موجود رہتا تو اُس کو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے، ورنہ وعدہ کرتے، اس معمول کی بنا پر لوگ اِس قدر دلیر ہوگئے تھے کہ ایک مرتبہ عین اقامتِ نماز کے وقت ایک بدّو آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر کہا کہ میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہی خوف ہی کہ مین اس کو بھول نہ جاؤن اسکو پورا کر دیجیے، چنانچہ آپ اُس کے ساتھ تشریف لے گئے، اور اُسکی

---

۱ ابن اسحاق بروایت ابن ہشام ۲ صحیح بخاری باب حدّ الزنا، ۳ صحیح بخاری بدء الوحی ۴ صحیح بخاری باب حسن الخلق والسخا۔
۵ صحیح مسلم صفحہ ۲۹۰۔ ۶ شمائل ترمذی۔

حاجت براری کرکے آئے تو نماز پڑھی[1]۔

بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص سے ایک چیز خریدتے، قیمت چکا دینے کے بعد پھر وہ چیز اُسکو بطور عطیہ کے عنایت فرماتے، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ سے ایک اونٹ خریدا، اور پھر اُسی وقت اُسکو عبداللہ بن عمر کو دیدیا[2]، حضرت جابرؓ کے ساتھ بھی اسی قسم کا ایک واقعہ مذکور ہے[3]۔

کھانے پینے کی چیزون مین معمولی سے معمولی چیز بھی تنہا نہ کھاتے، بلکہ تمام صحابہ کو شریک فرمالیتے، کسی غزوہ مین ۱۳۰ صحابہ ہمراہ تھے، آپ نے ایک بکری خرید فرماکر ذبح کروائی اور کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا، وہ تیار ہوئی تو تمام صحابہ کو تقسیم فرمایا، جو لوگ موجود نہ تھے ان کا حصّہ الگ محفوظ رکھا[4]۔

جو چیز آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس آتی، جب تک صرف نہو جاتی آپ کو چین نہ آتا، بیقراری سی رہتی، ام المومنین ام سلمہ بیان کرتی ہین کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم گھر مین تشریف لائے تو چہرہ متغیر تھا، ام سلمہ نے عرض کیا یارسول اللہ! خیر ہے؟ فرمایا کل جو سات دینار آئے تھے، شام ہوگئی اور وہ بستر پر پڑے رہ گئے[5]،

حضرت ابوذر سے مروی ہے کہ ایک شب کو وہ آنحضرت صلعم کے ساتھ ایک راستہ سے گذر رہے تھے آنحضرت صلعم نے فرمایا، ابوذر! اگر اُحد کا پہاڑ میرے لیے سونا ہوجائے تو مین کبھی یہ پسند نہ کرونگا کہ تین راتین، گذر جائین اور میرے پاس، ایک دینار بھی رہ جائے، لیکن ہان وہ دینار جس کو مین ادائے قرض کے لیے رکھ چھوڑون[6]۔

اکثر یہان تک معمول تھا کہ گھر مین نقد کی قسم سے کوئی چیز موجود ہوتی تو جب تک کل خیرات نہ کردیجاتی گھر مین آرام نہ فرماتے، رئیس فدک نے ایک دفعہ چار اونٹ پر غلہ بار کرکے خدمتِ نبوی مین بھیجا، حضرت بلالؓ نے بازار مین غلہ فروخت کرکے ایک یہودی کا قرض تھا، وہ ادا کیا، پھر آنحضرت صلعم کی خدمت مین آکر

---

[1] ادب المفرد امام بخاری۔ [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۸۴ [3] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۸۲۔ [4] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۹، [5] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۹۳۔ [6] صحیح بخاری کتاب الاستقراض صفحہ ۳۲۱۔

اطلاع کی، آپ نے پوچھا کچھ بچ تو نہین رہا، بولے ہان کچھ بچ بھی رہا، فرمایا جب تک کچھ باقی رہیگا مین گھر نہین جاسکتا حضرت بلالؓ نے کہا مین کیا کرون کوئی سائل نہین۔ آنحضرت صلعم نے مسجد مین رات بسر کی، دوسرے دِن حضرت بلالؓ نے آکر کہا، یارسول اللہ! خدانے آپ کو سبکدوش کردیا، یعنی جو کچھ تھا وہ بھی تقسیم کردیا گیا، آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور اُٹھکر گھر تشریف لے گئے۔[1]

اسی طرح ایک بار عصر کی نماز پڑھکر خلاف معمول فوراً گھر کے اندر تشریف لے گئے اور پھر فوراً نکل آئے، لوگونکو تعجب ہوا؛ آپ نے فرمایا مجھکو نماز مین خیال آیا کہ کچھ سونا گھر مین پڑا رہ گیا ہے، گمان ہوا کہ کہین ایسا نہ ہو کہ رات ہوجائے اور وہ گھر مین پڑا رہ جائے اس لیے جاکر اُس کو خیرات کردینے کو کہہ آیا۔[2]

غزوۂ حنین مین جو کچھ ملا آنحضرت صلعم اُس کو خیرات فرماکر واپس آرہے تھے، راہ مین بدوؤن کو خبر لگی کہ ادھر آنحضرت صلعم کا گذر ہونے والا ہے، آس پاس سے دوڑ دوڑ کر آئے اور لپٹ گئے کہ ہمین بھی کچھ عنایت ہو، آپ ازدحام سے گھبراکر ایک درخت کی آڑ مین کھڑے ہوگئے، انھون نے ردائے مبارک تھام لی، بالاخر اس کشاکش مین جسم اطہر سے چادر اُترکر اُن کے ہاتھ مین رہ گئی، فیاضِ عالم نے کہا، میری چادر دیدو، خدا کی قسم، اگر ان جنگلی درختون کے برابر بھی اونٹ میرے پاس ہوتے تو مین سب تمکو دیدیتا اور پھر مجکو بخیل نہ پاتے نہ دروغگو نہ نامرد۔[3]

لوگون کو حکم عام تھا کہ جو مسلمان مرجائے اور اپنے ذمہ قرض چھوڑ جائے تو مجھے اطلاع دو، مین اس کو ادا کردونگا، اور جو ترکہ چھوڑ جائے وہ وارثون کا حق ہے، مجھے اُس سے کوئی مطلب نہین۔[4]

ایک دفعہ آپ صحابہ کے مجمع مین تشریف فرما تھے، ایک بدّو آیا اور آپ کی چادر کا گوشہ زور سے کھینچکر بولا محمدؐ! یہ مال نہ تیرا ہے، نہ تیرے باپ کا ہے ایک بار شتر دے، آپنے اُس کے اونٹ کو جَو اور کھجورون سے لدوا دیا۔[5]

---

[1] ابوداؤد باب قبول ہدایا المشرکین۔ [2] صحیح بخاری یفکر الرجل الشئ فی الصلوۃ۔ [3] صحیح بخاری باب الشجاعۃ فی الحرب، [4] صحیح بخاری [5] ابوداؤد کتاب الادب،

ایک دفعہ **بحرین** سے خراج آیا اور اس قدر کثیر رقم تھی کہ اس سے پہلے کبھی دارالاسلام مین نہین آئی تھی آپ نے حکم دیا کہ اس کو صحن مسجد مین ڈلوا دو، اس کے بعد جب آپ مسجد مین تشریف لائے تو اُسپر مڑکر بھی نظر نہ ڈالی، نماز سے فارغ ہوکر آپ نے اُسکی تقسیم شروع کی، جو سامنے آتا اُس کو دیتے چلے جاتے، حضرت عباس کو جو غزوۂ بدر کے بعد دولتمند نہین رہے تھے اتنا دیا کہ اُٹھکر چل نہین سکتے تھے، اسی طرح اور لوگون کو بھی عنایت فرماتے جاتے تھے، جب کچھ نہ رہا تو کپڑے جھاڑ کر اُٹھ کھڑے ہوئے[1]،

اسلام مین قاعدہ یہ ہے کہ اگر کوئی آزاد شدہ غلام مرجائے تو اس کا ترکہ آقا کو ملتا ہے، ایک دفعہ آپکا اسی قسم کا ایک غلام مرگیا لوگ اُس کا متروکہ سامان اُٹھاکر آپ کے پاس لائے، آپنے دریافت فرمایا کہ کوئی اس کا یہان ہموطن ہے، لوگون نے کہا ہان ہے، آپ نے فرمایا یہ تمام چیزین اُسی کے حوالہ کردو[2]۔

ایک دفعہ چند انصار نے آپ سے کچھ مانگا، آپنے دیدیا۔ پھر مانگا پھر دیا، پھر جب تک رہا آپ دیتے رہے، یہان تک کہ آپ کے پاس کچھ نہین رہا، لیکن وہ باوجود اس کے حاضر ہوئے اور درخواست کی، فرمایا میرے پاس جو کچھ ہو مین اُسکو تم سے بچا کر نہین رکھونگا[3]،)

ایثار آپ کے اخلاق وعادات مین جو وصف سب سے زیادہ نمایان اور جس کا اثر ہر موقع پر نظر آتا تھا وہ ایثار تھا، اولاد سے آپ کو بے انتہا محبت تھی اور اُن مین حضرت فاطمہ زہرا اس قدر عزیز تھین کہ جب آتین تو فرط محبت سے کھڑے ہوجاتے، پیشانی کو بوسہ دیتے اور اپنی جگہ بٹھاتے، تاہم حضرت فاطمہ کی عسرت اور تنگدستی کا یہ حال تھا کہ گھر مین کوئی خادمہ نہ تھی، خود چکی پیستین اور خود ہی پانی کی مشک بھرلاتین چکی پیستے پیستے ہتیلیان گھس گئی تھین اور مشک کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ گئے تھے، ایک دن خدمتِ اقدس مین حاضر ہوئین، خود تو پاسِ حیا سے عرض حال نہ کرسکین، جنابِ امیرؓ نے اُن کی طرف سے یہ حال عرض کیا اور درخواست کی کہ فلان غزوہ مین جو کنیزین آئی ہین اُن مین سے ایک کنیز ملجائے، آپ نے ارشاد فرمایا ابھی اصحاب صُفّہ کا انتظام نہین ہوا اور جب تک

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ باب القسمۃ، [2] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۷۵، [3] صحیح بخاری صفحہ ۱۹۸ کتاب الصدقات۔

اُن کا بندوبست نہ ہوے میں اور طرف توجہ نہیں کر سکتا[1]۔

ایک روایت میں ہو کہ حضرت زبیر کی صاحبزادیاں اور حضرت فاطمہ زہرا رض، خدمت اقدس میں گئیں اور اپنے افلاس و تنگدستی کی شکایت کر کے عرض کی کہ اب کی غزوہ میں جو کنیزیں آئی ہیں اُن میں سے ایک دو ہمکو ملجائیں آپ نے فرمایا بدر کے یتیم تم سے پہلے درخواست کر چکے[2]،

(ایک دفعہ حضرت علی نے کسی امر کی درخواست کی۔ فرمایا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمکو دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹ پھریں۔

ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر لاکر پیش کی، آپ کو ضرورت تھی آپ نے لے لی، ایک صاحب حاضر خدمت تھے، اُنھوں نے کہا کیا اچھی چادر ہے، آپ نے اتار کر انکو دیدی، جب اُٹھکر چلے گئے تو لوگوں نے انکو ملامت کی کہ تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم کو چادر کی ضرورت تھی، یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم کسی کا سوال رد نہیں کرتے، اُنھوں نے کہا ہاں لیکن میں نے تو برکت کے لیے لیا ہے کہ مجھکو اسی چادر کا کفن دیا جائے[4]،

زہد و قناعت کے عنوان سے جو واقعات لکھے گئے ہیں اُن سے ظاہر ہوگا کہ آنحضرت صلعم کس عسرت اور تنگدستی میں بسر فرماتے تھے، ۳ھ کے بہت بعد فتوحات کو وسعت حاصل ہوئی ہے، عرب میں باغات سب سے بہتر جائداد تھے، ۳ھ میں[5] یہودان بنو نضیر میں سے مخیریق نامی، ایک شخص نے اپنے سات باغ، مثیب، صائفہ، دلال، حسینی، برقہ، اعواف، مشربۂ ام ابراہیم، مرتے وقت آنحضرت صلعم کو وصیت کر دیے، آپ نے سب کو خیرات کر دیا، یعنی وہ خدا کی راہ میں وقف تھے، جو کچھ پیدا ہوتا تھا غربا اور مساکین کو دیدیا جاتا تھا[6]،

ایک صحابی نے شادی کی، سامان ولیمہ کے لیے گھر میں کچھ نہ تھا، آنحضرت صلعم نے اُن سے فرمایا کہ

---

[1] یہ روایت کتب احادیث (سنن ابی داؤد وغیرہ) میں مختلف طریقوں سے مروی ہے، ایک روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت فاطمہ کو ایک دعا بتادی کہ یہ لونڈی سے بڑھکر ہے۔ [2] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۴۳۔ [3] مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۷۹، [4] صحیح بخاری باب حسن الخلق والسخا، وباب من استعد الکفن۔ [5] فتح الباری شرح کتاب الفرائض۔ [6] اصابہ تذکرۂ مخیریق۔

عایشہ کے پاس جاؤ اور آٹے کی ٹوکری مانگ لاؤ، وہ گئے اور جا کر لے آئے، حالانکہ کاشانۂ نبوت مین اس ذخیرہ کے سوا شام کے کھانے کو کچھ نہ تھا[1]،

ایک دفعہ ایک غفاری آکر مہمان ہوا، رات کو کھانے کے لیے صرف بکری کا دودھ تھا، وہ آپ نے اسکے نذر کردیا، یہ تمام رات خانۂ نبوی مین فاقہ سے گذری، حالانکہ اس سے پہلی شب مین بھی یہان فاقہ ہی تھا[2]،)

مہمان نوازی (عرب کے مختلف اطراف اور صوبون سے جوق جوق لوگ بارگاہ نبوی مین آتے تھے، رملہ ایک صحابیہ تھین، اُنکا گھر دار الضیوف تھا[3]، یہین لوگ مہمان اُترتے تھے، ام شریک جو ایک دولتمند اور فیاض انصاریہ تھین ان کا گھر بھی گویا ایک مہمان خانہ تھا[4]، مخصوص لوگ مسجد نبوی مین اُتارے جاتے تھے، چنانچہ وفد ثقیف یہین اُترا تھا، آنحضرت صلعم خود بنفس نفیس ان مہمانون کی خاطرداری اور تواضع فرماتے تھے، یون بھی جو لوگ حاضر ہوتے تھے بغیر کچھ کھائے پیے واپس نہ آتے تھے[5]،

فیاضی مین کافر و مسلمان کا امتیاز نہ تھا، مشرک و کافر سب آپ کے مہمان ہوتے اور آپ یکسان انکی مہمان نوازی کرتے، جب اہل حبشہ کا وفد آیا تو آپ نے خود اپنے ہان انکو مہمان اُتارا، اور خود بنفس نفیس اُن کی خدمت کی[6]، ایک دفعہ ایک کافر مہمان ہوا، آپ نے ایک بکری کا دودھ اُسے پلایا، وہ سارے کا سارا پی گیا، آپ نے دوسری بکری منگوائی وہ بھی کافی نہوئی، غرض سات بکریون تک نوبت آئی، جب تک وہ سیر نہوا آپ پلاتے گئے[7]،

کبھی ایسا ہوتا کہ مہمان آجاتے اور گھر مین جو کچھ موجود رہتا وہ انکی نذر ہو جاتا، اور تمام اہل وعیال فاقہ کرتے[8]، آپ راتون کو اُٹھ اُٹھکر اپنے مہمانون کی خبرگیری کرتے تھے[9]۔)

صحابہ مین سب سے مفلس اور نادار گروہ اصحاب صفہ کا تھا، وہ مسلمانون کے مہمان عام تھے، لیکن ان کو زیادہ تر

---

[1] مسند احمد ۴ ص ۵۸۔ [2] مسند احمد جلد ۶ ص ۳۹۷۔ [3] زرقانی ذکر وفود، [4] مسلم جلد ۲ ص ۵۱۹۔ [5] شمائل ترمذی، [6] شفائے قاضی عیاض بسند متصل، [7] صحیح مسلم باب المومن یاکل فی معیً [8] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۳۹۷ [9] ابوداؤد کتاب الادب،

خود آنحضرت صلعم کے مہمان ہونے کا شرف حاصل ہوتا، ایک بار آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس دو آدمی کا کھانا ہو وہ اُن مین سے تین آدمی کو اور جن کے پاس چار آدمی کا کھانا ہو وہ ان مین سے پانچ آدمی کو ساتھ لیجائے چنانچہ حضرت ابو بکرؓ تین آدمی کو ساتھ لائے، لیکن آنحضرت صلعم دس آدمیون کو ہمراہ لے گئے[۱]،

اصحاب صفہ مین حضرت ابو ہریرہؓ اپنے فقر و فاقہ کی داستان نہایت دردانگیز طریقہ سے بیان کرتے ہین، وہ فرماتے ہین کہ مین ایک روز شدت گرسنگی کی حالت مین گذرگاہ عام پر بیٹھ گیا، حضرت ابو بکرؓ راستے سے گذرے تو مین نے بطور حسن طلب کے اُن سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی، لیکن وہ گذر گئے اور میری حالت کی طرف توجہ نہین کی، حضرت عمرؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور وہی نتیجہ ہوا۔ اس کے بعد آنحضرت صلعم کا گذر ہوا تو آپ مجھکو دیکھکر مسکرائے اور فرمایا کہ میرے ساتھ ساتھ آؤ، آپ گھر مین پہونچے تو دودھ کا ایک پیالہ نظر آیا، آپ نے دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ کسی نے ہدیۃً بھیجا ہے، آپ نے مجھ سے کہا کہ اصحاب صفہ کو بلا لاؤ مین ان کو بُلا لایا تو آپ نے مجھکو دودھ کا وہ پیالہ دیا کہ سب کو تقسیم کردو[۲]،

آنحضرت صلعم کے گھر مین ایک پیالہ اس قدر بھاری تھا کہ اس کو چار آدمی اُٹھا سکتے تھے، جب دوپہر ہوتی تو وہ پیالہ آتا اور اصحاب صفہ اُس کے گرد بیٹھ جاتے یہان تک کہ جب زیادہ مجمع ہوجاتا تو آنحضرت صلعم کو اُکڑون بیٹھنا پڑتا کہ لوگون کے لیے جگہ نکل آئے[۳]۔

مقدادؓ کا بیان ہے کہ مین اور میرے دو رفیق اس قدر تنگ دست تھے کہ بھوک سے بینائی جاتی رہی، ہم لوگون نے اپنے تکفل کی درخواست کی لیکن کسی نے منظور نہین کیا، آخر ہم لوگ آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوئے، آپ دولت خانہ پر لوا گئے، اور تین بکریون کو دکھا کر فرمایا کہ ان کا دودھ پیا کرو، چنانچہ ہم مین ہر شخص دودھ دوہ کر اپنا اپنا حصہ پی لیا کرتا تھا[۴]،

(ایک دن اصحاب صفہ کو لیکر حضرت عایشہؓ کے گھر پہنچے، اور فرمایا کھانے کو جو کچھ ہو لاؤ، چونی کا پکا ہوا کھانا

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۲۰۰۔ [۲] ترمذی صفحہ ۳۹۹۔ [۳] ابو داؤد کتاب الاطعمہ [۴] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۸۔

سامنے لاکر رکھا گیا، آپ نے کھانے کی کوئی اور چیز طلب کی تو چھوہارے کا حریرہ پیش ہوا، اس کے بعد بڑے پیالہ مین دودھ حاضر کیا گیا، اور یہی سامان مہمانی کی آخری قسط تھی[۱]

گداگری اور سوال سے نفرت

باوجود اس کے کہ آپ کا ابرِ کرم ہر وقت برستا رہتا تھا، تاہم کسی کا بے ضرورتِ شدید سوال کرنا آپ پر سخت گران ہوتا تھا، ارشاد فرماتے "کہ اگر کوئی شخص لکڑی کا گٹھہ پیٹھ پر لا دلائے اور بیچکر اپنی آبرو بچائے تو اِس سے بہتر ہے کہ لوگون سے سوال کرے[۲]"

(ایک دفعہ ایک انصاری آے اور کچھ سوال کیا آپ نے فرمایا تمہارے پاس کچھ نہین ہے؟ بولے کہ بس ایک بچھونا ہی جس کا کچھ حصہ اوڑھ لیتا اور کچھ بچھا لیتا ہون، اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے، آپ نے دونون چیزین منگوائین، پھر فرمایا یہ چیزین کون خریدتا ہے؟ ایک شخص نے دو درم لگائے، آپ نے فرمایا اس سے بڑھ کر بھی کوئی دام لگاتا ہے؟ ایک صاحب نے ایک کے دو کر دیے، آپ نے دونون چیزین دیدین، اور درہم انصاری کو دیئے، کہ ایک درہم کا کھانا خرید کر گھر مین دے آؤ، اور دوسرے سے رسّی خریدو، اور جنگل سے لکڑیان لاکر شہر مین بیچو پندرہ دن کے بعد وہ خدمتِ اقدس مین آئے تو دس درہم اُنکے پاس جمع ہو گئے تھے، اِس سے کچھ کپڑا خریدا، کچھ کا غلہ مول لیا، آنحضرت صلعم نے فرمایا "یہ اچھا ہے یا یہ کہ قیامت مین چہرہ پر گدائی کا داغ لگا کر جاتے[۳]"

ایک دفعہ چند انصاری آئے اور سوال کیا، آپنے عنایت فرمایا، پھر جب تک کچھ رہا، آپنے اُنکی درخواست رد نہین فرمائی، جب کچھ نہین رہا، تو آپ نے فرمایا، میرے پاس جب تک کچھ رہے گا، مین تم سے بچا کر اس کو نہین رکھونگا، لیکن جو شخص اللہ سے یہ دعا مانگے کہ وہ اس کو سوال و گداگری کی ذلت سے بچائے، تو وہ اُسکو بچا دیتا ہے، اور جو خدا سے غنا کا طالب ہوتا ہے، وہ اس کو غنا مرحمت فرماتا ہے، اور جو صبر کرتا ہی اللہ اس کو صابر بنا دیتا ہے، اور صبر سے کوئی بہتر اور وسیع تر دولت کسی کو نہین دی گئی ہے[۴]،

حکیمؓ بن حزام فتح مکہ مین اسلام لائے تھے، ایک دفعہ اُنھون نے آپ سے کچھ طلب کیا، آپنے عنایت فرمایا،

[۱] ابوداؤد کتاب الادب [۲] صحیح بخاری کتاب الصدقات صفحہ ۱۹۸ [۳] ابوداؤد - و ترمذی - صدقات [۴] صحیح بخاری صفحہ ۱۹۸ کتاب الصدقات،

کچھ دن کے بعد پھر مانگا، آپ نے پھر انکو دیا، تیسری دفعہ پھر سوال کیا، آپ نے پھر کچھ مرحمت کیا، اسکے بعد فرمایا"اے حکیم! یہ دولت سبز و شیرین ہے، جو استغنا کے ساتھ اسکو قبول کرتا ہے، اسکو برکت ملتی ہے، اور جو حرص و طمع کے ساتھ اسکو حاصل کرتا ہے، وہ اُس سے محروم رہتا ہے، اور اسکی مثال اُس شخص کی جیسی ہے جو کھاتا چلا جاتا ہے اور سیر نہین ہوتا، دستِ بالا، دستِ زیرین سے بہتر ہے"، حکیم پر آنحضرت صلعم کی نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ جب تک زندہ رہے کبھی کسی سے کوئی معمولی چیز بھی نہین[1] مانگی،

حجۃ الوداع مین آنحضرت صلعم صدقات کا مال تقسیم فرما رہے تھے کہ دو صاحب آکر شامل ہوئے، آپنے انکی طرف نظر اُٹھا کر دیکھا تو وہ تنومند اور ہاتھ پانون کے درست معلوم ہوئے، آپنے فرمایا" اگر تم چاہو تو مین اسمین سے دے سکتا ہون لیکن غنی اور تندرست کام کرنے کے لایق لوگون کا اس مین کوئی حصہ نہین[2] ہے"۔

قبیصہ نام ایک صاحب تھے، وہ مقروض ہو گئے تھے، آپکے پاس آئے تو اپنی حاجت عرض کی، آپ نے وعدہ کیا، اس کے بعد ارشاد فرمایا، اے قبیصہ! سوال کرنا اور لوگون کے سامنے ہاتھ پھیلانا صرف تین شخصون کو روا ہے ایک اُس شخص کو جو قرض سے زیر بار ہو، وہ مانگ سکتا ہے، لیکن جب اُسکی ضرورت پوری ہو جائے تو اس کو رُک جانا چاہئے، دوسرے اُس شخص کو جسپر کوئی ایسی ناگہانی مصیبت آگئی جس نے اس کے تمام مالی سرمایہ کو برباد کیا، اُس کو اُس وقت تک مانگنا جائز ہے، جب تک اُسکی حالت کسی قدر درست نہو جائے، تیسرے وہ شخص جو مبتلاے فاقہ ہو اور محلہ کے تین معتبر آدمی گواہی دین کہ ہان اسکو فاقہ ہے، اس کے علاوہ جو کوئی کچھ مانگ کر حاصل کرتا ہے وہ حرام کھاتا[3] ہے۔

صدقہ سے پرہیز

آنحضرت صلعم اپنے اور اپنے خاندان کے لیے صدقہ و زکوٰۃ لینے کو سخت موجب ننگ و عار سمجھتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ مین گھر مین آتا ہون تو کبھی کبھی اپنے بستر پر کھجور پاتا ہون، جی مین آتا ہے کہ اُٹھا کر منھ مین ڈال لون، پھر خیال ہوتا ہے کہ کہین صدقہ کی کھجور نہ ہو، اس لیے ڈال دیتا[4] ہون"۔

[1] صحیح بخاری صفحہ ۱۹۹ کتاب الصدقات، [2] ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ، [3] ابو داؤد کتاب الزکوٰۃ [4] بخاری جلد ا صفحہ ۳۲۸ کتاب اللقطہ۔

ایک دفعہ راستہ مین ایک کھجور ہاتھ آگئی، فرمایا، اگر صدقہ کا شبہ نہ ہوتا تو مین اُس کو کھا جاتا[1]،

ایک بار امام حسن علیہ السلام نے صدقہ کی کھجورون مین سے منھ مین ایک کھجور ڈال لی، آپ نے ڈانٹ کر کہا کیا تمھین یہ خبر نہین کہ "ہمارا خاندان صدقہ نہین کھاتا[2]، پھر منھ سے اُگلوا دیا"

آپ کے سامنے جب کوئی شخص کوئی چیز لیکر آتا تو دریافت فرماتے کہ ہدیہ ہی یا صدقہ؟ اگر ہدیہ کہتا، قبول فرماتے، اور اگر یہ کہتا کہ صدقہ، تو آپ ہاتھ روک لیتے، اور دوسرے صاحبون کو عنایت فرما دیتے،)

ہدایا اور تحفے قبول کرنا

(دوست واحباب کے ہدایا اور تحفے آپ قبول فرماتے تھے، بلکہ آپ نے اس کو ازدیاد محبت کا بہترین ذریعہ فرمایا ہی،

تہادوا تحابّوا (حدیث) باہم ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجو، تو باہم محبت ہوگی۔

اسی لیے صحابہ عموماً کچھ نہ کچھ روز آپ کے گھر بھیجا کرتے تھے، اور خصوصیت کے ساتھ اُس دن بھیجتے تھے، جس دن آپ حجرۂ عائشہ مین قیام فرماتے تھے[3]، اوپر گذر چکا ہے کہ کوئی چیز آپکے سامنے پیش کی جاتی تو آپ دریافت فرماتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا ہدیہ؟ اگر ہدیہ کہتا تو قبول فرماتے، ورنہ احتراز کرتے[4]، ایک دفعہ ایک عورت نے ایک چادر خدمت اقدس مین پیش کی، آپ نے لے لی، اسی وقت ایک صاحب نے مانگ لی۔ آپ نے انکو عنایت فرما دی[5]،)

آس پاس کے ملوک وسلاطین بھی آپ کو تحفے بھیجا کرتے تھے، حدود شام کے ایک رئیس نے ایک سفید خچر تحفہ دیا تھا، عزیزِ مصر نے بھی ایک خچر مصر سے بھیجا تھا، ایک امیر نے موزے آپ کو بھیجے تھے۔

ایک دفعہ قیصر روم نے آپ کی خدمت مین ایک پوستین بھیجی جسمین دیبا کی سنجاف لگی ہوئی تھی، آپنے ذرا دیر کے لیے پہن لی۔ پھر اتار کر حضرت جعفر (حضرت علی کے بھائی) کے پاس بھیجدی، وہ پہنکر خدمتِ اقدس

---

[1] بخاری جلد اصفحہ ۲۷۸ کتاب اللقطہ [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۲۔ کتاب الصدقات [3] بخاری مناقب عائشہ۔ [4] صحیح بخاری کتاب الصدقہ [5] صحیح بخاری کتاب الجنائز۔

مین آئے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ "مین نے اس لیے نہین بھیجی کہ تم خود پہنو" عرض کی پھر کیا کرون، ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی نجاشی کو بھیجدو[1]، حضرت جعفر ایک مدت یعنی فتح خیبر تک حبش مین رہے تھے اور نجاشی نے انھی سے اسلام کی تعلیم پائی تھی

ہدایا اور تحفے دینا، (جن لوگون کے ہدایا اور تحفے قبول فرماتے تھے انکوان کا صلہ بھی ضرور عطا فرماتے تھے، حضرت عائشہ سے روایت ہے کان یقبل الھدیۃ ویثیب علیھا، آنحضرت صلعم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا معاوضہ دیتے تھے) یمن کا مشہور بادشاہ ذی یزن جس نے حبشی حکومت مٹا کر ایران کے زیر اثر عربی حکومت قائم کی تھی، اُس نے آنحضرت صلعم کو ایک قیمتی حُلّہ بھیجا، جس کو اُس نے ۶۶، اونٹون کے بدلہ مین خریدا تھا، آپ نے قبول فرمایا اور پھر اس کو ایک حُلّہ ہدیۃً بھیجا جو ۲۰، اونٹ دیکر خریدا گیا تھا[2]۔

(ایک دفعہ قبیلۂ بنی فزارہ کے ایک شخص نے آپ کی خدمت مین ہدیۃً ایک اونٹنی پیش کی، آپ نے اُسکا صلہ دیا تو وہ سخت ناراض ہوا، آپ نے منبر پر کھڑے ہوکر خطاب عام کیا اور فرمایا کہ تم لوگ مجھے ہدیہ دیتے ہو اور مین بقدر استطاعت اس کا صلہ دیتا ہون تو ناراض ہوتے ہو، آیندہ قریش، انصار، ثقیف اور دوس کے سوا کسی قبیلۂ عرب کا ہدیہ قبول نہ کرونگا[3]۔

حضرت ابوایوب انصاری جن کے مکان مین آپ چھ مہینے تک فروکش رہے تھے، آپ اکثر انکو بچا ہوا کھانا بھیجا کرتے تھے[4]، ہمسایون اور پڑوسیون کے گھرون مین بھی تحفے بھیجتے تھے، اصحاب صفہ اکثر آپکے تحفون سے مشرف ہوا کرتے تھے،

عدم قبول احسان، کبھی کسی کا احسان گوارا نہ فرماتے، حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر جان نثار کون ہوسکتا تھا، تاہم ہجرت کے وقت جب اُنھون نے سواری کے لیے ناقہ پیش کیا تو آپ نے قیمت ادا کی[5]، مدینہ مین مسجد کے لیے جو زمین درکار تھی، مالکانِ زمین نے مفت نذر کرنی چاہی تھی، لیکن آپ نے قیمت دیکرلی،

ایک دفعہ عبداللہ بن عمر اور حضرت عمرؓ، دونون ہمسفر تھے، عبداللہ بن عمر کی سواری کا اونٹ سرکش تھا، اور آنحضرت صلعم کے ناقہ سے آگے نکل نکل جاتا تھا، عبداللہ بن عمر روکتے تھے، لیکن وہ قابو کا نہ تھا، حضرت عمرؓ بار بار عبداللہ بن عمر کو ڈانٹتے تھے، آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ سے کہا یہ "اونٹ میرے ہاتھ بیچڈالو" انھون نے کہا کہ نذر ہے، آپ نے فرمایا نہین دام لو،

اُنھون نے دوبارہ عرض کی کہ یون ہی حاضر ہے، آپ نے انکار کیا، بالآخر حضرت عمر نے دام لینے منظور کیے، آپ نے خرید کر عبد اللہ بن عمر کو دیدیا کہ اب یہ تمہارا ہے[۱]؛

عدم تشدد حضرت معاذ بن جبل (جو اکابر صحابہ مین سے تھے) ایک محلہ مین امامت کرتے، اور نماز فجر مین بڑی بڑی سورتین پڑھتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے شکایت کی کہ وہ اِس قدر لمبی نماز پڑھتے ہین کہ مین اُن کے پیچھے نماز پڑھنے سے قاصر رہتا ہون، ابو مسعود انصاری کا بیان ہے کہ مین نے آنحضرت صلعم کو کبھی اس قدر غضبناک نہین دیکھا جسقدر اسموقع پر دیکھا، آپ نے لوگون سے خطاب کرکے فرمایا "بعض لوگ ایسے ہوتے ہین جو لوگونکو متنفر کردیتے ہین، جو شخص تم مین سے نماز پڑھائے، مختصر پڑھائے، کیونکہ نماز مین بوڑھے، کمزور، کام والے سبھی طرح کے آدمی ہوتے ہین[۲]،

حدّ و قصاص مین نہایت احتیاط فرماتے، اور جہان تک ممکن ہوتا درگذر کرنا چاہتے، ماعز اسلمی ایک صاحب تھے جو زنا مین مبتلا ہوگئے، لیکن فوراً مسجد مین آئے اور کہا یا رسول اللہ! مین نے بدکاری کی، آپ نے منھ پھیر لیا، وہ دوسری سمت سے آئے، آپ نے اورطرف منہ پھیرلیا، آپ باربار منھ پھیر لیتے اور وہ باربار سامنے آکر زنا کا اقرار کرتے، بالآخر آپ نے فرمایا کہ تمکو جنون تو نہین ہے؟ بولے نہین، پھر پوچھا تمہاری شادی ہوچکی ہے؟ بولے ہان، آپنے فرمایا کہ تمنے صرف ہاتھ لگایا ہوگا، بولے نہین، بلکہ مجامعت کی، آخر مجبور ہوکر آپ نے حکم دیا کہ سنگسار کیے جائین[۳]،

ایک دفعہ ایک شخص نے آکر عرض کی کہ مجھ سے گناہ سرزد ہوا، آپ حدّ (سزا) کا حکم دین، آپ چپ رہے اور نماز کا وقت آگیا، نماز کے بعد اُنھون نے پھر آکر وہی درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ کیا تم نے نماز نہین پڑھی؟ بولے ہان، پڑھلی، ارشاد فرمایا کہ تو خدا نے تمہارا گناہ معاف کردیا[۴]۔

ایک دفعہ قبیلۂ غامد کی ایک عورت آئی اور اظہار کیا کہ مین نے بدکاری کی، آپنے فرمایا "واپس جاؤ"، دوسرے دن پھر آئی اور بولی کہ کیا آپ مجکو ماعز کی طرح چھوڑ دینا چاہتے ہین۔ خدا کی قسم مجکو حمل رہ گیا ہے، آپ نے پھر فرمایا واپس جاؤ، وہ چلی گئی، تیسرے دن پھر واپس آئی، آپ نے ارشاد فرمایا کہ بچہ کے پیدا ہونے تک انتظار کرو، بچہ جب پیدا ہوا تو بچہ کو گود مین لیے ہوئے آئی، (یعنی اب زنا کی سزا دینے مین کیا تامل ہے؟) آپنے فرمایا کہ

دودھ پینے کی مدت تک انتظار کرو، جب دودھ چھوٹ جائے تب آنا، جب رضاعت کا زمانہ گذر گیا تو پھر حاضر ہوئی، اب آپ نے مجبور ہوکر سنگسار کرنے کا حکم دیا، لوگون نے اُس پر پتھر برسانے شروع کئے، ایک صاحب کا پتھر اُس کے چہرہ پر لگا اور خون کی چھینٹین اُڑکر اُن کے چہرہ پر آئین، اُنھون نے اُسکو گالی دی، آنحضرت صلعم نے فرمایا" زبان روکو، خدا کی قسم اُس نے ایسی توبہ کی ہے کہ جبراً محصول لینے والا بھی اگر یہ توبہ کرتا تو بخشدیا جاتا"[1]

ایک دن ایک صاحب نے عرض کی کہ ہم لوگ یہودیون اور عیسائیون کے ملک مین رہتے ہین، کیا انکے برتنون مین کھانا کھالیا کرین؟ فرمایا اور برتن ہات آئین تو اُن کے برتنون مین نہ کھاؤ، ورنہ اُن کو دھوکر کھاسکتے ہو[2]

(ایک بار ایک صحابی نے ماہِ رمضان تک کے لیے اپنی بی بی سے ظہار کرلیا، لیکن ابھی یہ مدت گذرنے نہ پائی تھی کہ اُس سے مقاربت کرلی پھر لوگون کو اس واقعہ کی خبر کی اور کہا مجھے رسول اللہ کی خدمت مین لے چلو، سب نے انکار کردیا، انہون نے خود آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوکر واقعہ بیان کیا، آپ نے پہلے تو تعجب ظاہر کیا، پھر ایک غلام کے آزاد کرنے کا حکم دیا، انہون نے ناداری کا عذر کیا، تو آپ نے متصل دو ماہ تک روزہ رکھنے کی ہدایت فرمائی، اُنھون نے کہا یہ سب تو رمضان ہی کی وجہ سے ہوا ہے، اب آپ نے ساٹھ مسکینون پر صدقہ کرنے کو فرمایا، انہون نے کہا ہم تو خود فاقہ کر رہے ہین، آپ نے فرمایا کہ صدقہ کے عامل کے پاس جاؤ وہ تمھین ایک وسق کھجور دیگا، اس مین سے ساٹھ مسکینون کو دیدینا اور جو بچے وہ اپنے اہل وعیال پر صرف کرنا، وہ پلٹے تو لوگون سے کہا کہ تم لوگ تشدد اور بدتدبیر تھے، لیکن مجھے رسول اللہ کی خدمت مین حسن رائے اور آسانی نظر آئی،[3]

ایک بار ایک اور صحابی خدمتِ اقدس مین حاضر ہوئے، اور عرض کی کہ یا رسول اللہ مین برباد ہوگیا، روزہ مین اپنی بیوی سے ہمبستر ہوا، آپ نے فرمایا ایک غلام آزاد کرسکتے ہو، کہا نہین، فرمایا دو مہینے تک متصل روزہ رکھ سکتے ہو، کہا نہین فرمایا ساٹھ محتاجون کو کھانا کھلا سکتے ہو؟ کہا اسکی بھی قدرت نہین آنحضرت صلعم نے تامل فرمایا، کچھ دیر نہ گذری تھی کہ ایک شخص نے کھجورون کی ایک ٹوکری ہدیۃً پیش کی، آپ نے فرمایا سائل کہان گیا، سائل نے کہا یا رسول اللہ مین یہ ہون، فرمایا، ان کھجورونکو

---

[1] ابوداؤد کتاب الحدود، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۲۳ [3] ابوداؤد جلد ا صفحہ ۲۲۰،

لے جاؤ، اور کسی غریب کو خیرات دیدو، سائل نے عرض کی یا رسول اللہؐ مدینہ مین مجھ سے زیادہ غریب کون ہوگا، آنحضرت صلعم ہنس پڑے اور فرمایا جاؤ گھر ہی والون کو کھلادو۔[1]

تقشف ناپسند تھا

رہبانیت اور تقشف کو ناپسند فرماتے تھے، صحابہ مین سے بعض بزرگ میلان طبعی، یا عیسائی راہبون کے اثر سے رہبانیت پر آمادہ تھے، آنحضرت صلعم نے انکو باز رکھا، بعض صحابہ ناداری کیوجہ سے شادی نہین کرسکتے تھے اور ضبط نفس پر بھی قادر نہ تھے اُنھون نے قطع اعضا کرنا چاہا، آپ نے سخت ناراضی ظاہر کی، قدامۃ بن مظعون اور ایک اور صحابی آئے کہ ہم مین سے ایک نے ترکِ حیوانات اور دوسرے نے ترکِ نکاح کا عزم کرلیا ہے، آپ نے فرمایا کہ مین تو دونون سے متمتع ہوتا ہون" آپ کی مرضی نہ پاکر دونون صاحب اپنے ارادہ سے باز رہے، عرب مین صومِ وصال کا طریقہ مدت سے جاری تھا، یعنی کئی کئی دن متصل روزے رکھتے تھے، صحابہ نے بھی اس کا ارادہ کیا، لیکن آپ نے سختی سے روکا، حضرت عبداللہ بن عمرو نہایت مرتاض زاہد تھے، انھون نے عہد کرلیا تھا کہ ہمیشہ دن کو روزے رکھین گے اور رات بھر عبادت کرین گے، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی تو بلا بھیجا، اور پوچھا کہ کیا یہ خبر صحیح ہے؟ عرض کی "ہان"، فرمایا کہ "تم پر تمہارے جسم کا حق ہے، آنکھ کا حق ہے، بیوی کا حق ہے، مہینہ مین تین دن کے روزے کافی ہین"، عبداللہ بن عمرو نے کہا مجکو اس سے زیادہ طاقت ہے، فرمایا کہ اچھا تو تیسرے دن، بولے مین اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہون، ارشاد ہوا کہ ایک دن بیچ دے کر، کہ یہی داؤدؑ کا روزہ تھا، اور یہی افضل الصیام ہے انھون نے عرض کی کہ مجکو اس سے بھی زیادہ قدرت ہے، ارشاد ہوا کہ بس، اس سے زیادہ بہتر نہین۔[2]

ایک روایت مین ہے کہ عبداللہ بن عمرو کی روزہ داری کا چرچا ہوا تو آنحضرت صلعم خود اُن کے پاس تشریف لے گئے انھون نے استقبال کیا اور چمڑے کا گدا بچھا دیا، آپ زمین پر بیٹھ گئے، اور اُن سے کہا کہ کیا تم کو مہینہ مین تین روزے بس نہین کرتے، عرض کی، نہین، فرمایا پانچ؟ بولے نہین، غرض آپ بار بار تعداد بڑھاتے جاتے اور وہ اس پر بھی راضی نہوتے، بالآخر آپ نے فرمایا کہ اخیر حد یہ ہے کہ ایک دن افطار کرو اور ایک دن روزہ رکھو۔[3]

---

[1] بخاری صفحہ ۲۶۰ باب اذا جامع فی رمضان۔ [2] صحیح بخاری کتاب الصوم، [3] بخاری کتاب الصوم۔

ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ مین جوان آدمی ہون اور اتنا مقدور نہین کہ نکاح کرون، نہ اپنے نفس پر اطمینان ہے، آنحضرت صلعم چپ رہے، حضرت ابوہریرہ نے پھر انہی الفاظ کا اعادہ کیا، آپ چپ رہے، سہ بارہ کہا تو آپ نے فرمایا کہ خدا کا حکم ٹل نہین سکتا،[1]

(قبیلۂ باہلہ کے ایک صاحب آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوکر واپس گئے، پھر سال بھر کے بعد آنے کا اتفاق ہوا، لیکن اتنے ہی زمانہ مین اُن کی شکل وصورت اس قدر بدل گئی کہ آنحضرت صلعم انکو نہ پہچان سکے، انھون نے اپنا نام بتایا تو آنحضرت صلعم نے تعجب سے پوچھا کہ تم تو نہایت خوش جمال تھے، تمہاری صورت کیون بگڑ گئی، انھون نے کہا جب سے آپ سے رخصت ہوا متصل روزے رکھتا ہون، آپ نے فرمایا اپنی جان کو کیون عذاب مین ڈالا، رمضان کے علاوہ ہر مہینہ مین ایک دن کا روزہ کافی ہے، انھون نے کہا اس سے زیادہ کی قوت رکھتا ہون، آپ نے ایک دن کا اور اضافہ کردیا، اُنھون نے اور اضافہ کی درخواست کی آپ نے تین دن کردیئے، ان کو اس سے بھی تسکین نہ ہوئی تو آپ نے شہر حرام کے روزون کا حکم دیا،[2]

ایک دن چند صحابہ، خاص اس غرض سے ازواج مطہرات کی خدمت مین حاضر ہوئے کہ آنحضرت صلعم کی عبادت کے حالات دریافت کرین وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلعم رات دن عبادت کے سوا اور کچھ نہ کرتے ہونگے، حالات سنے تو اُن کے معیار کے موافق نہ تھے، بولے کہ بھلا ہمکو آنحضرت صلعم سے کیا نسبت، اُن کے تو اگلے پچھلے گناہ، سب خدا نے معاف کردیئے ہین، پھر ایک صاحب نے کہا کہ مین تو رات بھر نماز پڑھا کرون گا، دوسرے صاحب بولے مین عمر بھر روزہ رکھون گا، ایک اور صاحب نے کہا مین کبھی شادی نہین کرونگا، آنحضرت صلعم سُن رہے تھے، فرمایا کہ "خدا کی قسم مین تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہون، تاہم روزہ بھی رکھتا ہون اور افطار بھی کرتا ہون، نماز بھی پڑھتا ہون، اور سوتا بھی ہون، عورتون سے نکاح بھی کرتا ہون، جو شخص میرے طریقہ پر نہین چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے"[3]،

کسی غزوہ مین ایک صحابی کا ایک غار پر گذر ہوا، جس مین پانی تھا اور آس پاس کچھ بوٹیان تھین خدمت

---

[1] بخاری کتاب النکاح [2] ابو داؤد صفحہ ۲۴۲- [3] صحیح بخاری کتاب النکاح۔

اقدس مین حاضر ہوئے توعرض کی، یارسول اللہ! مجکو ایک غار ملگیا ہے جس مین ضرورت کی سب چیزین ہین، میرا دل چاہتا ہے کہ وہان گوشہ گزین ہوکر ترک دنیا کرلون، آپ نے فرمایا مین یہودیت یا نصرانیت لیکر دنیا مین نہین آیا، مین آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لیکر آیا ہون[۱]۔

عیب جوئی اور مداحی کی ناپسندیدگی

مداحی اور تعریف کوبھی (گو دل سے ہو) ناپسند فرماتے تھے، ایک دفعہ مجلس اقدس مین ایک شخص کا مذکور نکلا، حاضرین مین سے ایک شخص نے ان کی بہت تعریف کی، آپ نے فرمایا تمنے اپنے دوست کی گردن کاٹی، یہ الفاظ چند بار فرمائے، پھر ارشاد کیا کہ تمکو اگر کسی کی خواہی نخواہی مدح کرنی ہو تو یون کہو کہ میرا ایسا خیال ہے[۲]،

ایک دفعہ ایک شخص کسی حاکم کی مدح کررہا تھا، حضرت **مقداد** بھی موجود تھے، انھون نے زمین سے خاک اُٹھا کر اُس کے منھ مین جھونک دی اور کہا کہ ہم کو رسول اللہ نے حکم دیا ہے کہ مداحون کے منھ مین خاک بھر دین[۳]۔

ایک دفعہ آپ مسجد مین تشریف لائے، ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا، **محجن ثقفی** رض سے پوچھا یہ کون ہے، محجن نے ان کا نام بتایا اور نہایت تعریف کی، ارشاد فرمایا کہ دیکھو یہ سن نہ پائے ورنہ تباہ ہو جائیگا، یعنی دل مین غرور پیدا ہوگا جو موجب ہلاکت ہوگا[۴]،

ایک دفعہ **اسود بن سریع** رض جو شاعر تھے، خدمتِ عالی مین آئے اور عرض کی کہ مین نے خدا کی حمد اور حضور کی مدح مین کچھ اشعار کہے ہین، فرمایا کہ ہان خدا کو حمد پسند ہے، اسود نے اشعار پڑھنے شروع کیے، اسی اثناء مین کوئی صاحب باہر سے آگئے، آپ نے اسود کو روک دیا، وہ کچھ دیر باتین کرکے چلے گئے، اسود نے پھر پڑھنے شروع کئے، وہ صاحب پھر آگئے، آپ نے اسود کو پھر روک دیا، دو تین دفعہ یہی اتفاق ہوا، اسود نے عرض کی کہ یہ کون صاحب ہین جنکے لیے آپ مجکو بار بار روک دیتے ہین، فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جو فضول باتین پسند نہین کرتا[۵]،

[۱] مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۶۶۔ [۲] ادب المفرد صفحہ ۶۶ [۳] ایضاً صفحہ ۶۷ [۴] ایضاً صفحہ ۶۸۔ [۵] ایضاً،

اس موقع پر یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلعم حسان کو منبر پر بٹھا کر اُن کے اشعار سنتے تھے اور فرماتے[۱] تھے اللھم ایدہ بروح القدس، حالانکہ یہ اشعار آنحضرت کی مدح مین ہوتے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ حسان کے اشعار کفار کے مطاعن کا جواب تھے، عرب مین شعرا کو یہ رتبہ حاصل تھا کہ زور کلام سے جس شخص کو چاہتے ذلیل اور جسکو چاہتے معزز کر دیتے، ابن الزبعری، اور کعب اشرف وغیرہ نے اس طریقہ سے آنحضرت صلعم کو ضرر پہنچانا چاہا تھا، حسان کی مداحی انکا ردِ عمل تھا۔

سادگی اور بے تکلفی

معمول تھا کہ مجلس سے اُٹھ کر گھر مین تشریف لیجاتے تو کبھی کبھی ننگے پانون چلے جاتے اور جوتی وہین چھوڑ جاتے، یہ اس بات کی علامت تھی کہ پھر واپس تشریف لائینگے[۱]،

روز روز کنگھا کرنا ناپسند فرماتے، ارشاد تھا، کہ ایک دن بیچ دیکر کنگھا کرنا چاہیے،

(کھانے پینے، پہننے اوڑھنے، اُٹھنے بیٹھنے کسی چیز مین تکلف نہ تھا، کھانے مین جو سامنے آتا تناول فرماتے، پہننے کو موٹا جھوٹا جو ملجاتا پہن لیتے، زمین پر، چٹائی پر، فرش پر، جہان جگہ ملتی بیٹھ جاتے[۲]، آپ کے لیے آٹے کی بھوسی کبھی صاف نہین کی جاتی تھی[۳]، کرتہ کا تکمہ اکثر کھلا رکھتے تھے، لباس مین نمائش کو ناپسند فرماتے تھے، سامانِ آرائش سے آپ طبعاً نفور تھے[۴]، غرض ہر چیز مین سادگی اور بے تکلفی پسند خاطر تھی،)

امارت پسندی سے اجتناب

اسلام رہبانیت اور جوگی پن کا سخت مخالف ہے، لا رھبانیۃ فی الاسلام، اسی بنا پر آپ ہر قسم کے جائز حظوظ دنیوی سے متمتع ہونا جائز رکھتے تھے، اور خود بھی کبھی کبھی اُن چیزون سے تمتع اُٹھاتے تھے، تاہم ناز و نعمت تکلف و عیش پرستی کو ناپسند فرماتے، اور، اورون کو بھی اس سے رُوکتے،

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت علی کی دعوت کی اور کھانا پکوا کر گھر بھیج دیا، حضرت فاطمہ زہرا نے کہا کہ رسول اللہ بھی تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ کھاتے تو خوب ہوتا، حضرت علی گئے اور آپ سے جا کر عرض کی آپ تشریف لائے، لیکن دروازہ پر پہنچے تو یہ دیکھکر کہ گھر مین دیوارون پر پردے لٹکے ہوئے ہین واپس چلے گئے،

---

[۱] ابوداؤد جلد دوم صفحہ ۳۱۸، [۲] دیکھو شمائل، [۳] صحیح بخاری کتاب الاطعمۃ صفحہ ۸۱۴۔ ([۴] صحاح کی کتاب اللباس مین متعدد واقعات ہین)

(حضرت علی نے واپسی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا پیغمبر کی شان کے خلاف ہی کہ وہ کسی زیب و زینت کے مکان مین داخل ہو[1])

فرمایا کرتے کہ گھر مین ایک بستر اپنے لیے، ایک بیوی کے لیے، اور ایک مہمان کے لیے کافی ہے، چوتھا شیطان کا حصہ ہے[2]،

ایک دفعہ کسی غزوہ مین تشریف لے گئے، حضرت عائشہ رہ گئین، لڑائی سے واپس تشریف لائے اور حضرت عائشہ کے پاس آئے تو دیکھا کہ گھر مین چھت گیر لگی ہوئی ہے، اسی وقت پھاڑ ڈالی، اور فرمایا کہ خدا نے ہمکو دولت اس لیے نہین دی ہی کہ اینٹ پتھر کو کپڑے پہنائے جائین[3]،

ایک انصاری نے ایک مکان بنوایا، جس کا گنبد بہت بلند تھا، آپنے دیکھا تو پوچھا کس نے بنایا ہی، لوگون نے نام بتایا، آپ چپ ہو رہے جب وہ حسب معمول خدمت اقدس مین آئے اور سلام کیا تو آپنے منھ پھیر لیا، انھون نے پھر سلام کیا، آپنے پھر منھ پھیر لیا، وہ سمجھ گئے کہ ناراضی کی کیا وجہ ہی، جاکر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا، ایک دن آپ بازار مین نکلے تو گنبد نظر نہ آیا، معلوم ہوا کہ انصاری نے اس کو ڈھا دیا، ارشاد فرمایا کہ ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کے لیے وبال ہی[4]،

ایک دفعہ کسی نے کمخواب کی قبا بھیجی آپ نے پہن لی، پھر خیال آیا اور اتار کر حضرت عمرؓ کے پاس بھیجدی، حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے، اور عرض کی کہ آپ نے جو چیز ناپسند کی وہ مجھکو عنایت ہوتی ہے، ارشاد ہوا کہ مین نے استعمال کے لیے نہین بلکہ فروخت کرنے کے لیے بھیجی، چنانچہ حضرت عمرؓ نے فروخت کیا تو دو ھزار دام اٹھے،

ایک دفعہ کسی نے ایک مخطط جوڑا بھیجا، آپ نے حضرت علیؓ کو عنایت فرمایا، وہ پہنکر خدمت اقدس مین آئے، آپ کے چہرہ پر غضب کے آثار پیدا ہوئے، اور فرمایا کہ مین نے اس لیے بھیجا تھا کہ پھاڑ کر زنانی چادرین بنائی جائین[5]

مُہر کرنے کی ضرورت سے جب آپ نے انگوٹھی بنوائی تو پہلے سونے کی بنوائی، آپ کی تقلید سے صحابہ نے

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۱۷۱، [2] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ کتاب اللباس۔ [3] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۹۔ [4] ایضاً صفحہ ۳۶۴ [5] و[6] ایضاً۔ کتاب اللباس

بھی زرین انگوٹھیان بنوائین، آپ منبر پر چڑھے، اور انگوٹھی اتار کر پھینکدی اور فرمایا کہ اب نہ پہنون گا، صحابہ نے بھی اُسی وقت اتار کر پھینک دین[1]،

(ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے، حضرت عایشہؓ نے بطور خیر مقدم کے گھر کی دیوار پر پردہ لٹکا دیا تھا، آپ گھر کے اندر داخل ہوئے تو حضرت عائشہؓ نے سلام کیا، آپ نے جواب نہ دیا، اور چہرۂ مبارک سے ناراضی کے آثار ظاہر ہونے لگے اس کے بعد آپ پردے کی طرف بڑھے اور اس کو چاک کر کے فرمایا کہ خدا نے ہم کو اینٹ اور پتھر کے منڈھنے کے لیے رزق نہین دیا ہے[2]۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ کے گلے مین سونے کا ہار دیکھا تو فرمایا کہ تمکو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہین گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے مین آگ کا ہار ہے[3]،

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے ہاتھون مین سونے کے کنگن (مسکتہ) دیکھے، فرمایا کہ اگر اس کو اتار کر ورس کے کنگن کو زعفران سے رنگ کر پہن لیتین تو بہتر ہوتا[4]،

(ایک دفعہ نجاشیؓ نے کچھ زیور آنحضرت صلعم کی خدمت مین ہدیۃً بھیجے، اُن مین ایک انگوٹھی بھی تھی جس مین حبشی پتھر کا نگینہ جڑا تھا، آپ کے چہرہ پر کراہت کے آثار ظاہر ہوئے تھے، اور لکڑی سے اُس کو چھوتے تھے، ہاتھ نہین لگاتے تھے[5]،

ایک دفعہ کسی نے ریشم کا شلوکہ ہدیۃً بھیجا، آپ نے پہن لیا، اور اس کو پہنکر نماز ادا فرمائی، نماز سے فارغ ہو کر نہایت کراہت اور نفرت کے ساتھ نوچ کر اتار ڈالا، پھر فرمایا پرہیز گارون کے لیے یہ کپڑے مناسب نہین،

تواضع اور خاکساری کی راہ سے اکثر معمولی کپڑے استعمال فرماتے تھے، حضرت عمرؓ کو خیال تھا کہ جمعہ و عیدین مین یا سفراء کے ورود کے موقع پر آپ شان و تجمل کے کپڑے زیب تن فرمائین، اتفاق سے ایک بار راستہ مین ایک ریشمی کپڑا (حلّۂ سیراء) بک رہا تھا، حضرت عمرؓ نے موقع پاکر عرض کیا، یارسول اللہ! یہ کپڑا حضور خرید لین

---

[1] ابوداؤد کتاب الخاتم [2] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۹۔ [3] نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۴۳۔ [4] ایضاً۔ [5] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۱۹۔

اور جمعہ مین اور سفراء کی آمد کے موقع پر ملبوس فرمائین، ارشاد ہوا کہ یہ وہ پہنے جسکا آخرت مین کوئی حصہ نہین،

اکثر موٹے جھوٹے اور بھیڑ کے بال کے بُنے ہوئے کپڑے پہنتے تھے اور اُنہی کپڑون مین وفات بھی پائی[1]،

بستر کمل کا تھا، کبھی چمڑے کا جس مین کھجور کی چھال بھری ہوتی تھی، کبھی معمولی کپڑا جو دوتہ کر دیا جاتا تھا حضرت حفصہ بیان کرتی ہین کہ ایک شب کو مین نے بستر مبارک چارتہ کر کے بچھایا کہ ذرا نرم ہو جائے، صبح اُٹھکر آنحضرت صلعم نے ناگواری ظاہر فرمائی[2]،

سنہ ۹ھ مین جبکہ یمن سے شام تک صرف اسلام کی حکومت تھی، فرمان روائے اسلام کے گھر مین صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ تھا[3]، حضرت عایشہ بیان کرتی ہین کہ جب آپ نے وفات پائی تو تھوڑے سے جو کے سوا گھر مین کھانے کو کچھ نہ تھا[4]، صحابہ سے فرمایا کرتے تھے کہ دنیا مین انسان کے لیے اتنا کافی ہے جتنا ایک مسافر کو زاد راہ[5] کے لیے، ایک دفعہ ایک بوریے پر آپ آرام فرما رہے تھے، اُٹھے تو لوگون نے دیکھا کہ پہلوے مبارک پر نشان پڑ گئے ہین، عرض کی یا رسول اللہ! کیا ہم لوگ کوئی گدا بنوا کر حاضر کرین؟ ارشاد ہوا کہ مجکو دنیا سے کیا غرض؟ مجکو دنیا سے اس قدر تعلق ہے جس قدر اُس سوار کو جو تھوڑی دیر کے لیے راہ مین کسی درخت کے سایہ مین بیٹھ جاتا ہے، پھر اس کو چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہے[6]،

ایلاء کے زمانہ مین حضرت عمر جب مشربہ مین جو اسباب کی کوٹھری تھی حاضر ہوئے تو اُنکو نظر آیا کہ سرور عالم کے بیت قدس مین دنیاوی ساز و سامان کی کیا کیفیت ہے؟ جسم مبارک پر صرف ایک تہبند ہے، ایک کھرّی چارپائی بچھی ہے، سرہانے ایک تکیہ پڑا ہے جس مین خرمے کی چھال بھری ہے، ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہین، ایک کونے مین پائے مبارک کے پاس کسی جانور کی کھال پڑی ہے، کچھ مشکیزہ کی کھالین سر کے پاس کھونٹی پر لٹک رہی ہین - یہ دیکھکر حضرت عمر کہتے ہین کہ میری آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، آنحضرت صلعم

---

[1] اوپر کی تمام روایتین صحیح بخاری کتاب اللباس سے ماخوذ ہین۔ [2] شمائل ترمذی [3] صحیح بخاری کتاب اللباس۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۰۸۔ [5] ابن ماجہ کتاب الزہد۔ [6] جامع ترمذی ابواب الزہد۔

نے رونے کا سبب دریافت فرمایا، عرض کی، یا رسول اللہ صلعم! مین کیون نہ روؤن، چارپائی کے بان سے جسم اقدس مین بدھیان پڑگئی ہین، یہ آپ کے اسباب کی کوٹھری ہے، اس مین جو سامان ہے وہ نظر آرہا ہے قیصر و کسریٰ تو باغ و بہار کے مزے لوٹین، اور آپ خدا کے پیغمبر اور برگزیدہ ہو کر آپ کے سامان خانہ کی یہ کیفیت ہو، ارشاد ہوا کہ "اے ابن خطاب! تمکو یہ پسند نہین کہ وہ دنیا لین اور ہم آخرت[1]!"

مساوات (آپ کی نظر مین امیر و غریب، صغیر و کبیر، آقا و غلام سب برابر تھے، سلمان و صہیب و بلال کہ سب کے سب غلام رہ چکے تھے، آپ کی بارگاہ مین روسائے قریش سے کم رتبہ نہ تھے، ایک دفعہ حضرت سلمان و بلال ایک موقع پر جمع تھے، اتفاق سے **ابوسفیان** نکلے، ان لوگون نے کہا ابھی تلوار نے اس دشمنِ خدا کے گردن پر پورا قبضہ نہین پایا ہے، حضرت ابوبکر نے اِن لوگون سے کہا، سردارِ قریش کی شان مین یہ الفاظ! پھر آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے اور واقعہ بیان کیا، آپ نے ارشاد فرمایا کہین تم نے ان لوگون کو ناراض تو نہین کیا، ان لوگون کو ناراض کیا تو خدا کو ناراض کیا، حضرت ابوبکر نے فوراً جاکر اِن بزرگون سے کہا، بھائیو! آپ لوگ مجھسے ناراض تو نہین ہوئے، اِن لوگون نے کہا، نہین، خدا تم کو معاف کرے[2]،

(قبیلہ مخزوم کی ایک عورت چوری کے جرم مین گرفتار ہوئی **اسامہ بن زید** جنسے آنحضرت صلعم نہایت محبت رکھتے تھے، لوگون نے اُن کو شفیع بنا کر خدمتِ نبوی مین بھیجا، آپنے فرمایا اسامہ! کیا تم حدودِ خداوندی مین سفارش کرتے ہو، پھر آپنے لوگون کو جمع کر کے خطاب فرمایا "تم سے پہلے کی اُمتین اسی لیے برباد ہوگئین کہ جب معزز آدمی کوئی جرم کرتا تو تسامح کرتے، اور معمولی آدمی مجرم ہوتے تو سزا پاتے، خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ سرقہ کرتی تو اُس کے بھی ہاتھ کاٹے جاتے[3]،

غزوۂ بدر مین دوسرے قیدیون کے ساتھ آپ کے چچا حضرت عباس بھی گرفتار ہو کر آئے تھے، قیدیون کو زرِ فدیہ لے کر رہا کیا جاتا تھا، بعض نیک دل انصار نے اس بنا پر کہ وہ آپ سے قرابت قریبہ رکھتے ہین عرض

[1] صحیح مسلم کتاب الطلاق باب تخییر الازواج۔ [2] صحیح مسلم فضائل سلمان و صہیب، [3] بخاری و مسلم و ابو داؤد۔ کتاب الحدود۔

کی کہ یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ ہم اپنے بھانجے (عباسؓ) کا زرفدیہ معاف کردین آپ نے فرمایا، نہین، ایک درہم بھی معاف نہ کرو[1]،

مجلس مین جو چیزین آتین ہمیشہ داہنی طرف سے اسکی تقسیم شروع فرماتے، اور ہمیشہ اُس مین امیر و غریب صغیر و کبیر سبکی مساوات کا لحاظ ہوتا،)

ایک دفعہ خدمتِ اقدس مین صحابہ کا مجمع تھا، اتفاق سے داہنی طرف حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیٹھے ہوئے تھے، جو بہت کمسن تھے، بائین جانب بڑے بڑے معمر صحابہ تھے، کہین سے دُودھ آیا، آپ نے نوش فرماکر عبداللہ بن عباس سے کہا تم اجازت دو تو مین اِن لوگون کو دون، انھون نے عرض کی اس عطیہ مین مین ایثار نہین کرسکتا، چونکہ وہ داہنی جانب تھے اور ترتیبِ مجلس کی رو سے اُنھی کا حق تھا آپ نے اُنھی کو ترجیح دی[2]،

حضرت انسؓ کا بیان ہو کہ ایک دفعہ میرے مکان پر تشریف لائے اور پینے کو پانی مانگا، مین نے بکری کا دودھ پیش کیا، مجلس کی ترتیب یہ تھی کہ حضرت ابوبکر بائین جانب، حضرت عمر سامنے اور ایک بدّو داہنی طرف تھا، آپ نے پی لیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکر کی طرف اشارہ کیا، یعنی بقیہ ان کو عنایت ہو، آپ نے فرمایا پہلے داہنی طرف والے کا حق ہے، یہ کہکر بچا ہوا دودہ بدو کو عنایت فرمایا[3]۔

(قریش اپنے فخر و امتیاز کے لیے مزدلفہ مین قیام کرتے تھے، لیکن آنحضرت صلعم نے اس تفریق کو کبھی پسند نہ فرمایا۔ بعثت سے پہلے[4] اور بعثت کے بعد[5] بھی ہمیشہ عام لوگون کے ساتھ مقام کرتے تھے، علاوہ برین یہ بھی گوارا نہ تھا کہ وہین خاص طور سے کوئی عمدہ جگہ دیکھکر آپ کے لیے مخصوص کردی جائے اور وہان سایہ کے لیے کوئی چھپر ڈال دیا جائے، صحابہ نے یہ تجویز پیش کی تو فرمایا جو پہلے پہنچ جائے اُسی کا مقام ہی[6]،

صحابہ جب سب ملکر کوئی کام کرتے تو ہمیشہ آنحضرت صلعم ان کے ساتھ شریک ہوجاتے، اور معمولی مزدور

---

[1] صحیح بخاری باب فداء المشرکین۔ [2] صحیح بخاری صفحہ ۸۸۰۔ [3] بخاری صفحہ ۳۵۰۔ [4] ابوداؤد کتاب المناسک، [5] ابوداؤد کتاب المناسک [6] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۸۷۔

کی طرح کام انجام دیتے، مدینہ آکر سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی، اس مسجد اقدس کی تعمیر مین دیگر صحابہ کی طرح خود آنحضرت صلعم بھی بہ نفس نفیس شریک تھے، خود اپنے دستِ مبارک سے اینٹ اُٹھا اُٹھا کر لاتے تھے، صحابہ عرض کرتے تھے کہ ہماری جانین قربان، آپ کیون زحمت فرماتے ہین، لیکن آپ اپنے فرض سے باز نہ آتے[1]، غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی جب تمام صحابہ مدینہ کے چارون طرف خندق کھود رہے تھے، آپ بھی ایک ادنی مزدور کی طرح کام کر رہے تھے، یہان تک کہ شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہ جم گئی تھی[2]۔

ایک سفر مین کھانا طیار نہ تھا، تمام صحابہ نے ملکر کھانا پکانے کا سامان کیا، لوگون نے ایک ایک کام بانٹ لیا، جنگل سے لکڑی لانے کا کام آنحضرت صلعم نے اپنے ذمہ لیا، صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ صلعم! یہ کام ہم خدام کر لین گے، فرمایا، ہان سچ ہے، لیکن مجھے یہ پسند نہین کہ مین تم سے اپنے کو ممتاز کرون، خدا اُس بندہ کو پسند نہین کرتا جو اپنے ہمراہیون مین ممتاز بنتا ہی[3]۔

غزوۂ بدر مین سواریون کا سامان بہت کم تھا، تین تین آدمیون کے بیچ مین ایک ایک اونٹ تھا، لوگ باری باری سے چڑھتے اترتے تھے، آنحضرت صلعم بھی عام آدمیون کی طرح ایک اونٹ مین دو اور آدمیون کے ساتھ شریک تھے، ہمراہ جان نثارانہ اپنی باری پیش کرتے، اور عرض کرتے کہ یا رسول اللہ آپ سوار رہین حضور کے بدلہ ہم پیادہ چلین گے، ارشاد ہوتا کہ نہ تم مجھ سے زیادہ پیادہ پا چل سکتے ہو، اور مین تم سے ثواب کا محتاج ہون[4]۔

تواضع گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑون مین پیوند لگاتے گھر مین خود جھاڑو دیتے، دودھ دوہ لیتے، بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے، (گدھے کی سواری سے آپ کو عار نہ تھا، غلامون اور مسکینون کے ساتھ بیٹھنے اور اُن کے ساتھ کھانا کھانے سے پرہیز نہ تھا[5]) ایک دفعہ گھر سے باہر تشریف لائے، لوگ تعظیم کو اُٹھ کھڑے ہوئے، فرمایا کہ اہل عجم کی طرح تعظیم کے لیے نہ اُٹھو[6]۔

---

[1] صحیح بخاری باب الہجرۃ و بناء المسجد، [2] صحیح بخاری باب غزوۂ احزاب، [3] زرقانی جلد ۴ صفحہ ۳۰۶ بحوالہ سیرت محب طبری، یہ روایت کسی اور کتاب مین نہین ہی۔ [4] مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۴۲۲ و مسند ابو داؤد طیالسی۔ [5] شمائل ترمذی [6] ابو داؤد و ابن ماجہ۔

غریب سے غریب بیمار ہوتا تو عیادت کو تشریف لے جاتے، مفلسون اور فقیرون کے ہان جاکر انکے ساتھ بیٹھتے صحابہؓ کے ساتھ بیٹھتے تو اس طرح بیٹھتے کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر کوئی آپ کو پہچان نہ سکتا، کسی مجمع مین جاتے تو جہان جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے،[1]

ایک دفعہ ایک شخص ملنے آیا، لیکن نبوت کا اسقدر رعب طاری ہوا کہ کانپنے لگا، آپ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہین، مین فرشتہ نہین، ایک قریشی عورت کا بیٹا ہون جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی،[2]

تواضع اور خاکساری کی راہ سے آپ اکڑون بیٹھکر کھانا تناول فرماتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے مین بندہ اور بندون کی طرح کھاتا اور بندون ہی کی طرح بیٹھتا ہون۔ ایک دفعہ کھانے کے موقع پر جگہ تنگ تھی اور لوگ زیادہ آگئے آپ اکڑون بیٹھ گئے، کہ جگہ نکل آئے، ایک بدو بھی مجلس مین شریک تھا، اس نے کہا محمدؐ! یہ کیا طرز نشست ہی، آپ نے فرمایا خدا نے مجھے خاکسار بندہ بنایا ہے، جبّار اور سرکش نہین بنایا ہے،[3]

تواضع کی انتہا یہ ہے کہ آنحضرت صلعم اپنے متعلق جائز تعظیمی الفاظ بھی نہین پسند فرماتے تھے، ایک بار ایک شخص نے ان الفاظ سے آپ کو خطاب کیا، "اے ہمارے آقا اور ہمارے آقا کے فرزند! اور اے ہم مین سب سے بہتر، اور ہم مین سب سے بہتر کے فرزند!" آپ نے فرمایا "لوگو! پرہیزگاری اختیار کرو، شیطان تمھین گرا نہ دے، مین عبداللہ کا بیٹا محمدؐ ہون، خدا کا بندہ اور اُس کا رسول مجکو خدا نے جو مرتبہ بخشا، مین پسند نہین کرتا، کہ تم مجھے اُس سے زیادہ بڑھاؤ،[4]

ایک دفعہ ایک شخص نے آپکو یاخیر البریۃ (یعنی اے بہترین خلق) کہکر مخاطب کیا، آپنے فرمایا وہ ابراہیمؑ تھے،[5]

عبداللہ بن سخیر کا بیان ہی کہ بنی عامر کی سفارت کے ساتھ جب ہم لوگ خدمت اقدس مین آئے تو عرض کی کہ حضور ہمارے آقا (سید) ہین، ارشاد فرمایا کہ "آقا خدا ہے"، پھر ہم لوگون نے عرض کی آپ ہم مین سب سے افضل اور سب سے برتر ہین، ارشاد ہوا کہ بات کہو تو دیکھ لو کہ شیطان تو تم کو نہین چلا رہا ہی"[6]

مدینۂ منورہ مین ایک عورت تھی، جسکے دماغ مین کچھ فتور تھا آپ کی خدمت مین آئی اور کہا کہ محمدؐ! مجکو تمسے

---

[1] شمائل ترمذی [2] ایضاً [3] ابو داؤد کتاب الاطعمہ [4] صحیح مسلم باب فضائل ابراہیم [5] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۱۵۳ [6] ابو داؤد کتاب الادب،

کچھ کام ہے، فرمایا جہان کہو چلسکتا ہون، وہ آپ کو ایک کوچہ مین لوا گئی، اور وہین بیٹھ گئی، آپ بھی اس کے ساتھ بیٹھ گئے، اور جو کام تھا انجام دے دیا[1]،

مخرمہؓ ایک صحابی تھے، ایک دفعہ اُنھون نے اپنے بیٹے مسور سے کہا کہ آنحضرت صلعم کے پاس کہین سے چادرین آئی ہین اور وہ تقسیم فرما رہے ہین آؤ ہم بھی چلین، آئے تو آپ زنانہ مین تشریف لے جا چکے تھے، بیٹے سے کہا آواز دو، اُنھون نے کہا میرا یہ رتبہ ہے کہ مین آنحضرت صلعم کو آواز دون، مخرمہ نے کہا بیٹے! محمدؐ جبار نہین ہین" ان کی جرات دلانے سے مسور نے آواز دی، آنحضرت فوراً نکل آئے اور ان کو دیبا کی قبا عنایت کی جسکی گھنڈیان زرّین تھین[2]،

ایک دفعہ ایک انصاری نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا کہ اُس خدا کی قسم جسنے موسیٰ کو تمام انسانون پر فضیلت دی، یہ سمجھے کہ آنحضرت صلعم پر تعریض ہے، غصہ مین آکر اُس کے منھ پر تھپڑ کھینچ مارا، وہ آنحضرت صلعم کے پاس فریادی آیا، آپ نے انصاری کو بلا بھیجا اور واقعہ کی تحقیق کے بعد فرمایا کہ "مجکو انبیاء پر فضیلت نہ دو[3]"

(انسان کے غرور و ترفع کا اصلی موقع وہ ہوتا ہے جب وہ اپنے چپ و راست جلو مین ہزارون آدمیون کو چلتے ہوئے دیکھتا ہے، جو اُس کے ایک اشارہ پر اپنی جان تک قربان کر دینے کو تیار ہو جاتے ہین، خصوصاً جب وہ فاتحانہ ایک جرار و پر جوش لشکر کے ساتھ شہر مین داخل ہوتا ہے، لیکن آنحضرت صلعم کی تواضع و خاکساری کا منظر اسوقت اور نمایان ہو جاتا ہے، فتح مکہ کے موقع پر جب آپ شہر مین داخل ہوئے تو تواضعاً سر مبارک کو اس قدر جھکا دیا کہ کجاوہ سے آکر ملگیا[4]، غزوۂ خیبر مین جب آپکا داخلہ ہوا تو آپ ایک گدھے پر سوار تھے، جس مین لگام کی جگہ کھجور کی چھال بندھی تھی[5]، حجۃ الوداع مین جس کجاوہ پر آپ سوار تھے، سن چکے ہو کہ اسکی قیمت کیا تھی،

تعظیم اور مدح مفرط سے روکتے تھے | (شرک کا دیباچہ انبیا اور صلحا کی مبالغہ آمیز تعظیم ہے، آنحضرت صلعم اس نکتہ کا بڑا لحاظ

[1] ابوداؤد کتاب الادب، [2] بخاری صفحہ ۸۱۰، [3] بخاری کتاب الانبیاء - ذکر موسیٰ - [4] شرح شفا قاضی عیاض و سیرت ابن ہشام، [5] مشکوۃ اخلاق النبی صلعم بحوالہ ابن ماجہ و بیہقی -

فرماتے تھے، حضرت عیسیٰ کی مثال پیش نظر تھی، فرمایا کرتے تھے کہ "میری اس قدر مبالغہ آمیز مدح نہ کیا کرو جسقدر نصاریٰ ابن مریم کی کرتے ہین، مین تو خدا کا بندہ اور اُس کا فرستادہ ہون[۱]۔"

قیس بن سعد کہتے ہین کہ مین ایک دفعہ حیرہ گیا، وہان لوگون کو دیکھا کہ رئیسِ شہر کے دربار مین جاتے ہین تو اس کے سامنے سجدہ کرتے ہین، آنحضرت صلعم کیخدمت مین حاضر ہو کر مین نے یہ واقعہ بیان کیا، اور عرض کی کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپ اس کے زیادہ مستحق ہین، آپ نے فرمایا کہ تم میری قبر پر گذرو گے تو سجدہ کروگے؟ کہا نہیں، فرمایا تو جیتے جی بھی سجدہ نہین کرنا چاہیے[۲]۔

معوذ بن عفراء کی صاحبزادی (ربیع) کی جب شادی ہوئی، تو آپ اُن کے گھر تشریف لے گئے، اور دلہن کے لیے جو فرش بچھایا گیا تھا، اُس پر بیٹھ گئے، گھر کی لڑکیان آس پاس جمع ہوگئین اور دف بجا بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ گانے لگین، گاتے گاتے ایک نے یہ مصرع گایا،

فِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ، — ہم مین ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی باتین جانتا ہے،

فرمایا "یہ چھوڑ دو اور وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھین[۳]"

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صاحبزادے حضرت **قاسم** نے جس روز انتقال کیا، اتفاق سے اس روز سورج گرہن لگا، لوگون کے خیال مین ایک پیغمبر کی ظاہری عظمت کا فرضی تخیل یہ تھا کہ اُسکے درد و صدمہ سے کم از کم اجرام سماوی مین انقلاب پیدا ہو جاوے، لوگون نے اس اتفاقی واقعہ کو اسی قسم کے واقعہ پر محمول کیا، ایک جاہ پسند انسان کے لیے اس قسم کا اتفاق بہترین موقع ہو سکتا تھا، لیکن نبوت کی شان اس سے بدرجہا ارفع و اعلیٰ ہے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اُسی وقت لوگون کو مسجد مین جمع کیا اور خطبہ دیا کہ "چاند اور سورج مین گرہن لگنا خدا کی آیات قدرت مین ہے، کسیکی زندگی اور موت سے ان مین گرہن نہین لگتا[۴]"

(ایک دفعہ آنحضرت صلعم وضو کر رہے تھے، وضو کا پانی جو دست مبارک سے گرتا، فدائی برکت کے خیال سے

---

[۱] صحیح بخاری جلد اول صفحہ ۴۹۰ - [۲] ابو داؤد کتاب النکاح باب حق الزوج علی المرأۃ [۳] صحیح مسلم باب ضرب الدف فی النکاح [۴] صحیح بخاری و مسلم باب صلوۃ الخوف۔

اُس کو چلّو مین ۓ لیکر بدن مین مل لیتے، آپ نے پوچھا کہ تم یہ کیون کر رہے ہو، انھون نے عرض کیا کہ خدا اور خدا کے رسول کی محبت مین، فرمایا کہ "اگر کوئی اس بات کی خوشی حاصل کرنا چاہے کہ وہ خدا اور خدا کے رسول سے محبت رکھتا ہی تو اُس کو چاہیے کہ جب باتین کرے، سچ بولے، جب امین بنایا جائے تو امانت کرے، اور کسی کا پڑوسی ہے تو ہمسائیگی کو اچھی طرح نباہے[1]"،

ایک صاحب بارگاہ نبوت مین حاضر ہوئے اثنائے گفتگو مین انھون نے کہا "جو خدا چاہے اور جو آپ چاہین" ارشاد ہوا "تم نے خدا کا شریک اور ہمسر ٹھہرایا، کہو کہ جو خدا تنہا چاہے[2]"

شرم وحیا (صحاح مین ہے کہ آپ دوشیزہ لڑکیون سے بھی زیادہ شرمیلے تھے، اور شرم وحیا کا اثر آپ کی ایک ایک ادا سے ظاہر ہوتا تھا، کبھی کسی کے ساتھ بدزبانی نہین کی، بازارون مین جاتے تو چپ چاپ گذر جاتے، تبسم کے سوا کبھی لبِ مبارک خندہ وقہقہہ سے آشنا نہین ہوئے)،

بھری محفل مین کوئی بات ناگوار ہوتی تو لحاظ کی وجہ سے زبان سے کچھ نہ فرماتے، چہرہ کے اثر سے ظاہر ہوتا اور صحابہ متنبہ ہو جاتے،

عرب مین اور ممالک کی طرح شرم وحیا کا بہت کم لحاظ تھا، ننگے نہانا عام بات تھی، حرم کعبہ کا طواف ننگے ہو کر کرتے تھے، آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو بالطبع یہ باتین سخت ناپسند تھین، ایک دفعہ فرمایا کہ حمام سے پرہیز کرو، لوگون نے عرض کی کہ حمام مین نہانے سے میل چھوٹتا ہے اور بیماری مین فائدہ ہوتا ہے، ارشاد فرمایا کہ نہاؤ تو پردہ کر لیا کرو۔ عرب مین حمام نہ تھے لیکن شام وعراق کے جو شہر عرب کی سرحد سے ملے ہوئے تھے، وہان کثرت سے حمام تھے، اس بنا پر آپ نے فرمایا کہ تم جب عجم فتح کروگے تو وہان حمام ملین گے اُن مین جانا تو چادر کے ساتھ جانا،

ایک دفعہ کچھ عورتین حضرت ام سلمہ کے پاس آئین انھون نے وطن پوچھا بولین حمص (شام کا ایک شہر)

---

[1] مشکوۃ بحوالہ شعب الایمان بیہقی۔ [2] ادب المفرد امام بخاری صفحہ ۱۵۰، مصر،

حضرت ام سلمہ نے کہا تمھین وہ عورتین ہو؟ جو حمام مین نہاتی ہین، بولین کیا حمام کوئی بُری چیز ہی، فرمایا کہ مین نے آنحضرت صلعم سے سنا ہی کہ جو عورت اپنے گھر کے سوا کسی گھر مین کپڑے اتارتی ہی خدا اُسکی پردہ دری کرتا ہے[1]، ابوداؤد مین روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے حمام مین نہانے کو مطلقاً منع کر دیا تھا، پھر مردون کو پردہ کی قید کے ساتھ اجازت دی لیکن عورتون کے لیے وہی حکم قائم رہا، عرب مین جائے ضرور نہ تھے[2]، لوگ میدانون مین رفع حاجت کے لیے جایا کرتے تھے، لیکن پردہ نہین کرتے تھے، بلکہ آمنے سامنے بیٹھ جایا کرتے، اور ہر قسم کی بات چیت کرتے، آنحضرت صلعم نے اسکی سخت ممانعت کی اور فرمایا کہ خدا اس سے ناراض ہوتا ہی[3]،

معمول تھا کہ رفع حاجت کے لیے اس قدر دور نکل جاتے کہ آنکھون سے اوجھل ہو جاتے، مکہ معظمہ مین جب تک قیام تھا، حدود حرم سے باہر چلے جاتے جس کا فاصلہ مکہ معظمہ سے کم از کم تین میل تھا،

اپنے ہاتھ سے کام کرنا، (اگرچہ تمام صحابہ آپ کے جان نثار خادمون مین داخل تھے، باانہمہ آپ خود اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو پسند کرتے تھے، حضرت عائشہ، ابوسعید خدری، اور امام حسن سے روایت ہی کہ کان یخدم نفسہ، یعنی آپ اپنے کام خود اپنے دستِ مبارک سے انجام دیا کرتے تھے[4]، ایک شخص نے حضرت عائشہ سے پوچھا کہ آپ گھر مین کیا کیا کرتے تھے، جواب دیا کہ گھر کے کام کاج مین مصروف رہتے تھے[5]، کپڑون مین اپنے ہاتھ سے خود پیوند لگا لیتے تھے، گھر مین خود جھاڑو دے لیتے تھے، دودھ دوہ لیتے تھے، بازار سے سودا خرید لاتے تھے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے تھے، ڈول مین ٹانکے لگا دیتے تھے، اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھ دیتے تھے، اُسکو چارہ دیتے، غلام کے ساتھ ملکر آٹا گوندھتے[5]،

ایک دفعہ حضرت انس بن مالک خدمت مبارک مین حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ خود اپنے ہاتھ سے ایک اونٹ کے

---

[1] یہ تمام روایتین ترغیب و ترہیب مین کتب حدیث کے حوالہ سے منقول ہین۔ [2] صحیح بخاری حدیث افک، [3] ابوداؤد و ابن ماجہ۔ [4] شرح شفای قاضی عیاض۔ جلد ۲ صفحہ ۱۱۶۔ [5] صحیح بخاری کتاب الادب اور باب مایکون الرجل فی مہنتہ اہلہ مین مجمل ہی۔ قاضی عیاض نے شفا مین متعدد حدیثون سے لیکر اور ٹکڑے بھی جمع کر دیئے ہین۔ زرقانی نے جلد ۴ صفحہ ۲۰۴ مین مسند ابن احمد و ابن سعد سے یہ روایت نقل کی ہی اور لکھا ہے کہ ابن حبان نے اسکو صحیح کہا ہے،

بدن پر تیل مل رہے ہین، ان سے دوسری روایت ہے کہ انھون نے دیکھا کہ آپ صدقہ کے اونٹون کو داغ رہے ہین، تیسری روایت مین وہ کہتے ہین کہ آپ بکریون کو داغ لگا رہے تھے[1]، ایک دفعہ مسجدِ نبوی مین تشریف لے گئے دیکھا تو کسی نے مسجد مین ناک صاف کی ہے، آپ نے خود دستِ مبارک سے ایک کنکر لے کر اُس کو کھرچ ڈالا، اور آیندہ لوگونکو اس فعل سے منع فرمایا[2]،

آپ جب بچے تھے اور خانۂ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی تو اُسوقت بھی پتھر اُٹھا اُٹھا کر معمارون کے پاس لاتے تھے[3]، مسجد قبا اور مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کے کھودنے مین جس طرح عام مزدورون کے ساتھ ملکر آپ نے کام کیا، خود دستِ مبارک سے جس طرح پتھر اٹھا اٹھا کر دیا اور جس طرح زمین کھودی اسکی تفصیل جلد اول کے واقعات مین گذر چکی ہے، ایک سفر مین صحابہ نے بکری ذبح کی اور اُس کے پکانے کے لیے آپس مین کام بانٹ لیے، آپ نے فرمایا جنگل سے لکڑی مین لاؤن گا، صحابہ نے تامل کیا، تو فرمایا مین امتیاز پسند نہین کرتا[4]، ایک اور سفر مین آپ کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا، آپ نے خود اُس کو درست کرنا چاہا، ایک صحابی نے عرض کی، یا رسول اللہ! لائیے مین ٹانک دون، فرمایا یہ تشخص پسندی ہے، جو مجھے محبوب نہین ہے[5]، دو صحابی بیان کرتے ہین کہ ایک دفعہ ہم لوگ خدمت اقدس مین حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ خود اپنے دست مبارک سے مکان کی مرمت کر رہے ہین ہملوگ بھی اس کام مین شریک ہو گئے، جب کام ختم ہو گیا، تو آپ نے ہمارے لیے دعائے خیر فرمائی[6]،

دوسرون کے کام کر دینا | خباب بن ارت ایک صحابی تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے انکو کسی غزوہ پر بھیجا، خباب کے گھر مین کوئی مرد نہ تھا، اور عورتون کو دودھ دوہنا نہین آتا تھا، اس بنا پر آپ ہر روز اُن کے گھر جاتے، اور دودھ دوہ دیا کرتے تھے[7]، حبش سے جو مہمان آئے تھے، صحابہ نے چاہا کہ وہ اُنکی خدمت گذاری کرین، لیکن آپ نے اُن کو روک دیا، اور فرمایا کہ انہون نے میرے دوستون کی خدمت کی ہے، اس لیے مین خود ان کی خدمت کا فرض

[1] یہ تینون روایتین صحیح مسلم مین ہین پہلی روایت کتاب الادب مین اور دوسری اور تیسری باب جواز وسم الحیوان مین ہے، [2] سنن نسائی کتاب المساجد، [3] صحیح بخاری باب الجاہلیۃ، [4] زرقانی جلد ۴ صفحہ ۳۰۶ بحوالہ سیرت محب طبری، [5] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۳۰۶، بحوالہ کتاب تمثال النعل الشریف۔ لابی الیمن بن عساکر [6] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۶۹، [7] ابن سعد حصہ ششم صفحہ ۲۱۳ ترجمہ بنت خباب،

انجام[1] دونگا، کفار ثقیف جنھون نے طائف مین آپ کے پائے مبارک کو زخمی کیا تھا، ۹ھ مین وفد لیکر آئے، تو آپ نے اُن کو مسجد نبوی مین اُتارا، اور بہ نفس نفیس اُنکی مہمانی کے فرائض ادا کئے۔

مدینہ کی لونڈیان آپ کی خدمت مین آتین اور کہتین "یا رسول اللہ! میرا یہ کام ہی" آپ فوراً اُٹھ کھڑے ہوتے اور اُن کا کام کردیتے، مدینہ مین ایک پاگل لونڈی تھی وہ ایک دن حاضر ہوئی اور آپ کا دستِ مبارک پکڑ لیا۔ آپ نے فرمایا اے عورت! مدینہ کی جس گلی مین تو چاہے بیٹھ، مین تیرا کام کردونگا"، چنانچہ آپ اُس کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی مین جاکر بیٹھے، اور اُسکی ضرورت پوری[2] کی، عبداللہ بن ابی اوفیٰ ایک صحابی ہین وہ فرماتے ہین،

ولا یانف ان یمشی مع الارملة والمسکین فیقضی له الحاجة، (نسائی ودارمی)

بیوہ اور مسکین کے ساتھ چلکر انکا کام کردینے مین آپ کو عار نہ تھا،

ایک دفعہ آپ نماز کے لیے کھڑے ہوچکے تھے کہ ایک بدو آیا اور آپ کا دامن پکڑ کر بولا "میرا ذرا سا کام رہ گیا ہی ایسا نہ ہو کہ مین بھول جاؤن پہلے اُسکو کردو" آپ اُسکے ساتھ فوراً مسجد سے باہر نکل آئے اور اُس کا کام انجام دے کر نماز ادا کی[3]

عزم واستقلال (خدا نے قرآن مجید مین اولوا العزم من الرسل کہکر انبیاءِ کبارؑ کی مدح فرمائی ہی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) چونکہ خاتم الرسل تھے، اس لیے خصوصیت کے ساتھ خدا نے یہ وصف آپ کی ذات مین ودیعت کیا تھا، ابتدا سے انتہا تک اسلام کا ایک ایک کارنامہ آنحضرت صلعم کے عزم واستقلال کا مظہرِ اتم ہے، عرب کے کفرستان مین ایک شخص تنہا کھڑا ہوتا ہے، بے یار و مددگار دعوتِ حق کی صدائین بلند کرتا ہے۔ ریگستانِ عرب کا ذرہ ذرہ اس کی مخالفت مین پہاڑ بنکر سامنے آتا ہے، لیکن وقارِ نبوت اور عزم ربانی سے ٹھوکر کھاکر پیچھے ہٹ جاتا ہے، اور مخالفون کی تمام قوت اُس کے سامنے چورچور ہو جاتی ہے۔

---

[1] شفای قاضی عیاض بسند متصل بحوالہ بیہقی، [2] مسلم وابوداؤد، اخلاق وآداب، [3] ابوداؤد کتاب الادب و بخاری کتاب الصلوۃ، مختصراً،

تیرہ برس کی متواتر ناکامیون کے بعد بھی ذاتِ اقدس جُبن ویاس سے آشنا نہین ہوتی، اور بالآخروہ دن آتا ہے، جب ایک تنہا انسان ایک لاکھ جان نثارون کو چھوڑ کر دنیائے فانی کو الوداع کہتا ہے، ہجرت سے قبل ایک دفعہ صحابہ نے کفار کی ایذارسانیون سے تنگ آکر خدمتِ مبارک مین عرض کی کہ "آپ ہمارے لیے کیون دُعا نہین فرماتے"، آپکا چہرہ غصہ سے سُرخ ہوگیا اور فرمایا کہ "تمسے پہلے جولوگ گذرے ہین اُنکو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کردیا جاتا تھا، اُن کے بدن پر لوہے کی کنگھیان چلائی جاتی تھین جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہوجاتا تھا لیکن یہ آزمائشین بھی اُنکو مذہب سے برگشتہ نہین کرسکتی تھین، خدا کی قسم دین اسلام اپنے مرتبۂ کمال کو پہنچکر رہے گا یہانتک کہ صنعا، سے حضرموت تک ایک سوار اسطرح بیخطر چلا آئیگا کہ اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا[1]"

مکہ مین روساے قریش جب ہر قسم کی تدبیرون سے تھک گئے تو اُنھون نے آپ کے سامنے حکومت کا تخت، زروجواہر کا خزانہ اور حسن کی دولت پیش کی، ان مین سے ہر چیز بہادر سے بہادر انسان کے قدم کو ڈگمگا دینے کے لیے کافی تھی، لیکن آپ نے ذلت کے ساتھ انکی درخواست کو ٹھکرا دیا، اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم ودمساز یعنی ابوطالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا تو یہ غور وفکر کا آخری لمحہ اور عزم واستقلال کا آخری امتحان تھا، اُسوقت آپنے جواب مین جو فقرے فرمائے، عالم کائنات مین ثبات وپامردی کے اظہار کا سب سے آخری طریقۂ تعبیر ہے، آپنے فرمایا "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ مین سورج اور بائین مین چاند رکھ دین تب بھی اپنے اعلانِ حق سے باز نہ آؤن گا" (ابن ہشام)

غزوۂ بدر مین جب تین سو بے سامان مُسلم ایک ہزار باساز وسامان فوج سے معرکہ آرا تھے، کفار قریش اپنے زور وکثرت سے بپھرتے آتے تھے، اُسوقت مسلمان سمٹ سمٹ کر آنحضرت صلعم کے پہلو مین آجاتے تھے، اور بااین ہمہ نبوت کا کوہِ وقار اپنی جگہ پر قائم تھا[2]،

غزوۂ اُحد مین آپ نے صحابہ سے مشورہ کیا تو سب نے حملہ کی راے دی، لیکن جب آپ زرہ پہنکر تیار ہوگئے،

---

[1] صحیح بخاری جلد اول باب مالقی النبی صلعم، [2] مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۱۲۶۔

توصحابہ نے رُک جانے کا مشورہ دیا، آپ نے فرمایا پیغمبر زرہ پہنکر اُتار نہین سکتا[1]،

غزوۂ حنین مین جب قبیلۂ ہوازن کے قدر اندازون نے متصل تیرون کی بوچھار کی تو اکثر صحابہ کے قدم اُکھڑ گئے لیکن آپ نہایت سکون و اطمینان سے چند جان نثارون کے ساتھ میدان مین جمے رہے اُس وقت زبان پر یہ رجز جاری تھا،

أَنَا النَّبِیّ لَا کَذِب أَنَا ابن عبد المطلب[2]، | مین پیغمبر صادق ہون، مین فرزند عبد المطلب ہون،

ایک بار آپ کسی غزوہ مین درخت کے نیچے آرام فرمارہے تھے، ایک کافر آیا اور اسی حالتِ خواب مین تلوار کھینچکر بولا، محمد! اب تمکو مجھ سے کون بچا سکتا ہے، آپ نے فرمایا خدا، اس عزم و استقلال اور جراءت صادقہ نے اس کو اس قدر مرعوب کردیا کہ فوراً اس نے تلوار میان مین کرلی اور پاس بیٹھ گیا[3]،

شجاعت | (یہ وصف انسانیت کا اعلےٰ جوہر اور اخلاق کا سنگ بنیاد ہے، عزم، استقلال، حقگوئی، راست گفتاری، پُردلی، یہ تمام باتین شجاعت ہی سے پیدا ہوتی ہین، آنحضرت صلعم کو سیکڑون مصائب و خطرات، اور بیسیون معرکے اور غزوات پیش آئے، لیکن کبھی پامردی اور ثبات کے قدم نے لغزش نہین کھائی، غزوۂ بدر کی گھمسان لڑائی مین ۱۰۰۰ نہتے مسلمانون کے قدم جب ایک ہزار مسلح فوج کے حملون سے ڈگمگا جاتے تھے، تو دوڑ کر مرکز نبوت ہی کے دامن مین آکر پناہ لیتے تھے، حضرت علیؓ جن کے دست و بازو نے بڑے بڑے معرکے سر کئے کہتے ہین کہ بدر مین جب زور کا رن پڑا تو ہم لوگون نے آپ ہی کی آڑ مین آکر پناہ لی، آپ سب لوگون سے زیادہ شجاع تھے، مشرکین کی صف سے اُس دن آپ سے زیادہ کوئی قریب نہ تھا[4]،

غزوۂ حنین مین ہوازن کے بے پناہ تیرون کی بارش ہوئی تو مسلمانون کی کثیر التعداد فوج دفعتہً میدان سے ہٹ گئی، لیکن آپ مع چند جان نثارون کے بدستور میدان مین کھڑے رہے، اس وقت بار بار آپ اپنے

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۹۵، باب قول اللہ وامرہم شوریٰ بینہم، [2] صحیح بخاری حنین، [3] بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۹۳ غزوۂ ذات الرقاع، [4] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۲۶،

خچر کو ایڑ لگا کر آگے بڑھانے کا قصد فرما رہے تھے، لیکن جان نثار مانع آتے تھے، اب دشمنون کی تمام فوج کا نشانہ صرف آپ کی ذات تھی، بایں‌ہمہ پاے اقدس مین لغزش نہین ہوئی، حضرت براؓ جو اس معرکہ مین شریک تھے، کسی نے اُن سے پوچھا کہ کیا حنین مین تم بھاگ کھڑے ہوئے تھے، جواب دیا ہان یہ سچ ہے، لیکن مین گواہی دیتا ہون کہ آنحضرت صلعم اپنی جگہ سے نہین ہٹے تھے، خدا کی قسم جب لڑائی پورے زور پر ہوتی تھی تو ہم لوگ آپ ہی کے پہلو مین آکر پناہ لیتے تھے، ہم مین سب سے بڑا بہادر وہ شمار ہوتا تھا جو آپ کے ساتھ کھڑا ہوتا تھا[1]،

حضرت انسؓ بن ثابت کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم سب سے زیادہ شجاع تھے، ایک دفعہ مدینہ مین شور ہوا کہ دشمن آگئے لوگ مقابلہ کے لیے تیار ہو گئے، لیکن سب سے پہلے جو آگے بڑھ کر نکلا وہ خود آنحضرت صلعم تھے، جلدی مین آپ نے اس کا بھی انتظار نہین کیا کہ گھوڑے پر زین کسی جائے، گھوڑے کی برہنہ پشت پر سوار ہو کر آپ تمام خطرونکے مقامات مین گشت لگا آئے، اور واپس آکر لوگون کو تسکین دی کہ کوئی خطرہ کی بات نہین[2]۔

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی کسی کو اپنے دستِ خاص سے قتل نہین کیا، ابی بن خلف آپکا سخت دشمن تھا، بدر مین فدیہ دیکر رہا ہوا، تو ساتھ ساتھ یہ کہتا گیا، کہ میرے پاس ایک گھوڑا ہے، جسکو مین ہر روز جوار کھلایا کرتا ہون، اُسی پر چڑھ کر محمدؐ کو قتل کرون گا"، احد مین اُسی گھوڑے کو اڑاتا اور صفون کو چیرتا ہوا آپکے پاس پہنچ گیا، مسلمانون نے چاہا کہ اُس کو بیچ مین روک لین، لیکن آپ نے منع فرمایا اور ایک مسلمان کے ہاتھ سے نیزہ لیکر آپ اس کی طرف بڑھے، اور آہستہ سے اس کی گردن مین انی چبھوئی، وہ چنگھاڑ مار کر بھاگا، لوگون نے کہا یہ تو کوئی بڑا زخم نہین، تم اس قدر خوفزدہ کیون ہو؟ اُسنے کہا ہان سچ ہے لیکن یہ محمدؐ کے ہاتھ کا زخم ہے[3]،

راست گفتاری

راست گفتاری پیغمبر کی ایک ضروری صفت ہے اور اس کا وجود انکی ذات سے کبھی منفک نہین ہو سکتا، اس بنا پر آنحضرت صلعم کے اخلاق کے عنوان مین اس کے جزئیات کی تفصیل کی ضرورت نہ تھی، لیکن

---

[1] صحیح مسلم غزوۂ حنین۔ [2] صحیح بخاری کے متفرق ابواب مین یہ حدیث ہے مثلاً باب الشجاعۃ فی الحرب، وباب اذا فزعوا باللیل،
[3] شرح شفا قاضی عیاض جلد ۲ صفحہ ۹۴ بحوالہ بیہقی بسند صحیح و مصنف عبدالرزاق و ابن سعد و واقدی۔

اس موقع پر ہم صرف اُن شہادتون کو قلمبند کرنا چاہتے ہین جو دشمنون کے اعتراف سے ہاتھ آسکی ہین۔

آنحضرت صلعم نے جب نبوت کا دعویٰ کیا تو کفار مین جو لوگ آپ سے واقف تھے اُنھون نے آپ کو کاذب اور دروغگو یقین نہین کیا، بلکہ یہ سمجھا کہ نعوذ باللہ آپ کے حواس درست نہین ہین یا اب عقل بجا نہین رہی ہے یا یہ کہ ان مین اب شاعرانہ تخیل پرستی آگئی ہے، اسی بنا پر انہون نے آپ کو مجنون کہا، مسحور کہا، شاعر کہا، لیکن کاذب نہین کہا،

ایک روز قریش کے بڑے بڑے روسا جلسہ جمائے بیٹھے تھے اور آپ کا ذکر ہو رہا تھا، نضر بن حارث نے جو قریش مین سب سے زیادہ جہاندیدہ تھا، کہا، اے قریش تم پر جو مصیبت آئی ہے اب تک تم اسکی کوئی تدبیر نہ نکال سکے، محمدؐ تمہارے سامنے بچہ سے جوان ہوا، وہ تم مین سب سے زیادہ پسندیدہ، صادق القول اور امین تھا، اب جب اُسکے بالون مین سپیدی آچلی اور تمہارے سامنے یہ باتین پیش کین تو کہتے ہو کہ وہ ساحر ہے، کاہن ہے، شاعر ہے، مجنون ہے، خدا کی قسم مین نے انکی باتین سنی ہین، محمدؐ مین یہ کوئی بات نہین، تم پر یہ کوئی مصیبت ہی نئی آئی ہے[1]

ابو جہل کہا کرتا تھا "محمدؐ مین تمکو جھوٹا نہین کہتا، البتہ تم جو کچھ کہتے ہو، اُن کو صحیح نہین سمجھتا، قران مجید کی یہ آیت اسی موقع پر نازل ہوئی ہے[2]،

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ	ہم جانتے ہین کہ اے پیغمبر ان کافرونکی باتین تجکو غمگین کرتی ہین کیونکہ
لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۔ (انعام)	وہ تجکو جھٹلاتے نہین البتہ یہ ظالم اللہ کی آیتون کا انکار کرتے ہین۔

جب آنحضرت صلعم کو بارگاہِ الٰہی سے حکم ہوا کہ اپنے اہل خاندان کو اسلام کی دعوت دو تو آپ نے ایک پہاڑ پر چڑھکر پکارا، "یا معشر قریش! جب سب لوگ جمع ہوگئے تو فرمایا اگر مین تم سے یہ کہون کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئے گا، سب نے کہا، ہان، کیونکہ ہمنے تمکو کبھی جھوٹ بولتے نہین دیکھا[3]۔

قیصر روم نے دربار مین **ابو سفیان** سے پوچھا کہ تمہارے ہان جو مدعی پیدا ہوا ہے، اس دعوی سے پہلے کبھی تمنے اس کو دروغگو بھی پایا، ابو سفیان نے کہا نہین، آخر مین قیصر نے جو تقریر کی اس مین کہا، مین نے تم سے

---

[1] ابن ہشام [2] جامع ترمذی تفسیر انعام۔ [3] صحیح بخاری تفسیر سورہ تبّت۔

پوچھا کہ تمہارے نزدیک وہ کبھی کذب کا بھی مرتکب ہوا تو تم نے جواب دیا کہ نہیں، مجھے یقین ہو کہ اگر وہ خدا پر افترا باندھتا تو وہ آدمیون پر افترا باندھنے سے کب[1] باز رہتا،)

ایفائے عہد (ایفائے عہد آپ کی ایک ایسی عام خصوصیت تھی کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کرتے تھے، چنانچہ قیصر نے اپنے دربار مین آپ کے متعلق ابوسفیان سے جو سوالات کئے ان مین ایک یہ بھی تھا کہ کیا کبھی محمدؐ نے بدعہدی بھی کی ہے؟ ابوسفیان کو مجبوراً یہ جواب دینا پڑا کہ نہیں[2]، وحشی جنھون نے حضرت حمزہ کو شہید کیا تھا اسلام کے ڈر سے شہر بہ شہر پھرا کرتے تھے، اہل طائف نے مدینہ بھیجنے کے لیے جو وفد مرتب کیا اس مین اُنکا نام بھی تھا، لیکن انکو ڈر تھا کہ کہین مجھ سے انتقام نہ لیا جائے، لیکن خود دشمنون نے اُنکو یقین دلایا کہ تم بے خوف وخطر جاؤ، محمدؐ سفراء کو قتل نہین کرتے چنانچہ وہ اس اعتماد پر دربار نبوت مین حاضر ہوئے اور اسلام لائے[3]، صفوان بن امیہ (قبل اسلام) شدید ترین دشمنون مین تھے، جب مکہ فتح ہوا تو وہ بھاگ کر یمن کے ارادہ سے جدہ چلے گئے، عمیر بن وہب نے حاضر خدمت ہوکر واقعہ عرض کیا، آنحضرت صلعم نے عمامۂ مبارک عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ صفوان کی امان کی نشانی ہے، عمیر عمامۂ مبارک لیکر صفوان کے پاس پہنچے، اور کہا تمکو بھاگنے کی ضرورت نہین تمکو امان ہے. جب خدمت اقدس مین حاضر ہوئے تو عرض کی کہ کیا آپ نے مجھے امان دی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہان، یہ سچ[4] ہے،

ابو رافع ایک غلام تھے، حالت کفر مین قریش کی طرف سے سفیر بنکر مدینہ منورہ آئے، روے اقدس پر نظر پڑی تو بے اختیار اسلام کی صداقت اُنکے دل مین جاگزین ہوگئی، عرض کی یارسول اللہ! اب مین کبھی کافرون کے پاس لوٹ کر نہ جاؤن گا، ارشاد ہوا، نہ مین عہد شکنی کرسکتا - اور نہ قاصدون کو اپنے پاس روک سکتا، تم اسوقت واپس جاؤ، اگر وہان پہنچکر بھی تمہارے دل کی یہی کیفیت باقی رہے تو آجانا، چنانچہ وہ اُسوقت واپس گئے، اور پھر اسلام لائے[5]،

صلح حدیبیہ مین ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ سے جو مسلمان ہوکر مدینہ جائے گا وہ اہل مکہ کے مطالبہ پر واپس کردیا جائیگا عین اسوقت جب معاہدہ کی یہ شرطین زیر تحریر تھین ابوجندل پابزنجیر اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر آئے، اور رسول اللہ صلعم

[1] صحیح بخاری باب بدء الوحی، [2] ایضاً، [3] صحیح بخاری غزوۂ احد، [4] ابن ہشام [5] ابوداؤد باب الوفاء بالعہد

سے فریادی ہوئے، تمام مسلمان اس دردانگیز منظر کو دیکھکر تڑپ اُٹھے لیکن آنحضرت صلعم نے باطمینان تمام اُنکی طرف مخاطب ہوکر فرمایا، اے ابوجندل! صبر کرو، ہم بدعہدی نہین کرسکتے، اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لیے کوئی راستہ نکالے گا[۱]

نبوت سے پہلے کا واقعہ ہو کہ عبداللہ بن ابی الحمساء نے آنحضرت صلعم سے کچھ معاملہ کیا اور آپ کو بٹھا کر کہین چلے گئے کہ آکر حساب صاف کردیتا ہون، اتفاق سے انکو خیال نہ رہا تین دن کے بعد آئے، تو آنحضرت صلعم اُسی جگہ تشریف رکھتے تھے، ان کو دیکھکر فرمایا "مین تین دن سے یہان تمہارے انتظار مین بیٹھا ہون[۲]"،

غزوۂ بدر مین کافرون کے مقابلہ مین مسلمانون کی تعداد ایک ثلث سے بھی کم تھی، ایسے موقع پر آنحضرت صلعم کی قدرتی خواہش یہ ہونی چاہیے تھی کہ جس قدر آدمی بڑھ سکین بہتر ہے، لیکن آپ اس وقت بھی ہمہ تن وفا تھے، **ابو حذیفہ** بن الیمان اور **ابو حسل** دو صحابی مکہ سے آرہے تھے، راہ مین کفار نے انکو روکا کہ محمدؐ کے پاس جارہے ہو، انھون نے انکار کیا، آخر اس شرط پر انکو رہائی ملی کہ وہ جنگ مین آپ کا ساتھ نہ دین گے، یہ دونون صاحب آنحضرت صلعم کے پاس آئے، تو صورتِ حال عرض کی، فرمایا، تم دونون واپس جاؤ، ہم ہر حال مین وعدہ وفا کرینگے، ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے[۳]۔

زہد و قناعت

مصنفین یورپ کا عام خیال ہو کہ آنحضرت صلعم جب تک مکہ مین تھے پیغمبر تھے، مدینہ پہنچکر پیغمبر سے بادشاہ بن گئے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ آپ تمام عرب کے زیرنگین ہوجانے پر بھی فاقہ کش رہے، صحیح بخاری باب الجہاد مین روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے یہان تین صاع جَو پر گرد تھی، جن کپڑون مین آپنے وفات پائی ان مین اوپر تلے پیوند لگے ہوئے تھے، یہ وہ زمانہ ہے جب تمام عرب حدودِ شام سے لیکر عدن تک فتح ہوچکا ہے، اور مدینہ کی سرزمین مین زر و سیم کا سیلاب آچکا ہے،

اس مین شبہہ نہین کہ آپ کی مہمات فرایض مین رہبانیۃ کا قلع قمع کرنا بھی تھا، جس کے نسبت خدا نے نصاری

۱؎ صحیح بخاری کتاب الشروط، آخری فقرے ابن ہشام مین ہین۔ ۲؎ ابوداود کتاب الادب، ۳؎ صحیح مسلم باب الوفاء بالعہد جلد ۲ صفحہ ۸۹۔

کو ملامت کی تھی کہ رہبانیۃ ابتدعوھا اس بنا پر آپ نے کبھی کبھی اچھے کھانے اور اچھے کپڑے بھی استعمال کئے ہین لیکن اصلی میلانِ طبع زخارفِ دنیوی سے اجتناب تھا، (فرمایا کرتے، فرزندِ آدم کو ان چند چیزون کے سوا اور کسی چیز کا حق نہین، رہنے کے لیے ایک گھر، ستر پوشی کے لیے ایک کپڑا، اور شکم سیری کے لیے روکھی سوکھی روٹی اور پانی[1]، حضرت عائشہ فرماتی ہین، وَلَا یُطْوٰی لہ ثوبٌ[2] کبھی آپکا کوئی کپڑا تہ کرکے نہین رکھا گیا، یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا، دوسرا نہین ہوتا تھا، جو تہ کرکے رکھا جا سکتا،

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر گھر کی دیوار کی مرمت کر رہے تھے، اتفاقاً آپ کسی طرف سے آ گئے، پوچھا کیا شغل ہی، عبداللہ بن عمر نے عرض کی کہ دیوار کی مرمت کر رہا ہون، ارشاد ہوا کہ اتنی مہلت کہان[2]؟

گھر مین اکثر فاقہ رہتا تھا اور رات کو تو اکثر آپ اور سارا گھر بھوکا سو رہتا تھا،

کَانَ رَسُولُ اللہ یبیت اللیالی المتابعۃ طاویا ھو واھلہ لایجدون عشاء[3]	آپ اور آپ کے اہل و عیال متصل کئی کئی رات بھوکے رہجاتے تھے، کیونکہ رات کا کھانا میسر نہین ہوتا تھا،

پیہم دو دو مہینے تک گھر مین آگ نہین جلتی تھی، حضرت عائشہ نے ایک موقع پر جب یہ واقعہ بیان کیا تو عروہ بن الزبیر نے پوچھا کہ آخر گذارا کس چیز پر تھا؟ بولین کہ پانی اور کھجور، البتہ ہمسائے کبھی کبھی بکری کا دودھ بھیجدیتے تھے تو پی لیتے تھے[4]، آپ نے تمام عمر کبھی چپاتی کی صورت نہین دیکھی[5]، میدہ جسکو عرب مین حواری اور نقی کہتے ہین، کبھی نظر سے نہین گذرا، سہل بن سعد جو اس واقعہ کے راوی ہین اُنسے لوگون نے پوچھا کہ کیا آنحضرت صلعم کے زمانہ مین چھلنیان نہ تھین، بولے نہین، لوگون نے کہا پھر آخر کس چیز سے آٹا چھانتے تھے، بولے منھ سے پھونک کر بھوسی اڑا دیتے تھے، جو رہ جاتا تھا اسی کو گوندھ کر پکا لیتے[6]،

حضرت عائشہ فرماتی ہین کہ تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپ نے کبھی دو وقت سیر ہو کر روٹی نہین کھائی[7]،

---

[1] جامع ترمذی ابواب الزہد۔ [2] ابن ماجہ کتاب اللباس۔ [3] جامع ترمذی معیشۃ النبیؐ۔ [4] بخاری کتاب الرقاق [5] ایضاً [6] شمائل۔ [7] ایضاً۔

فدک اور خیبر وغیرہ کے ذکر مین محدثین اور ارباب سیر لکھتے ہین کہ آپ اُن کی آمدنی سے سال بھر کا خرچ لے لیا کرتے تھے، یہ واقعہ بظاہر روایات مذکورۂ بالا کے مخالف معلوم ہوتا ہی لیکن درحقیقت دونون صحیح ہین، بے شبہہ آپ بقدر نفقہ آمدنی مین سے لیتے باقی فقرا اور اہل حاجت کو دیدیتے تھے، لیکن آپ اپنے لیے جو رکھ لیتے تھے، وہ بھی اہلِ حاجت کے نذر ہوجاتا تھا، احادیث مین آپ کی فاقہ کشی اور تنگدستی کے واقعات نہایت کثرت سے منقول ہین۔ چند روایتین اس موقع پر ہم درج کرتے ہین۔

ایک دفعہ ایک شخص خدمت اقدس مین حاضر ہوا کہ سخت بھوکا ہون، آپ نے ازواج مطہرات مین سے کسی کے ہان کہلا بھیجا کہ کچھ کھانے کو بھیجدو، جواب آیا کہ گھر مین پانی کے سوا کچھ نہین، آپ نے دوسرے گھر کہلا بھیجا وہان سے بھی یہی جواب آیا، مختصر یہ کہ آٹھ نو گھرون مین سے کہین پانی کے سوا کھانے کی کوئی چیز نہ تھی[1]

حضرت انس کا بیان ہے کہ ایک دن خدمت اقدس مین حاضر ہوا تو دیکھا کہ آپ نے شکم کو کپڑے سے کسکر باندھا ہی سبب پوچھا تو حاضرین مین سے ایک صاحب نے کہا بھوک کیوجہ سے[2]،

حضرت ابوطلحہ کہتے ہین کہ ایک دن مین نے رسول اللہ صلعم کو دیکھا کہ مسجد مین زمین پر لیٹے ہوئے ہین، اور بھوک کی وجہ سے بار بار کروٹین بدلتے ہین[3]،

ایک دفعہ صحابہ نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین فاقہ کشی کی شکایت کی اور پیٹ کھولکر دکھایا کہ پتھر بندھے تھے، آپ نے شکم کھولا تو ایک کے بجائے دو دو پتھر[4] تھے،

اکثر بھوک کیوجہ سے آواز اس قدر کمزور ہوجاتی تھی، کہ صحابہ آپ کی حالت سمجھ جاتے تھے، ایکدن ابوطلحہ گھر مین آئے، اور بیوی سے کہا کچھ کھانے کو ہے؟ مین نے ابھی رسول اللہ کو دیکھا، اُنکی آواز کمزور ہوگئی[5] ہے،

ایک دن بھوک مین ٹھیک دوپہر کے وقت گھر سے نکلے، راہ مین حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ ملے، یہ دونون صاحب بھی بھوک سے بیتاب تھے، آپ سب کو لیکر حضرت ابوایوب انصاری کے گھر آئے، اُنکا معمول تھا

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ مطبوعۂ مصر [2] صحیح بخاری صفحہ ۵۰۳ [3] صحیح مسلم صفحہ ۱۹۳ [4] ایضاً [5] صحیح مسلم صفحہ ۱۹۱۔

کہ آنحضرت صلعم کے لیے دودھ مہیا رکھتے تھے، آج آپ کے آنے مین دیر ہوئی تو انھون نے بچون کو کھلا دیا، آنحضرت صلعم اُنکے گھر پہنچے تو وہ نخلستان مین چلے گئے تھے، انکی بیوی کو خبر ہوئی تو باہر نکل آئین اور عرض کی "حضور کا آنا مبارک"، آپ نے پوچھا ابوایوب کہان ہین، نخلستان پاس ہی تھا، وہ آواز سنکر دوڑے آئے اور مرحبا کہکر عرض کی یہ حضور کے آنے کا وقت نہین، آپ نے حالت بیان کی وہ نخلستان مین جاکر کھجورون کا ایک خوشہ توڑ لائے، اور کہا مین گوشت طیار کراتا ہون، ایک بکری ذبح کی، آدھے کا سالن، آدھے کے کباب تیار کرائے، کھانا سامنے لاکر رکھا تو آنحضرت نے ایک روٹی پر تھوڑا سا گوشت رکھکر فرمایا کہ فاطمہؓ کو بھجوا دو، کئی دن سے اُسکو کھانا نصیب نہین ہوا ہے، پھر خود صحابہ کے ساتھ مل کر کھانا نوش فرمایا، متعدد قسم کے کھانے دیکھکر آنکھون مین آنسو بھر آئے، اور فرمایا کہ خدا نے جو کہا ہے کہ قیامت مین نعیم سے سوال ہوگا وہ یہی چیزین ہین[۱]،

اکثر ایسا ہوتا کہ آنحضرت صلعم صبح کو ازواج مطہرات کے پاس تشریف لاتے اور پوچھتے کہ آج کچھ کھانے کو ہے، عرض کرتین نہین، آپ فرماتے کہ اچھا مین نے روزہ رکھ لیا[۲]،

عفو و حلم | ارباب سیر نے تصریح کی ہے اور تمام واقعات شاہد ہین کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی سے انتقام نہین لیا، صحیحین مین حضرت عایشہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ مین انتقام نہین لیا، بجز اس صورت کے کہ اس نے احکام الٰہی کی تفضیح کی ہو[۳]،

(جنگ اُحد کی شکست سے زیادہ روساے طائف کے تحقیر آمیز برتاؤ کی یاد خاطر اقدس پر گران تھی[۴]، تاہم دس برس کے بعد غزوہ طائف مین جب وہ ایک طرف منجنیق سے مسلمانون پر پتھر برسا رہے تھے، تو دوسری طرف ایک سراپاے حلم و عفو انسان (خود آنحضرت صلعم) یہ دعا مانگ رہا تھا، کہ خدایا! اُنھین سمجھ عطا کر اور اُن کو آستانۂ اسلام پر جھکا، چنانچہ ایسا ہی ہوا[۵]، سنہ ۹ھ مین جب اُن کے وفد نے مدینہ کا رخ کیا تو آپ نے صحن مسجد مین انکو مہمان اُتارا اور عزت و حرمت کیساتھ اُنسے پیش آئے[۶]،

---

[۱] ترغیب و ترہیب جلد ۲ صفحہ ۵۰، (یہ واقعہ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ مین بھی جزئی اختلافات کے ساتھ موجود ہے) [۲] مسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۹ [۳] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۰۴ [۴] کتاب الادب [۵] صحیح بخاری بدء الخلق [۶] ابو داؤد ذکر طائف و مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۲۱۸،

قریش نے آپ کو گالیان دین، مارنے کی دھمکی دی، راستون مین کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستین ڈالین، گلے مین پھندا ڈال کر کھینچا، آپ کی شان مین گستاخیان کین، نعوذ باللہ کبھی جادوگر کبھی پاگل، کبھی شاعر کہا، لیکن آپ نے کبھی انکی باتون پر برہمی ظاہر نہین فرمائی، غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع مین جھٹلایا جاتا ہی تو وہ غصہ سے کانپ اُٹھتا ہی ایک صاحب جنھون نے آنحضرت صلعم کو ذی المجاز کے بازار مین اسلام کی دعوت دیتے ہوے دیکھا تھا، بیان کرتے ہین کہ حضور فرما رہے تھے "لوگو لا الہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے"، پیچھے پیچھے ابو جہل تھا، وہ آپ پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا، لوگو! اس شخص کی باتین تمکو اپنے مذہب سے برگشتہ نکردین، یہ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤن لات و عزیٰ کو چھوڑ دو" راوی کہتا ہے کہ آپ اس حالت مین اس کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے۔ (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۶۳)

سب سے بڑھکر طیش اور غضب کا موقع **افک** کا واقعہ تھا، جب کہ منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہ کو نعوذ باللہ تہمت لگائی تھی، حضرت عائشہ صدیقہ آپ کی محبوب ترین ازواج اور حضرت ابو بکر جیسے یار غار اور افضل الصحابہ کی صاحبزادی تھین، شہر منافقون سے بھرا پڑا تھا، جنھون نے دم بھر مین اس خبر کو اسطرح پھیلا دیا کہ سارا مدینہ گونج اُٹھا، دشمنون کی شماتت، ناموس کی بدنامی، محبوب کی تفضیح، یہ باتین انسانی صبر و تحمل کے پیمانہ مین نہین سما سکتین، تاہم رحمتِ عالم نے ان سب باتون کے ساتھ کیا کیا؟ تہمت کا تمامتر بانی، رئیس المنافقین **عبداللہ بن ابی** تھا، اور آپ کو اس کا بخوبی علم تھا، با این ہمہ آپ نے صرف اس قدر کیا کہ مجمع عام مین منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا، مسلمانو! جو شخص میرے ناموس کے متعلق مجکو ستاتا ہے اس سے میری داد کون لے سکتا ہی؟ حضرت سعد بن معاذ غصہ سے بیتاب ہوگئے اور اُٹھکر کہا مین اس خدمت کے لیے حاضر ہون، آپ نام بتائین، تو اُس کا سر اڑا دون، سعد بن عبادہ نے جو عبداللہ بن ابی کے حلیف تھے، مخالفت کی اور اسپر دونون طرف کے حمایتی کھڑے ہوگئے، قریب تھا کہ تلوارین کھچ جائین، آپ نے دونون کو ٹھنڈا کیا، واقعہ کی تکذیب خود خدا نے کردی اور تہمت لگانے والون کو شرعی سزا دی گئی، تاہم عبداللہ بن ابی اس بنا پر چھوڑ دیا گیا کہ اُس کو تہمت لگانے کا اقرار نہ تھا اور ثبوت کے لیے شرعی شہادت موجود نہ تھی، تہمت لگانے والو مین جنکو سزا دیگئی، ایک صاحب مسطح بن اثاثہ تھے، اُن کی معاش کے کفیل حضرت ابو بکرؓ تھے، تہمت کے جرم مین

حضرت ابوبکرؓ نے ان کا روزینہ بند کردیا، اس پر یہ آیت اُتری،

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (نور)

تم مین سے جو لوگ صاحب فضیلت اور ذی مقدور ہین انکو یہ قسم نہین کھانا چاہئے، کہ قرابت دارون مسکینون اور مجاہدون سے سلوک نکرینگے، تمکو عفو اور درگذر سے کام لینا چاہیے، کیا تم یہ نہین چاہتے کہ خدا تم کو بخشدے۔ خدا غفور رحیم ہے،

حضرت ابوبکرؓ نے اُن کا روزینہ بدستور جاری کردیا،

تہمت لگانے والون مین (جیسا کہ صحیح ترمذی کتاب التفسیر سورۂ نور مین تصریح ہی) حضرت حسان بھی تھے، حضرت عایشہ کو ان سے جو رنج جو تھا وہ عفو کی حد سے متجاوز تھا، لیکن یہ آنحضرت صلعم کے فیض صحبت کا اثر تھا کہ جب عروۃ بن زبیر نے حضرت عایشہؓ کے سامنے حضرت حسّان کو بُرا کہنا شروع کیا تو حضرت عایشہ نے روک دیا، کہ یہ (حسان) آنحضرت صلعم کی طرف سے کفار کو جواب دیتے تھے[1]،

مدینہ کے منافق یہودیون مین سے لبید بن اعصم نے آپ پر سحر کیا، تاہم آپنے کچھ تعرض نفرمایا (حضرت عائشہ نے مزید تحقیق کی تحریک کی تو فرمایا، مین لوگون مین شورش نہین پیدا کرانا چاہتا[2]،)

زید بن سعنہ جس زمانہ مین یہودی تھے، لین دین کا کاروبار کرتے تھے، آنحضرت صلعم نے اُن سے کچھ قرض لیا، میعادِ ادا مین ابھی کچھ دن باقی تھے تقاضے کو آئے، آنحضرت صلعم کی چادر پکڑ کر کھینچی اور سخت سُست کہکر کہا "عبدالمطلب کے خاندان والو! تم ہمیشہ یون ہی حیلے حوالے کیا کرتے ہو" حضرت عمر غصہ سے بیتاب ہو گئے، اُسکی طرف مخاطب ہوکر کہا، "او دشمنِ خدا! تو رسول اللہ کی شان مین گستاخی کرتا ہے"، آنحضرت صلعم نے مسکرا کر فرمایا، "عمر! مجکو تمسے اور کچھ امید تھی، اُسکو سمجھانا چاہیے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے، اور مجھسے کہنا چاہیے تھا کہ مین اس کا قرضہ ادا کردون" یہ فرما کر حضرت عمر کو ارشاد فرمایا کہ قرضہ ادا کرکے بیس[2] صاع کھجور کے اور زیادہ دیدو[3]،

---

[1] صحیح بخاری قصۂ افک، [2] صحیح بخاری صفحہ ۹۰۴، [3] یہ روایت بیہقی ابن حبان۔ طبرانی اور ابونعیم نے روایت کی ہی اور سیوطی نے کہا ہی کہ اُسکی سند صحیح ہے (شرح شفا از شہاب خفاجی)

(ایک دفعہ آپکے پاس صرف ایک جوڑا کپڑا رہ گیا تھا، اور وہ بھی موٹا اور گندہ تھا، پسینہ آتا تو اور بھی بوجھل ہوجاتا اتفاق سے ایک یہودی کے یہان شام سے کپڑے آئے، حضرت عایشہ نے عرض کی کہ ایک جوڑا اُس سے قرض منگوا لیجیے آنحضرت صلعم نے یہودی کے پاس آدمی بھیجا، اُس گستاخ نے کہا "مین سمجھا مطلب یہ ہی کہ میرا مال یون ہی اڑا لین، اور دام نہ دین"، آنحضرت صلعم نے یہ ناگوار جملے سنکر صرف اسقدر فرمایا "وہ خوب جانتا ہی کہ مین سب سے زیادہ محتاط اور سب سے زیادہ امانت کا ادا کرنے والا ہون[1]")

ایک دفعہ کھیت پر تشریف لے جارہے تھے، ایک عورت قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی، آپ رُک گئے، اور اُس سے مخاطب ہوکر فرمایا "صبر کرو"، وہ آپ کو پہچانتی نہ تھی (گستاخی کے ساتھ) بولی، ہٹو تم کیا جان سکتے ہو کہ مجھ پر کیا کیفیت ہے، آپ چلے آئے، لوگون نے عورت سے کہا تو نے نہین پہچانا، وہ رسول اللہ تھے، دوڑی ہوئی آئی اور کہا مین حضور کو پہچانتی نہ تھی، ارشاد فرمایا "صبر وہی معتبر ہے جو عین مصیبت کے وقت کیا جائے[2]"

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہوئے، آپ عیادت کو سواری پر تشریف لے گئے، راہ مین ایک جلسہ تھا، آپ ٹھہر گئے، عبد اللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا، وہ بھی جلسہ مین موجود تھا، آپ کی سواری کی گرد اُڑی تو اُسنے چادر ناک پر رکھ لی اور آنحضرت صلعم سے کہا دیکھو گرد نہ اُڑاو (جب آنحضرت صلعم قریب پہونچے تو اُسنے کہا محمدؐ! اپنا گدھا ہٹاو، تمہارے گدھے کی بدبو نے میرا دماغ پریشان کردیا، آنحضرت صلعم نے سلام کیا، پھر سواری سے اُترے اور اسلام کی دعوت دی، عبد اللہ بن ابی نے کہا، ہمارے گھر آکر ہمکو نہ ستاو، جو شخص خود تمہارے پاس جائے اُس کو تعلیم دو"، عبد اللہ بن رواحہ جو مشہور شاعر تھے، اُنھون نے کہا آپ ضرور تشریف لائین"، بات بڑھتے بڑھتے یہان تک پہنچی کہ قریب تھا کہ تلوارین نکل آئین، آنحضرت صلعم نے دونون فریق کو سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا، جلسہ سے اُٹھکر آپ سعد بن عبادہ کے پاس آئے، اور اُن سے کہا کہ تم نے عبد اللہ کی باتین سنین، سعد بن عبادہ نے عرض کی کہ آپ کچھ خیال نہ فرمائین، یہ وہ شخص ہے کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے اہل مدینہ نے اس کے لیے ریاست کا تاج تیار کرلیا تھا[3]۔

[1] جامع ترمذی کتاب البیوع۔ [2] بخاری باب الجنائز [3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶ ۸ ۸ ۔

غزوۂ حنین مین آپ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایک انصاری نے کہا یہ تقسیم خدا کی رضامندی کے لیے نہین ہی، آپ نے سنا تو فرمایا، خدا موسیٰؑ پر رحم کرے، اُن کو لوگون نے اِس سے بھی زیادہ ستایا تھا[۱]

ایک دفعہ ایک بدو خدمتِ اقدس مین آیا، آپ مسجد مین تشریف رکھتے تھے، اس کو پیشاب کی حاجت معلوم ہوئی آداب مسجد سے واقف نہ تھا وہین کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے کہ اُس کو سزا دین، آپ نے فرمایا کہ جانے دو، اور پانی کا ایک ڈول لا کر بہا دو، خدا نے تم لوگون کو دشواری کے لیے نہین، بلکہ آسانی کے لیے بھیجا ہے[۲]،

حضرت انسؓ جو خادم خاص تھے اُن کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے مجکو کسی کام کے لیے بھیجنا چاہا، مین نے کہا نہ جاؤن گا، آپ چپ رہ گئے، مین یہ کہکر باہر چلا گیا، دفعتہً آنحضرت صلعم نے پیچھے سے آکر میری گردن پکڑ لی، مین نے مُڑ کر دیکھا تو آپ ہنس رہے ہین، پھر پیار سے فرمایا، انیس! جس کام کے لیے کہا تھا اب تو جاؤ، مین نے عرض کی اچھا جاتا ہون، حضرت انسؓ نے اسی واقعہ کے ساتھ بیان کیا کہ مین نے سات برس آپ کی ملازمت کی کبھی یہ نہ فرمایا کہ تمنے یہ کام کیون کیا، یا یہ کیون نہین کیا[۳]،

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہین کہ آپ کی عادت تھی کہ ہم لوگون کے ساتھ مسجد مین بیٹھ جاتے اور باتین کرتے، جب اُٹھکر گھر مین جاتے تو ہم لوگ بھی چلے جاتے، ایک دن حسب معمول مسجد سے نکلے، ایک بدّو آیا، اور اُس نے آپ کی چادر اس زور سے پکڑ کر کھینچی کہ آپ کی گردن سُرخ ہو گئی، آپ نے مُڑ کر اسکی طرف دیکھا، بولا کہ میرے اونٹون کو غلہ سے لاد دے، تیرے پاس جو مال ہے وہ نہ تیرا ہے، نہ تیرے باپ کا ہے، آپ نے فرمایا پہلے میری گردن کا بدلہ دو، تب غلہ دیا جائے گا، وہ بار بار کہتا تھا، خدا کی قسم مین ہرگز بدلہ نہ دون گا، آپ نے اُس کے اونٹون پر جَو اور کھجورین لدوا دین[۴] اور کچھ تعرض نہ فرمایا،

(قریش (نعوذ باللہ) آنحضرت صلعم کو گالیان دیتے تھے، بُرا بھلا کہتے تھے، ضد سے آپ کو محمدؐ (تعریف کیا گیا)

---

[۱] صحیح بخاری صفحہ ۶۲۱ غزوۂ حنین۔ [۲] صحیح بخاری صفحہ ۳۵، [۳] صحیح مسلم و ابوداؤد۔ کتاب الادب، [۴] ابوداؤد کتاب الادب۔ (یہی واقعہ حضرت انس سے بخاری و مسلم مین بھی مروی ہی۔ تغیر یسیر)

نہین کہتے تھے، بلکہ مذمم (مذمت کیا گیا) کہتے تھے، لیکن آپ اس کے جواب مین اپنے دوستون کو خطاب کرکے صرف اسی قدر فرمایا کرتے کہ تمہین تعجب نہین آتا کہ اللہ تعالی قریش کی گالیون کو مجھ سے کیونکر پھیرتا ہی، وہ مذمّم کو گالیان دیتے اور مذمّم پر لعنت بھیجتے ہین، اور مین محمدؐ ہون[1]،

جس زمانہ مین آپ **فتح مکہ** کے لیے تیاریان کررہے تھے اس بات کی خاص احتیاط فرمارہے تھے کہ قریش کو ہمارے ارادون کی خبر نہو، حاطب بن بلتعہ ایک صحابی تھے اُنھون نے چاہا کہ قریش کو اسکی اطلاع کردین، چنانچہ ایک خط لکھکر اُنھون نے چپکے سے ایک عورت کی معرفت مکہ روانہ کیا، آپ کو اسکی خبر ہوگئی، حضرت علی اور حضرت زبیر اسیوقت بھیجے گئے، جو قاصدہ کو مع خط کے گرفتار کرلائے، حاطب کو بلاکر دریافت کیا تو انھون نے صاف صاف اپنے قصور کا اعتراف کیا، اور معذرت چاہی، یہ وہ موقع تھا کہ ہر سیاست دان، مجرم کی سزا کا فتویٰ دیتا، لیکن آنحضرت صلعم نے اس لیے ان کو معاف فرمایا کہ وہ شرکائے **بدر** مین تھے، عورت جو اس جرم مین شریک تھی اُس سے بھی کسی قسم کا تعرض نہین[2] فرمایا، حالانکہ یہ خط اگر دشمنون تک پہنچ جاتا تو مسلمانون کو سخت خطرات کا سامنا ہوجاتا،

فرات بن حیان ایک شخص تھا، ابوسفیان کی طرف سے مسلمانون کی جاسوسی پر مامور تھا، اور آنحضرت صلعم کی ہجو مین اشعار کہا کرتا تھا، ایک دفعہ وہ پکڑا گیا تو آنحضرت صلعم نے اُس کے قتل کا حکم دیا، لوگ انکو پکڑ کر لے چلے، جب انصار کے ایک محلہ مین پہنچا تو بولا کہ مین مسلمان ہون، ایک انصاری نے آکر اطلاع دی کہ وہ کہتا ہی کہ مین مسلمان ہون، آپ نے فرمایا کہ تم مین کچھ لوگ ایسے ہین جن کے ایمان کا حال ہم انھین پر چھوڑتے ہین ان مین سے ایک فرات بن حیان[3] ہے، مورخین نے لکھا ہی کہ وہ بعد کو صدق دل سے مسلمان ہوگئے اور آنحضرت صلعم نے انکو یمامہ مین ایک زمین عنایت فرمائی جس کی آمدنی ٢٠٠٠[4] ہ تھی[5]،

دشمنون سے عفو و درگذر اور حسن سلوک

(انسان کے ذخیرۂ اخلاق مین سب سے زیادہ کمیاب اور نادرالوجود چیز دشمنون پر ترحم اور اُن سے

[1] مشکوۃ باب اسمار النبی صلعم، [2] صحیح بخاری فتح مکہ، [3] ابوداؤد کتاب الجہاد باب الجاسوس الذمی، یہ حدیث سفیان ثوری کے واسطہ سے دو طریقون سے مروی ہے ایک مین ابوہمام الدلال ہے اور یہی ابوداؤد کا طریق ہے، یہ طریق ضعیف ہے، دوسرا طریق بشر بن سری البصری کے ذریعہ سے ہی جو صحیح ہے، امام احمد نے بھی مسند مین یہ روایت نقل کی ہی، [4] اصابہ ترجمہ فرات مذکور،

عفو و درگذر ہے، لیکن حاملِ وحی و نبوت کی ذات اقدس مین یہ جنس فراوان تھی، دشمن سے انتقام لینا انسان کا قانونی فرض ہے، لیکن اخلاق کے دائرۂ شریعت مین آکر یہ فرضیت بدل کر مکروہِ تحریمی بنجاتی ہے، تمام روایتین اس بات پر متفق ہین کہ آپ نے کبھی کسی سے انتقام نہین لیا،

دشمنون سے انتقام کا سب سے بڑا موقع فتح حرم کا دن تھا جبکہ وہ کینہ خواہ سامنے آئے جو آنحضرت صلعم کے خون کے پیاسے تھے، اور جن کے دست ستم سے آپ نے طرح طرح کی اذیتین اٹھائی تھین لیکن اُن سب کو یہ کہکر چھوڑ دیا کہ

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء، تم پر کوئی ملامت نہین جاؤ تم سب آزاد ہو،

وحشی جو اسلام کے قوت بازو، اور آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کے عزیز ترین چچا حضرت حمزہ کا قاتل تھا، مکہ مین رہتا تھا، جب مکہ مین اسلام کی قوت نے ظہور کیا، وہ بھاگ کر طائف آیا طائف نے بھی آخر سر اطاعت خم کیا، اور وحشی کے لیے یہ بھی مامن نہ رہا لیکن اُسنے سنا کہ آنحضرت صلعم سفراء سے کبھی سختی کے ساتھ پیش نہین آتے، ناچار خود رحمتِ عالم کے دامن مین پناہ لی، اور اسلام قبول کیا، آنحضرت صلعم نے صرف اس قدر فرمایا کہ میرے سامنے نہ آیا کرنا کہ تم کو دیکھکر مجھے چچا کی یاد آتی ہے[۱]،

ہندہ **ابوسفیان** کی بیوی جس نے حضرت حمزہ کا سینہ چاک کیا اور دل و جگر کے ٹکڑے کیے، فتح مکہ کے دن نقاب پوش آئی کہ آنحضرت صلعم پہچان نہ سکین، اور بیخبری مین بیعت اسلام کر کے سند امان حاصل کرلے، پھر اس موقع پر بھی گستاخی سے باز نہ آئی، آنحضرت صلعم نے ہندہ کو پہچان لیا، لیکن اس واقعہ کا ذکر تک نہ فرمایا **ہندہ** اس کرشمۂ اعجاز سے متاثر ہو کر بے اختیار بول اٹھی "یا رسول اللہ! آپ کے خیمہ سے مبغوض تر خیمہ کوئی میری نگاہ مین نہ تھا، لیکن آج آپکے خیمہ سے کوئی زیادہ محبوب خیمہ میری نگاہ مین دوسرا نہین[۲]"

عکرمہ، دشمن اسلام ابوجہل کے فرزند تھے اور اسلام سے پہلے باپ کی طرح آنحضرت صلعم کے سخت ترین دشمن تھے فتح مکہ کے وقت مکہ سے بھاگ کر یمن چلے گئے، انکی بیوی مسلمان ہو چکی تھین، وہ یمن گئین اور عکرمہ کو تسکین دی

---

[۱] صحیح بخاری قتل حمزہ [۲] صحیح بخاری ذکر ہندہ۔

اور انکو مسلمان کیا اور خدمت اقدس مین لیکر حاضر ہوئین آنحضرت صلعم نے جب انکو دیکھا تو فرط مسرت سے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے ان کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک[1] نہ تھی، اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے،

مرحبا بالراکب المهاجر[2]، اے ہجرت کرنے والے سوار تمہارا آنا مبارک ہو،

(صفوان بن امیہ قریش کے روسائے کفر مین سے اور اسلام کے شدید ترین دشمن تھے، انھین نے عمیر بن وہب کو انعام کے وعدہ پر آنحضرت صلعم کے قتل پر مامور کیا تھا، جب مکہ فتح ہوا تو اسلام کے ڈر سے جدہ بھاگ گئے اور قصد کیا کہ سمندر کے راستہ سے یمن چلے جائین، عمیر بن وہب نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ! صفوان بن امیہ جو اپنے قبیلہ کے رئیس ہین وہ ڈر سے بھاگ گئے ہین کہ اپنے کو سمندر مین ڈال دین، ارشاد ہوا کہ "اسکو امان ہے" مکرر عرض کی یا رسول اللہ! امان کی کوئی نشانی مرحمت فرمایئے جسکو دیکھکر انکو میرا اعتبار آئے، آپ نے اپنا عمامۂ مبارک انکو عنایت فرمایا، جسکو وہ لیکر صفوان کے پاس پہنچے، صفوان نے کہا مجھے وہان جانے مین اپنی جان کا ڈر ہے، عمیر نے جواب دیا "صفوان! ابھی تمھین محمد کے حلم وعفو کا حال معلوم نہین" یہ سنکر وہ عمیر کے ساتھ دربار نبوی مین حاضر ہوئے اور سب سے پہلا سوال یہ کیا، عمیر کہتے ہین کہ تم نے مجھے امان دیا ہے، فرمایا سچ ہے، صفوان نے کہا تو مجھے دو مہینے کی مہلت دو، ارشاد ہوا کہ دو نہین تمکو چار مہینے کی مہلت دی جاتی ہے،

اس کے بعد وہ اپنی خوشی سے مسلمان ہوگئے، یہ واقعہ بہ تفصیل ابن ہشام مین مذکور ہے،

ہبار بن الاسود وہ شخص تھا جو ایک حیثیت سے آنحضرت صلعم کی صاحبزادی زینب رض کا قاتل تھا، حضرت زینب رض حاملہ تھین اور مکہ سے مدینہ ہجرت کر رہی تھین، کفار نے مزاحمت کی ہبار بن الاسود نے جان بوجھکر انکو اونٹ سے گرا دیا، جس سے حمل ساقط ہوگیا اور چند مہینون کی علالت کے بعد انھون نے اسی مرض مین انتقال کیا، اسی بنا پر فتح مکہ کے وقت ہبار اشتہاریان قتل مین داخل تھا، چاہا کہ بھاگ کر **ایران** چلا جائے کہ داعی ہدایت نے خود آستانۂ نبوت کی طرف جھکا دیا، آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر عرض کی کہ "یا رسول اللہ! مین بھاگ کر **ایران** چلا جانا چاہتا تھا،

[1] موطاے امام مالک کتاب النکاح [2] مشکوۃ کتاب الادب بحوالہ ترمذی،

لیکن پھر مجھے حضور کے احسانات اور حلم وعفو یاد آئے، میری نسبت آپکو جو خبرین پہنچی تھین، وہ صحیح تھین، مجھے اپنی جہالت اور قصور کا اعتراف ہے، اب اسلام سے مشرف ہونے آیا ہون، دفعۃً باب رحمت وا تھا، اور دوست و دشمن کی تمیز یکسر مفقود تھی[1]

ابوسفیان اسلام سے پہلے جیسے کچھ تھے، غزوات نبوی کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، بدر سے لیکر فتح مکہ تک جتنی لڑائیان اسلام کو لڑنی پڑین ان مین سے اکثر مین ان کا ہاتھ تھا، لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے، اور حضرت عباس انکو لیکر خدمت اقدس مین حاضر ہوئے توآپ اُنکے ساتھ محبت سے پیش آئے، حضرت عمر نے گذشتہ جرایم کی باداش مین اُن کے قتل کا ارادہ کیا، لیکن آپ نے منع فرمایا، اور نہ صرف یہ بلکہ اُن کے گھر کو امن وامان کا حرم بنادیا، فرمایا کہ "جو ابوسفیان کے گھر مین داخل ہوجائے گا، اُس کا قصور معاف ہوگا"[2]، کیا دنیا کے کسی فاتح نے اپنے دشمن کے ساتھ یہ برتاؤ کیا ہے؟

عرب کا ایک ایک قبیلہ اطاعت کیشانہ اسلام کے پرچم کے نیچے جمع ہورہا تھا، اگر کسی قبیلہ نے آخر تک سرتابی کی تو وہ بنوحنیفہ کا قبیلہ تھا، جس مین مسیلمہ نے ادعاے نبوت کیا تھا، ثمامہ بن آثال اُس قبیلہ کے روسا مین تھا، اتفاق سے وہ مسلمانون کے ہاتھ لگ گیا، گرفتار کر کے مدینہ لے آئے، آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ اس کو مسجد کے ستون مین باندھ دیا جائے اس کے بعد آپ مسجد مین تشریف لاے اور اس سے دریافت کیا کہ کیا کہتے ہو، اسنے کہا "اے محمد! اگر تم مجھے قتل کردگے تو ایک خونی کو کروگے، اور اگر احسان کروگے تو ایک شکرگذار پر احسان ہوگا اور اگر زر فدیہ چاہتے ہو، تو تم مانگو، مین دونگا" یہ جواب سنکر آپ خاموش رہے، دوسرے دن بھی یہی تقریر ہوئی، تیسرے روز بھی جب اسنے یہی جواب دیا توآپ نے حکم دیا کہ ثمامہ کی رسی کھول دو، اور آزاد کردو، ثمامہ پر اس خلاف توقع لطف وعنایت کا یہ اثر ہوا کہ قریب ایک درخت کی آڑ مین جاکر غسل کیا اور پھر مسجد مین واپس آکر کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا، اور عرض کی "یارسول اللہ! دنیا مین کوئی شخص میری نظر مین آپ سے زیادہ مبغوض نہ تھا، اور اب آپ سے زیادہ دنیا مین مجھے کوئی محبوب نہین، کوئی مذہب آپ کے

---

[1] ابن اسحاق واصابہ ذکر ہبار [2] صحیح بخاری وصحیح مسلم فتح مکہ مع فتح الباری۔

مذہب سے زیادہ میری آنکھون مین بُرا نہ تھا، اور اب وہی سب سے زیادہ پیارا ہے، کوئی شہر آپ کے شہر سے زیادہ ناپسند نہ تھا، اور اب وہی پسندیدہ ہے،

قریش کی ستمگری وجفاکاری کی داستان دہرانے کی ضرورت نہین، یاد ہوگا کہ شعب ابی طالب مین تین برس تک ان ظالمون نے آپ کو اور آپ کے خاندان کو اسطرح محصور کر رکھا تھا کہ غلہ کا ایک دانہ اندر پہنچ نہین سکتا تھا، بچے بھوک سے روتے تھے اور تڑپتے تھے، اور یہ بے درد ان کی آوازین سنکر ہنستے اور خوش ہوتے تھے، لیکن معلوم ہی کہ رحمتِ عالم نے اس کے معاوضہ مین قریش کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ مکہ مین غلہ یمامہ سے آتا تھا، یمامہ کے رئیس یہی ثمامہ بن آثال تھے، مسلمان ہو کر جب یہ مکہ گئے تو قریش نے تبدیل مذہب پر انکو طعنہ دیا، انھون نے غصہ سے کہا کہ خدا کی قسم اب رسول اللہ صلعم کی اجازت کے بغیر گیہون کا ایک دانہ نہین ملے گا، اس بندش سے مکہ مین اناج کا کال پڑ گیا، آخر گھبرا کر قریش نے اُس آستانہ کی طرف رجوع کیا جس سے کوئی سائل کبھی محروم نہین گیا، حضور کو رحم آیا اور کہلا بھیجا کہ بندش اٹھالو، چنانچہ پھر حسب دستور غلہ جانے لگا[۱]،

کفار اور مشرکین کے ساتھ برتاؤ

کفار کے ساتھ آپ کے حسن خلق کے بہت سے واقعات مذکور ہین، لیکن مورخینِ یورپ مدعی ہین کہ یہ اسوقت تک کے واقعات ہین جب تک اسلام ضعیف تھا اور مجاملت اور لطف وآشتی کے سوا، چارہ نہ تھا، اس لیے ہم اس عنوان کے نیچے صرف وہ واقعات نقل کرین گے جو اس زمانہ کے ہین جبکہ مخالفین کی قوتین پامال ہوچکی تھین اور آنحضرت صلعم کو پورا اقتدار حاصل ہوچکا تھا،

(ابو بصرہ غفاری کا بیان ہی کہ وہ جب کافر تھے مدینہ مین آنحضرت صلعم کے پاس آکر مہمان رہے، رات کو گھر کی تمام بکریون کا دودھ پی گئے، لیکن آپ نے کچھ نہ فرمایا، رات بھر تمام اہلبیت نبوی بھوکا رہا[۲]،

اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہین، شب کو ایک کافر آنحضرت صلعم کا مہمان ہوا آپ نے

---

[۱] ثمامہ کا پورا واقعہ صحیح بخاری صفحہ ۶۲۷ وباب وفد بنی حنیفہ مین ہے، آخری ٹکڑا ابن ہشام مین مذکور ہے، [۲] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۹۷،

ایک بکری کا دودھ اس کے سامنے پیش کیا، وہ پی گیا، پھر دوسری بکری دوہی گئی، وہ دودھ بھی بے تامل پی گیا، پھر تیسری، پھر چوتھی، یہان تک کہ سات بکریان دوہی گئین اور وہ سب دودھ پیتا چلا گیا، آنحضرت صلعم نے کوئی تنغص ظاہر نہ فرمایا، شاید اسی حسن اخلاق کا اثر تھا کہ وہ صبح کو مسلمان تھا، اور صرف ایک بکری کے دودھ پر قانع ہو گیا،[۱]

حضرت اسماء بیان کرتی ہین کہ صلح حدیبیہ کے زمانہ مین ان کی مان جو مشرکہ تھین، اعانت خواہ، مدینہ حضرت اسماء کے پاس آئین، انکو خیال ہوا کہ اہل شرک کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائے، آنحضرت صلعم سے آکر دریافت کیا، آپ نے فرمایا اُن کے ساتھ نیکی کرو،[۲] حضرت ابوہریرہ کی مان کافرہ تھین، اور بیٹے کے ساتھ مدینہ مین رہتی تھین، جہالت سے آنحضرت صلعم کو گالیان دیتی تھین، ابوہریرہ نے خدمتِ اقدس مین عرض کی آپ نے بجائے غیظ و غضب دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے،[۳])

آنحضرت صلعم کے گھر کا تمام کاروبار حضرت بلال کے سپرد تھا، روپیہ پیسہ جو کچھ آتا تھا اُن کے پاس رہتا، ناداری کی حالت مین وہ بازار سے سودا سلف قرض لاتے اور جب کہین سے کوئی رقم آجاتی تو اُس سے ادا کر دیا کرتے، ایک دفعہ بازار جا رہے تھے، ایک مشرک نے دیکھا، ان سے کہا تم قرض لیتے ہو تو مجھ سے لیا کرو، اُنھون نے قبول کیا، ایکدن اذان دینے کے لیے کھڑے ہوئے تو وہ مشرک چند سوداگرون کے ساتھ آیا اور ان سے کہا کہ او حبشی! انھون نے اس بدتہذیبی کے جواب مین لبیک کہا، بولا کچھ خبر ہے؟ وعدے کے صرف چار دن رہ گئے ہین، تم نے اس مدت مین قرضہ ادا نہ کیا تو تم سے بکریان چرواکے چھوڑون گا" یہ عشاء پڑھکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے، اور سارا حال بیان کرکے کہا کہ خزانہ مین کچھ نہین ہے کل وہ مشرک آکر مجھکو فضیحت کریگا، اس لیے مجھکو اجازت ہو کہ مین کہین نکل جاؤن پھر جب قرضہ ادا کرنے کا سامان ہو جائے گا تو واپس آجاؤن گا، غرض رات کو جاکر سو رہے اور سامانِ سفر یعنی تھیلا جوتی ڈھال سر کے نیچے رکھ لی، صبح کو اُٹھکر سفر کا سامان کر رہے تھے کہ ایک شخص دوڑتا ہوا آیا، اور کہا آنحضرت صلعم نے یاد فرمایا ہے، یہ گئے تو دیکھا کہ چار اونٹ غلہ سے لدے ہوئے دروازہ پر کھڑے ہین، آنحضرت صلعم نے فرمایا، مبارک ہو، یہ اونٹ رئیسِ فدک نے بھیجے ہین، انھون نے بازار مین جاکر سب چیزین فروخت کین اور مشرک کا قرضہ ادا کرکے مسجد نبوی

---

[۱] جامع ترمذی باب ان المومن یاکل فی معاء واحد۔ [۲] صحیح بخاری باب صلۃ الوالد المشرک، [۳] صحیح بخاری،

مین آئے اور آنحضرت صلعم سے عرض کی کہ سارا قرضہ ادا ہوگیا[1]،

یہ واقعہ فدک کی فتح کے بعد کا ہی، جو ہجرت کا ساتوان سال ہے، حضرت بلال آنحضرت صلعم کے مقرب خاص اور گھر کے منتظم تھے، ایک مشرک اُن کو حبشی کہکر پکارتا ہے اور کہتا ہے کہ "تجھ سے بکریان چروا کے چھوڑون گا"، حضرت بلال اسکی تنگ گیری کے ڈر سے بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہین، آنحضرت صلعم یہ تمام سنتے ہین لیکن مشرک کی نسبت ایک لفظ نہین فرماتے، نہ بلال کی حمایت اور دلدہی کی تدبیر کرتے، اتفاق سے غلہ آجاتا ہے اور مشرک کا قرض ادا کیا جاتا ہے اور اس کی بدزبانی اور سخت گیری سے درگذر کی جاتی ہے۔ یہ حلم، یہ عفو، یہ تحمل رحمتِ عالم کے سوا اور کس سے ہو سکتا ہے،

سب سے مشکل معاملہ **منافقین** کا تھا، یہ کفار کا ایک گروہ تھا جسکا رئیس عبداللہ بن ابی تھا، آنحضرت صلعم جس زمانہ مین مدینہ تشریف لائے۔ اس سے کچھ پہلے تمام شہر نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ وہ مدینہ کا فرمان روا بنا دیا جائے، جنگ بدر کے بعد اُس نے اسلام کا اعلان کیا، لیکن دل سے کافر تھا، اس کے پیرو بھی اسی قسم کا منافقانہ اسلام لائے اور منافقین کی ایک مستقل جماعت قایم ہوگئی، یہ لوگ درپردہ اسلام کے خلاف ہر قسم کی تدبیرین کرتے تھے، **قریش** اور دیگر مخالف قبائل سے سازش رکھتے، اونکو مسلمانون کے مخفی رازون کی خبر دیتے رہتے، با این ہمہ بظاہر اسلام کے مراسم ادا کرتے، جمعہ جماعت مین شریک ہوتے، اور لڑائیون مین ساتھ جاتے تھے، آنحضرت صلعم ان کے حالات، اور ایک ایک کے نام و نشان سے واقف تھے، لیکن چونکہ شریعت اور قانون کے احکام، دلون کے اسرار سے نہین، بلکہ ظاہری اعمال سے متعلق ہین اس لیے آپ اُن پر کفر کے احکام جاری نہین فرماتے تھے، یہان تک تو شریعت اور قانون کا معاملہ تھا، لیکن فیاض دلی اور عفو و حلم کے اقتضا سے آپ اُن سے ہمیشہ حسن اخلاق کا بھی برتاؤ کرتے تھے،

ایک دفعہ ایک غزوہ مین ایک مہاجر نے ایک انصاری کو تھپڑ مارا انصاری نے کہا "یا للانصار" یعنی انصار کی دُھائی، مہاجر نے بھی مہاجرین کی دھائی دی، قریب تھا کہ دونون مین تلوار چل جائے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

---

[1] ابوداؤد جلد دوم باب قبول ہدایا المشرکین،

فرمایا یہ کیا جاہلیت کی باتین ہین، دونون رُک گئے، عبداللہ بن اُبی نے سنا تو کہا "مدینہ چلکر ذلیل مسلمانون کو نکال دونگا"
ساتھیون سے کہا آسان بات یہ ہے کہ تم لوگ مہاجرین کی خبرگیری سے ہاتھ اُٹھالو، یہ خود تباہ ہوجائینگے، چنانچہ
قرآن مجید مین یہ واقعہ مذکور ہے،

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا، (منافقون)	یہی لوگ ہین جو کہتے ہین کہ پیغمبر کے ساتھیون پر خرچ نہ کرو تاکہ وہ منتشر ہوجائین،
يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ، (ایضاً)	کہتے ہین کہ جب ہم مدینہ کو واپس چلین گے تو معزز لوگ کمینون کو مدینہ سے نکال دین گے،

آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) نے عبداللہ بن ابی کو بلا بھیجا کہ تمنے یہ الفاظ کہے تھے؟ اُس نے صاف انکار
کیا، حضرت عمرؓ موجود تھے، بولے یا رسول اللہ اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دون، آپ نے فرمایا، لوگ
چرچا کرین گے کہ محمدؐ اپنے ساتھیون کو قتل کرتے ہین[1]۔

جنگ احد مین عبداللہ بن ابی عین لڑائی کے پیش آنے کے وقت تین سو آدمیون کے ساتھ واپس چلا آیا،
جس سے مسلمانون کی قوت کو سخت صدمہ پہنچا، تاہم آنحضرت صلعم نے درگذر فرمایا، (اور وہ جب مرا تو اس احسان کے
معاوضہ مین کہ حضرت عباسؓ کو اس نے اپنا کرتہ دیا تھا، مسلمانون کی ناراضی کے باوجود آپ نے اپنا قمیصِ مبارک
اس کو پہنا کر دفن کیا[2]۔)

یہود و نصاریٰ کیساتھ برتاؤ خلق عمیم مین کافر مسلم، دوست دشمن، عزیز و بیگانہ کی تمیز نہ تھی، ابر رحمت دشت و چمن پر یکسان
برستا تھا، (یہود کو آنحضرت صلعم سے جس شدت کی عداوت تھی، اُسکی شہادت غزوۂ خیبر تک کے ایک ایک واقعہ سے ملتی ہے
لیکن آپ کا طرزِ عمل مدت تک یہ رہا کہ جن امور کی نسبت مستقل حکم نازل نہوتا، آپ ان مین انھین کی تقلید فرماتے[3]،)
ایک دفعہ ایک یہودی نے برسر بازار کہا "قسم ہے اُس ذات کی جسنے موسےٰ کو تمام انبیاء پر فضیلت دی"، ایک

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ منافقون [2] بخاری مین یہ واقعہ متعدد روایتون اور متعدد طریقون سے منقول ہے [3] صحیح بخاری۔

صحابی یہ کھڑے سن رہے تھے، اُن سے رہا نہ گیا، انھون نے پوچھا، کیا محمد صلعم پر بھی؟ اُس نے کہا ہان، اُنھون نے غصہ مین ایک تھپڑ اُس کے ماردیا، آنحضرت صلعم کے عدل اور اخلاق پر دشمنون کو بھی اس درجہ اعتبار تھا کہ وہ یہودی سیدھا آپ کی خدمت مین حاضر ہوا، اور واقعہ عرض کیا، آپ نے ان صحابی پر برہمی ظاہر فرمائی،

(ایک یہودی کا لڑکا بیمار ہوا تو آپ اُس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اسکو اسلام کی دعوت دی، اُسنے اپنے باپ کی طرف دیکھا، گویا باپ کی رضامندی دریافت کی، اُس نے کہا کہ "آپ جو فرماتے ہین اس کو بجالاؤ"، چنانچہ اُس نے کلمہ پڑھا[1]۔،

ایک دفعہ سرراہ ایک یہودی کا جنازہ گذرا تو آپ کھڑے ہو گئے[2]،

ایک دفعہ چند یہودی آپ کی خدمت مین آئے، اور شرارت سے سلام علیکم کے بجائے، السام علیکم (تم پر موت) کہا حضرت عائشہ نے غصہ مین آکر ان کو بھی سخت جواب دیا، لیکن آپ نے روکا اور فرمایا، "عائشہ! بدزبان نہ نبو، نرمی کرو، اللہ تعالی ہر بات مین نرمی پسند کرتا ہے[3]"،

یہودیون کے ساتھ داد وستد کرتے تھے، اُنکے سخت وناجائز تقاضون اور درشت کلمات کو برداشت کرتے تھے یہودیون اور مسلمانون مین اگر معاملات مین اختلاف پیش آتا تو مسلمانون کی بلاوجہ جنبہ داری نہ فرماتے، چنانچہ اس قسم کی متعدد مثالین دوسرے عنوانات مین مذکور ہین، ایک دفعہ ایک یہودی نے آکر شکایت کی کہ محمدؐ! دیکھو ایک مسلمان نے مجھکو تھپڑ مارا ہے، آپ نے اُس مسلمان کو اُسی وقت بلوا کر زجر فرمایا،

نصاریٰ کا وفد، جب نجران سے مدینہ حاضر ہوا، تو آپ نے اُسکی مہمانداری کی، مسجد نبوی مین انکو جگہ دی، بلکہ ان کو اپنے طریق پر مسجد مین نماز پڑھنے کی بھی اجازت دیدی، اور جب عام مسلمانون نے اُن کو اس کام سے روکنا چاہا تو آپ نے منع فرمایا[4]،

یہود ونصاریٰ کے ساتھ کھانے پینے نکاح ومعاشرت کی اجازت دی، اوران کے لیے مخصوص امتیازی احکام

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز، [2] ایضاً، [3] صحیح مسلم کتاب الادب جلد ۲ صفحہ ۲۳۹ مصر، [4] زاد المعاد،

شریعت اسلامیہ مین جاری فرمائے،

غریبون کے ساتھ محبت وشفقت

(مسلمانون مین امیر بھی تھے اور غریب بھی، دولتمند بھی، اور فاقہ کش بھی، لیکن آنحضرت صلعم کا برتاؤ سب کے ساتھ یکسان تھا، بلکہ غریبون کے ساتھ آپ اس طرح پیش آتے تھے کہ دنیاوی دولت کی محرومی اُنکے دلون کو صدمہ نہین پہنچاتی تھی، ایک دفعہ تقاضاے بشریت سے آپ کا ایک فعل اس کے خلاف ہوا، تو بارگاہِ احدیت سے اسپر بازپرس ہوئی، مکہ کا واقعہ ہی کہ آنحضرت صلعم کے پاس چند اکابر قریش بیٹھے تھے اور آپ انکو اسلام کی دعوت دے رہے تھے، کہ اتفاق سے عبداللہ بن ام مکتوم جو آنکھون سے معذور اور غریب تھے، ادھر آنکلے، اور وہ بھی ان لوگون کے ساتھ بیٹھکر آپ سے باتین کرنے لگے، روسائے قریش چونکہ سخت متکبر اور فخار تھے، ان کو یہ برابری ناگوار گذری، آپ نے ابن ام مکتوم کی طرف توجہ نہین فرمائی اور اس امید پر اُنھین سے باتین کرتے رہے کہ شاید یہ اشقیاء اسلام کی سعادت کو قبول کرلین اور اُن کے دِل حق کی لذت سے آشنا ہون، لیکن خدا کو یہ امتیاز پسند نہ آیا اور یہ آیت اتری[1]،

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى وَمَا يُدْرِيْكَ	پیغمبر نے ترش روئی کی اور منھ پھیر لیا کہ اُس کے پاس اندھا
لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰىٓ، اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى	آیا اے پیغمبر! تجھے کیا خبر کہ تیری باتون سے وہ پاک ہوجاتا، یا
اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى وَمَا	نصیحت حاصل کرتا، تو نصیحت اسکو نفع پہنچاتی، لیکن جو بے پروائی
عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى، وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى	برتتا ہی اسکی طرف تو تو متوجہ ہوتا ہی اور تیرا کیا نقصان ہی اگر وہ پاک
وَهُوَ يَخْشٰى فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى، كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ،	وصاف نبنے لیکن جو تیرے پاس دوڑا آتا ہی اور وہ خدا سے ڈرتا بھی ہی تو تو اس
فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ، (عبس)	سے بے اعتنائی کرتا ہی، نہین ہرگز نہین یہ نصیحت عام ہی جو چاہے اسکو

یہی غربا اور مفلس اسلام کے سب سے پہلے جان نثار بنے تھے، آنحضرت صلعم ان کو لیکر حرم مین نماز پڑھنے جاتے تھے تو روساء قریش ان کی ظاہری بدحیثیتی کو دیکھکر استہزاءً کہتے تھے،

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا،	یہی وہ لوگ ہین جنپر خدا نے ہملوگون کو چھوڑکر احسان کیا ہی،

[1] ترمذی، تفسیر سورہ مذکور،

لیکن آپ اُن کے اِس استہزاء کو خوشی سے برداشت کرتے تھے،

حضرت سعد بن ابی وقاص کے مزاج مین کسی قدر تعلّی تھی اور وہ اپنے آپ کو غریبون سے بالاتر سمجھتے تھے، آپ نے اُن کی طرف خطاب کر کے فرمایا "تم کو جو نصرت اور روزی میسّر آتی ہی وہ انھین غریبون کی بدولت آتی ہی"[۱]

اسامہ بن زید سے فرمایا "مین نے درِ جنّت پر کھڑے ہو کر دیکھا کہ زیادہ تر غریب و مفلس ہی لوگ اس مین داخل ہین"[۲]

عبد اللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہین کہ ایک دفعہ مین مسجد نبوی مین بیٹھا تھا اور غریب مہاجر لوگ حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے، اسی اثنا مین آپ تشریف لے آئے، اور انھین کے ساتھ ملکر بیٹھ گئے، یہ دیکھکر مین بھی اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُن کے پاس جا کر بیٹھ گیا، آپ نے فرمایا فقرائے مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندون سے چالیس برس پہلے جنّت مین داخل ہون گے، عبد اللہ عمرو کہتے ہین کہ مین نے دیکھا کہ یہ سنکر اُن کے چہرے خوشی سے چمک اُٹھے اور مجھے حسرت ہوئی کہ کاش مین بھی انھین مین ہوتا[۳]،،

ایک دفعہ آپ ایک مجلس مین تشریف فرما تھے، اس اثنا مین ایک شخص سامنے سے گذرا، آپ نے اپنے پہلو کے ایک آدمی سے دریافت فرمایا کہ اسکی نسبت تمھاری کیا راے ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ یہ امراء کے طبقہ مین سے ایک صاحب ہین، خدا کی قسم یہ اس لایق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو کیا جائے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول کیجائے، یہ سنکر آپ خاموش ہو گئے، کچھ دیر کے بعد ایک اور صاحب اُسی راہ سے گذرے، آپ نے پھر اُس سے استفسار فرمایا کہ اس کی نسبت کیا کہتے ہو؟ عرض کی یا رسول اللہ یہ فقراے مہاجرین مین سے ہے اور اس لائق ہے کہ اگر رشتہ چاہے تو واپس کر دیا جائے، اور سفارش کرے تو رد کر دی جائے، اور اگر کچھ کہنا چاہے تو سنا نہ جائے،، ارشاد ہوا کہ تمام روئے زمین مین اگر اُس امیر جیسے آدمی ہون تو اُس سے یہ ایک غریب بہتر ہی[۴]

آنحضرت صلعم اکثر دعا مین فرمایا کرتے تھے "خداوندا! مجھے مسکین زندہ رکھ، مسکین اُٹھا، اور مسکینون ہی کے ساتھ میرا حشر کر، حضرت عائشہ نے دریافت کیا، یا رسول اللہ صلعم یہ کیون؟ فرمایا اس لیے کہ یہ دولت مندون سے پہلے جنّت

[۱] مشکوۃ باب فضل الفقراء بروایت صحیح مسلم، [۲] حوالہ مذکور بروایت بخاری و مسلم، [۳] حوالہ مذکور بروایت دارمی۔ [۴] حوالہ مذکور بروایت صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

مین جائین گے، پھر فرمایا اے عائشہ! کسی مسکین کو اپنے دروازہ سے نامراد نہ پھیرو، گو چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیون نہو،

اے عائشہ غریبون سے محبت رکھو، اور ان کو اپنے سے نزدیک کرو تو خدا بھی تم کو اپنے سے نزدیک کریگا[1]،،

ایک دفعہ چند غریب مسلمانون نے آکر خدمت اقدس مین عرض کی کہ یا رسول اللہ! اُمرا ہم سے درجۂ اُخروی مین بھی بڑھتے جاتے ہین، نماز، روزہ جسطرح ہم کرتے ہین، وہ بھی کرتے ہین، لیکن صدقات وخیرات سے جو نیکیان اُن کو ملتی ہین اُن سے ہم محروم ہین، آپ نے فرمایا کیا مین تم کو وہ بات نہ بتاؤن جس سے تم اگلون کے برابر ہوجاؤ، اور پچھلون سے بڑھ جاؤ، اور پھر کوئی تمھاری برابری نہ کرسکے، عرض کی "ہان یا رسول اللہ! بتائیے،، ارشاد ہوا ہر نماز کے بعد ۳۳-۳۳ دفعہ سبحان اللہ، اور الحمد للہ، اللہ اکبر، پڑھ لیا کرو، کچھ دن کے بعد یہ وفد پھر حاضر خدمت ہوا، اور عرض کی، یا رسول اللہ! ہمارے دولت مند بھائیون نے بھی یہ وظیفہ سن لیا اور پڑھنا شروع کردیا، فرمایا ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء، یعنی یہ خدا کا دین ہے جس کو چاہے دے[2]،

مسلمانون سے جو زکوۃ وصول ہوتی تھی اُسکی نسبت عام حکم تھا کہ

توخذ من امرائھم وترد علی فقرائھم، ہر قبیلہ کے یا ہر شہر کے امراسے لیکر وہین کے غربا مین تقسیم کردیجائے،

صحابہ اس کی شدت سے پابندی کرتے تھے اور ایک جگہ کی زکوۃ دوسری جگہ نہین بھیجتے تھے[3]،

مساوات کے بیان مین یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ نے کسی بات پر حضرت سلمانؓ و بلالؓ کو جنکا شمار فقراے مہاجرین مین ہے ڈانٹا تھا، آپ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا کہ "تم نے ان لوگون کو آزردہ تو نہین کیا؟،، یہ سنکر حضرت ابوبکر ان لوگون کے پاس واپس آئے اور معافی مانگی، اور ان لوگون نے معاف کیا،

عوالی مین ایک غریب عورت رہتی تھی، وہ بیمار پڑی اُس کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی، خیال تھا کہ وہ آج کسیوقت مرجائے گی، آپ نے لوگون سے کہا کہ وہ مرجائے تو مین جنازہ کی نماز خود پڑھاؤن تو اُس کے بعد دفن کی جائے، اتفاق سے اُسنے کچھ رات گئے انتقال کیا، اس کا جنازہ جب تیار ہوکر لایا گیا تو آپ آرام فرماچکے تھے، صحابہ اسوقت

---

[1] مشکوۃ باب فضل الفقراء بروایت ترمذی وبیہقی وابن ماجہ، [2] صحیح بخاری ومسلم باب استحباب الذکر بعد الصلوۃ۔ [3] ابوداؤد زکوۃ۔

آپ کو تکلیف دینی مناسب نہ سمجھے اور رات ہی کو دفن کر دیا، صبح کو آپ نے دریافت فرمایا تو لوگون نے واقعہ عرض کیا، آپ یہ سنکر کھڑے ہو گئے اور صحابہ کو ساتھ لیکر دوبارہ اسکی قبر پر جا کر نماز جنازہ ادا کی[1]،

حضرت جریرؓ بیان کرتے ہین کہ ایک دن پہلے پہر ہملوگ آنحضرت صلعم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک پورا قبیلہ مسافر دار حاضر خدمت ہوا، اُن کی ظاہری حالت اس درجہ خراب تھی کہ کسی کے بدن پر کوئی کپڑا ثابت نہ تھا، برہنہ تن برہنہ پا، کھالین بدن سے بندھی ہوئی، تلوارین گلون مین پڑی ہوئی، ان کی یہ حالت دیکھکر آپ بیحد متاثر ہوئے، چہرۂ مبارک کا رنگ بدل گیا، اضطراب مین آپ اندر گئے باہر آئے، پھر حضرت بلال کو اذان دینے کا حکم دیا، نماز کے بعد آپنے خطبہ دیا، اور تمام مسلمانون کو انکی امداد و اعانت کے لیے آمادہ کیا[2]،

دشمنانِ جان سے عفو و درگذر

(جانی دشمنون اور قاتلانہ حملہ آورون سے عفو و درگذر کا واقعہ پیغمبرون کے صحیفۂ اخلاق کے سوا اور کہان ملسکتا ہے، جس شب کو آپ نے ہجرت فرمائی ہے، کفار قریش کے نزدیک یہ طے شدہ تھا کہ صبح کو محمدؐ کا سر قلم کر دیا جائے گا، اس لیے دشمنون کا ایک دستہ رات بھر خانۂ نبوی کا محاصرہ کیے کھڑا رہا، اگرچہ اسوقت ان دشمنون سے انتقام لینے کی آپ مین ظاہری قوت نہ تھی، لیکن ایک وقت آیا جب ان مین سے ایک ایک شخص کی گردن اسلام کی تلوار کے نیچے تھی، اور اسکی جان صرف آنحضرت صلعم کے رحم و کرم پر موقوف تھی، لیکن ہر شخص کو معلوم ہے کہ ان مین سے کوئی شخص اس جرم مین کبھی مقتول نہین ہوا،

ہجرت کے دن قریش نے آنحضرت صلعم کے سر کی قیمت مقرر کی تھی، اور اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کا سر لائے گا یا زندہ گرفتار کرے گا اسکو سو اونٹ انعام مین دیے جائین گے، سراقہ بن جعشم پہلے شخص تھے جو اس نیت سے اپنے صبا رفتار گھوڑے پر سوار ہاتھ مین نیزہ لیے ہوئے آپ کے قریب پہنچے، آخر دو تین دفعہ کرشمۂ اعجاز دیکھکر اپنی نیتِ بد سے توبہ کی، اور خواہش کی کہ مجکو سند امان لکھدیجائے، چنانچہ سند امان لکھکر ان کو دی گئی[3]، اس کے آٹھ برس کے بعد فتح مکہ کے موقع پر وہ حلقۂ اسلام مین داخل ہوئے اور اس جرم کے متعلق ایک حرفِ سوال بھی درمیان مین نہین آیا[4]۔

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری وغیرہ مین بھی ہے لیکن یہان سنن نسائی کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ فی اللیل سے لیا گیا ہے۔ [2] صحیح مسلم صدقات [3] صحیح بخاری باب الہجرۃ [4] سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کا حال، استیعاب و اصابہ وغیرہ مین دیکھو۔

عمیر بن وہب آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کا سخت دشمن تھا، مقتولین بدر کے انتقام کے لیے جب سارا قریش بے تاب تھا، تو صفوان بن امیہ نے ان کو بیش قرار انعام کے وعدہ پر مدینہ بھیجا تھا کہ چپکے سے جاکر نعوذ باللہ آنحضرت صلعم کا کام تمام کردے، عمیر اپنی تلوار زہر مین بجھاکر مدینہ آیا، لیکن وہان پہنچنے کے ساتھ اس کے تیور دیکھکر لوگون نے پہچان لیا، حضرت عمر نے اس کے ساتھ سختی کرنی چاہی، لیکن آپ نے منع فرمایا، اور اپنے قریب بٹھاکر اس سے باتین کین اور اصلی راز ظاہر کردیا، یہ سنکر سناٹے مین آگیا، لیکن آپ نے اس سے کوئی تعرض نہین فرمایا، یہ دیکھکر وہ اسلام لایا، اور مکہ مین جاکر اسلام کی دعوت پھیلائی[1] یہ واقعہ ۳ھ کا ہے،

ایک دفعہ آپ ایک غزوہ سے واپس آرہے تھے، راہ مین ایک میدان آیا، دھوپ تیز تھی، لوگون نے درختون کے نیچے بستر لگادیئے، آنحضرت صلعم نے بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمایا، اور تلوار درخت کی شاخ سے لٹکا دی، کفار موقع کے منتظر رہتے تھے، لوگون کو غافل دیکھکر، ناگاہ ایک طرف سے ایک بدو نے آکر بیخبری مین تلوار اتار لی، دفعۃً آپ بیدار ہوئے، تو دیکھا ایک شخص سرہانے کھڑا ہے، اور ننگی تلوار اُس کے ہاتھ مین ہے، آپ کو بیدار دیکھکر بولا، "کیون محمد! اب بتاؤ تم کو اسوقت مجھ سے کون بچاسکتا ہے"، آپ نے فرمایا "اللہ" یہ پرُاثر آواز سنکر اُسنے تلوار نیام مین کرلی، اتنے مین صحابہ آگئے، آپ نے اُن سے واقعہ دھرایا، اور بدو سے کسی قسم کا تعرض نہین فرمایا،[2]

ایک دفعہ ایک اور شخص نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا، صحابہ اسکو گرفتار کرکے آنحضرت صلعم کے سامنے لائے، وہ آپ کو دیکھکر ڈرگیا، آپ نے اسکو مخاطب کرکے فرمایا "ڈرو نہین، اگر تم مجکو قتل کرنا چاہتے بھی تو نہین کرسکتے تھے[3]"

فتح مکہ کے زمانہ مین ایک دفعہ اسی آدمیون کا ایک دستہ منھ اندھیرے جبل تنعیم سے اُترکر آیا، اور چھپکر آنحضرت صلعم کو قتل کرنا چاہا، اتفاق سے وہ لوگ گرفتار ہوگئے، لیکن آنحضرت صلعم نے انکو چھوڑدیا اور کچھ تعرض نہین کیا، (قرآن مجید کی یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی[4] ہے،

وَهُوَ الَّذِي كَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ عَنْهُم (فتح) — اسی خدانے اُنکے ہاتھ تمسے اور تمہارے ہاتھ اُن سے روک لیے)

---

[1] تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیر، [2] صحیح بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۴۰۰، [3] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۷۱، [4] جامع ترمذی تفسیر فتح،

خیبر مین ایک یہودیہ نے آنحضرت (صلے اللہ علیہ وسلم) کو کھانے مین زہر دیا، آپ نے کھانا کھایا تو زہر کا اثر محسوس کیا، آپ نے یہودیون کو بلا کر دریافت کیا تو اُنھون نے اقرار کیا، لیکن آپ نے کسی سے کچھ تعرض نہین فرمایا، لیکن اسی زہر کے اثر سے جب ایک صحابی نے انتقال کیا تو آپ نے صرف اُس یہودیہ کو قصاص کی سزا دی (حالانکہ خود آنحضرت صلعم کو زہر کا اثر مرتے دم تک محسوس ہوتا رہتا تھا[1])

دشمنون کے حق مین دعائے خیر

دشمنون کے حق مین بددعا کرنا، انسان کی فطری عادت ہی، لیکن پیغمبرون کا مرتبہ عام انسانی سطح سے بدرجہا بلند ہوتا ہے، جو لوگ انکو گالیان دیتے ہین، وہ اُنکے حق مین دعائے خیر کرتے ہین، اور جو اُنکے تشنۂ خون ہوتے ہین، وہ ان کو پیار کرتے ہین، ہجرت سے قبل مکہ مین مسلمانون پر، اور خود آنحضرت صلعم پر جو پیہم مظالم ہو رہے تھے اُس داستان کے دُہرانے کے لیے بھی سنگدلی درکار ہے، اِسی زمانہ مین خبابؓ بن ارتؓ ایک صحابی نے عرض کی کہ یارسولؐ اللہ! دشمنون کے حق مین بددعا فرمائیے، یہ سنکر چہرۂ مبارک سُرخ ہو گیا[2]، ایک دفعہ چند صاحبون نے مِلکر اسی قسم کی بات کہی تو فرمایا "مین دنیا کے لیے لعنت نہین بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہون[3]"،

وہ قریش جنھون نے تین برس تک آپ کو محصور رکھا، اور جو آپ کے پاس غلہ کے ایک دانہ کے پہنچنے کے روادار نہ تھے، اُن کی شرارتون کی پاداش مین دعائے نبوی کی استجابت نے ابرِ رحمت کا سایہ اُنکے سر سے اُٹھا لیا، اور مکہ مین اسقدر سخت قحط پڑا کہ لوگ ہڈی اور مردار کھانے لگے، ابوسفیان نے آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہو کر، عرض کی کہ "محمدؐ! تمہاری قوم ہلاک ہو رہی ہے، خدا سے دعا کرو کہ یہ مصیبت دور ہو" آپ نے بلا عذر فوراً دعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے، اور خدا نے اِس مصیبت سے اُن کو نجات[4] دی،

جنگ اُحد مین دشمنون نے آپ پر پتھر پھینکے، تیر برسائے، تلوارین چلائین، دندانِ مبارک کو شہید کیا، جبینِ اقدس کو خون آلودہ کیا، لیکن ان حملون کا وار آپ نے جس سپر پر روکا، وہ صرف یہ دعا تھی،

اللھم اھدِ قومی فانھم لا یعلمون، خدایا! ان کو معاف کرنا کہ یہ نادان ہین،

[1] صحیح بخاری وفاۃ النبی صلعم، [2] صحیح بخاری مبعث النبی صلعم [3] مشکوۃ اخلاق النبی صلعم بحوالہ صحیح مسلم [4] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان جلد دوم

وہ طائف جس نے دعوت اسلام کا جواب استہزا اور تمسخر سے دیا تھا، وہ طائف جس نے داعیِ اسلام کو اپنی پناہ مین لینے سے انکار کر دیا تھا، وہ طائف جس نے پائے مبارک کو لہولہان کیا تھا، اُن کی نسبت فرشتۂ غیب پوچھتا ہی کہ حکم ہو تو ان پر پہاڑ الٹ دیا جائے، جواب ملتا ہی کہ "شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو[1]"، دس بارہ برس کے بعد بہی طائف اسلام کی دعوت کا جواب تیر و تفنگ (منجنیق) سے دیتا ہے، جان نثارون کی لاشین پر لاشین گر رہی ہین، صحابہ عرض کرتے ہین کہ یا رسول اللہ! ان کے حق مین بد دعا کیجئے، آپ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے ہین، لوگ سمجھتے ہین کہ حضور ان کے حق مین بد دعا فرمائین گے، لیکن زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلتے ہین، "خداوندا! ثقیف (اہل طائف) کو اسلام نصیب کر اور دوستانہ ان کو مدینہ لا"، وہ تیر جو میدان جنگ مین نشانہ پر نہین لگے تھے، وہ مدینہ کے صحنِ مسجد مین، زبانِ مبارک سے نکلکر ٹھیک اپنے ہدف پر پہنچے، یعنی وہ مدینہ آکر خاص مسجد نبوی مین بیٹھکر جہان وہ مہمان ٹھرائے گئے تھے، مسلمان ہوئے[2]،

دوس کا قبیلہ یمن مین رہتا تھا طفیل بن عمرو دوسی اس قبیلہ کے رئیس تھے، وہ قدیم الاسلام تھے، مدت تک وہ اپنے قبیلہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، لیکن وہ اپنے کفر پر اڑا رہا، ناچار وہ خدمت اقدس مین حاضر ہوئے اور اپنے قبیلہ کی حالت عرض کر کے گزارش کی کہ اُن کے حق مین بد دعا فرمایئے، لوگون نے یہ سنا تو کہا کہ اب دوس کی بربادی مین کوئی شک نہین رہا، لیکن رحمتِ عالم نے جن الفاظ مین دعا فرمائی وہ یہ[3] تھے۔

اللھم اھدِ دوسًا وائت بھم   خداوندا! دوس کو ہدایت کر، اور انکو لا،

حضرت ابوہریرہؓ کی مان مشرکہ تھین، اپنی مان کو وہ جسقدر اسلام کی تبلیغ کرتے تھے، وہ ابا کرتی تھین، ایک دن انہون نے اسلام کی دعوت دی تو انکی مان نے آنحضرت صلعم کی شان مین گستاخی کی، حضرت ابوہریرہ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ رونے لگے اور اسی حالت مین آنحضرت صلعم کے پاس آئے، اور واقعہ عرض کیا، آپ نے دعا کی "الٰہی! ابوہریرہ کی مان کو ہدایت نصیب کر"، وہ خوش خوش گھر واپس آئے تو دیکھا کواڑ بند ہین اور مان نہا رہی ہین، غسل سے فارغ ہو کر

---

[1] صحیح بخاری، [2] ابن سعد غزوۂ طائف، [3] صحیح مسلم مناقب دوس۔

کواڑ کھولے اور کلمہ پڑھا[1]،

عبداللہ بن اُبیّ بن سلول وہ شخص تھا جو عمر بھر منافق رہا، اور کوئی موقع اُسنے آنحضرت صلعم، اور مسلمانون کے خلاف خفیہ سازشون اور علانیہ استخفاف واہانت کا ہاتھ سے جانے نہ دیا، کفار قریش کے ساتھ اسکی خفیہ خط وکتابت تھی، غزوہ اُحد مین عین موقع پر اپنے ہمراہیون کے ساتھ مسلمانون کی فوج سے الگ ہوگیا، واقعہ افک مین حضرت عائشہ پر الزام لگانے والون مین وہ سب سے آگے تھا، لیکن باایہمہ اُسکی فرد جرم کو رحمت عالم کا حلم وعفو ہمیشہ دھوتا رہا، وہ مرا تو آپنے اسکی مغفرت کی نماز پڑھی، اسپر حضرت عمرؓ نے کہا "یا رسول اللہ! آپ اسکے جنازہ کی نماز پڑھتے ہین حالانکہ اُسنے یہ کہا اور یہ کہا"، آپ یہ سنکر متبسم ہوئے اور فرمایا "ہٹو اے عمرؓ" جب زیادہ اصرار کیا تو فرمایا "اگر مجھے اختیار دیا جاتا، اور معلوم ہوتا کہ اگر ستر دفعہ مین نماز پڑھون تو اسکی بخشش ہوسکتی ہے تو مین اس سے بھی زیادہ پڑھتا[2]"،

بچون پر شفقت

بچون پر نہایت شفقت فرماتے تھے، معمول تھا کہ سفر سے تشریف لاتے تو راہ مین جو بچے ملتے ان مین سے کسی کسی کو اپنے ساتھ سواری پر آگے پیچھے بٹھاتے، (راستہ مین بچے ملجاتے تو انکو خود سلام کرتے[3]،)

ایک دن خالد بن سعید خدمت اقدس مین آئے، ان کی چھوٹی لڑکی بھی ساتھ تھی، اور سرخ رنگ کا کرتہ بدن مین تھا، آپ نے فرمایا سنتہ سنتہ، حبشی زبان مین حسنہ کو سنتہ کہتے ہین، چونکہ انکی پیدایش حبش مین ہوئی تھی، اس لیے آپنے اس مناسبت سے حبشی تلفظ مین حسنہ کے بجائے سنتہ کہا، آنحضرت صلعم کے پشت پر جو مُہر نبوت تھی اُبھری ہوئی تھی، بچون کی عادت ہوتی ہے، غیر معمولی چیز نظر آئے تو اُس سے کھیلنے لگتے ہین، وہ بھی مہر نبوت سے کھیلنے لگین خالد نے ڈانٹا، آنحضرت صلعم نے روکا کہ کھیلنے دو[4]،

ایک دفعہ آپ کے پاس کہین سے کپڑے آئے، جن مین ایک سیاہ چادر بھی تھی، جس مین دونون طرف آنچل تھے آپ نے حاضرین سے کہا یہ چادر کس کو دون، لوگ چپ رہے، آپ نے فرمایا ام خالد[5] کو لاؤ، وہ آئین تو آپ نے انکو پہنایا اور دو دفعہ فرمایا "پہننا اور پرانی کرنا"، چادر مین جو بوٹے تھے، آپ ان کو دکھا دکھا کے فرماتے تھے، ام خالد، دیکھنا

---

[1] صحیح مسلم فضائل ابی ہریرہ [2] صحیح بخاری کتاب الجنائز [3] ابوداؤد کتاب الادب، [4] بخاری جلد دوم صفحہ ۸۸۶ [5] اصابہ مین ہے کہ وہ اس قدر چھوٹی تھین کہ لوگ ان کو گود مین اٹھا کر لائے، (اصابہ ترجمہ ام خالد)

"سناہے" "یہ سناہے"[1] اوپر گذر چکا ہو کہ ام خالد حبش مین پیدا ہوئی تھین اور کئی سال تک وہین رہی تھین اس لیے ان سے حبشی زبان مین خطاب کیا،

ایک صحابی کا بیان ہو کہ بچپن مین انصار کے نخلستان مین چلا جاتا اور ڈھیلون سے مار کر کھجورین گراتا، لوگ مجکو خدمتِ اقدس مین لے گئے، آپ نے پوچھا کہ ڈھیلے کیون مارتے ہو، مین نے کہا کھجورین کھانے کے لیے، ارشاد فرمایا کہ کھجورین جو زمین پر ٹپکتی ہین ان کو اُٹھا کر کھالیا کرو، ڈھیلے نہ مارو، یہ کہکر میرے سر پر ہاتھ پھیرا، اور دعا دی[2]،

مان بچے کی محبت کے واقعات سے آپ پر سخت اثر ہوتا تھا، ایک دفعہ ایک نہایت غریب عورت حضرت عائشہ رض کے پاس آئی، دو چھوٹی چھوٹی لڑکیان بھی ساتھ تھین، اسوقت حضرت عائشہ کے پاس کچھ نہ تھا، ایک کھجور زمین پر پڑی ہوئی تھی وہی اُٹھا کر دیدی، عورت نے کھجور کے دو ٹکڑے کیے اور دونون مین برابر تقسیم کردیا، آنحضرت صلعم باہر سے تشریف لائے تو حضرت عائشہ نے یہ واقعہ سنایا، ارشاد ہوا کہ جسکو خدا اولاد کے محبت مین ڈالے اور وہ ان کا حق بجالائے، وہ دوزخ سے محفوظ رہے گا[3]،

حضرت انس رض کہتے ہین کہ آنحضرت صلعم فرماتے تھے کہ مین نماز شروع کرتا ہون اور ارادہ ہوتا ہو کہ دیر مین ختم کرون گا دفعۃً صف سے کسی بچہ کے رونے کی آواز آتی ہے اور مختصر کردیتا ہون کہ اسکی مان کو تکلیف ہوتی ہوگی[4]،

(یہ محبت اور شفقت مسلمان بچون تک محدود نہ تھی، بلکہ مشرکین کے بچون پر بھی اسی طرح لطف فرماتے تھے، ایک دفعہ ایک غزوہ مین چند بچے جھپٹ مین آکر مارے گئے، آپ کو خبر ہوئی تو نہایت آزردہ ہوئے، ایک صاحب نے کہا یا رسول اللہ وہ تو مشرکین کے بچے تھے، آپنے فرمایا "مشرکین کے بچے بھی تم سے بہتر ہین، خبردار! بچون کو قتل نہ کرو، خبردار! بچونکو قتل نہ کرو، ہر جان خدا ہی کی فطرت پر پیدا ہوتی ہے[5]،

معمول تھا کہ جب فصل کا نیا میوہ کوئی خدمتِ اقدس مین پیش کرتا، تو حاضرین مین جو سب سے زیادہ کم عمر بچہ ہوتا اسکو عنایت فرماتے[6]، بچون کو چومتے اور ان کو پیار کرتے تھے، ایک دفعہ آپ اسی طرح بچون کو پیار کررہے تھے کہ ایک بدوی آیا، اُسنے

[1] بخاری کتاب اللباس، سنا حبشی مین حسن کو کہتے ہین، [2] ابوداؤد کتاب الجہاد۔ [3] بخاری صفحہ ۸۸۰۔ [4] بخاری کتاب الصلوۃ۔ [5] مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۳۵۔ [6] معجم صغیر، طبرانی باب المیم معجم محمد،

کہا تم لوگ بچون کو پیار کرتے ہو، میرے دس بچے ہین، مگر اب تک مین نے کسی کو پیار نہین کیا، آپ نے فرمایا، "اللہ تعالیٰ اگر تمہارے دل سے محبت کو چھین لے تو مین کیا کرون[۱]"

جابر بن سمرہ صحابی تھے، وہ اپنے بچپن کا واقعہ بیان کرتے ہین کہ ایک دفعہ مین نے آنحضرت صلعم کے پیچھے نماز پڑھی، نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنے گھر کی طرف چلے، مین بھی ساتھ ہولیا، کہ اُدھر سے چند اور لڑکے نکل آئے، آپ نے سب کو پیار کیا، اور مجھے بھی[۲] پیار کیا،

ہجرت کے موقع پر جب مدینہ مین آپ کا داخلہ ہو رہا تھا، انصار کی چھوٹی چھوٹی لڑکیان خوشی سے دروازون سے نکل نکل کر گیت گا رہی تھین، جب آپ کا اُدھر گذر ہوا، فرمایا "اے لڑکیو! تم مجھے پیار کرتی ہو،" سب نے کہا ہان یا رسول اللہ صلعم فرمایا مین بھی تمھین پیار کرتا ہون[۳]"

حضرت عائشہ کمسنی مین بیاہ کر آئی تھین، محلہ کی لڑکیون کے ساتھ وہ کھیلا کرتی تھین، آپ جب گھر مین تشریف لاتے تو لڑکیان آپ کا لحاظ کر کے اِدھر اُدھر چھپ جاتین، آپ اُنھین تسکین دیتے اور کھیلنے کو کہتے[۴]

غلامون پر شفقت

(آنحضرت صلعم غلامون پر خصوصیت کے ساتھ شفقت فرماتے تھے، فرمایا کرتے تھے کہ "یہ تمہارے بھائی ہین جو خود کھاتے ہو وہ اُن کو کھلاؤ اور جو خود پہنتے ہو وہ ان کو پہناؤ،" آنحضرت صلعم کی ملکیت مین جو غلام آتے اُن کو آپ ہمیشہ آزاد فرما دیتے تھے، لیکن وہ حضور کے احسان و کرم کی زنجیر سے آزاد نہین ہو سکتے تھے، مان، باپ، قبیلہ، رشتہ کو چھوڑ کر عمر بھر آپ کی غلامی کو شرف جانتے تھے، **زید بن حارثہ** غلام تھے آنحضرت صلعم نے ان کو آزاد کر دیا، ان کے باپ اُن کو لینے آئے، لیکن وہ اس آستانۂ رحمت پر باپ کے ظل عاطفت کو ترجیح نہ دے سکے اور اپنے جانے سے قطعاً انکار کر دیا، زید کے بیٹے اُسامہ سے آپ اس قدر محبت کرتے تھے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر اسامہ بیٹی ہوتی تو مین اُسکو زیور پہناتا، خود اپنے دستِ مبارک سے ان کی ناک صاف کرتے تھے،

غلامون کو لفظ "غلام" کا سنکر اپنی نظر مین اپنی آپ ذلت محسوس ہوتی تھی، آنحضرت صلعم کو ان کی یہ تکلیف بھی

---

[۱] صحیح بخاری و مسلم کتاب الادب [۲] صحیح مسلم باب طیب رائحۃ النبی صلعم [۳] سیرۃ جلد اول ہجرت، [۴] ابو داؤد کتاب الادب باب اللعب،

گوارا نہ تھی، فرمایا کہ کوئی "میرا غلام" "میری لونڈی"، نہ کہے "میرا بچہ" "میری بچی" کہے، اور غلام بھی اپنے آقا کو خداوند نہ کہین، خداوند خدا ہے، آقا کہین، آنحضرت صلعم کو غلامون پر شفقت اتنی ملحوظ تھی کہ مرض الموت مین سب سے آخری یہ وصیت فرمائی کہ "غلامون کے معاملہ مین خدا سے ڈرا کرنا"،

حضرت **ابوذر** بہت قدیم الاسلام صحابی تھے، اور آنحضرت صلعم ان کی راست گوئی کی مدح فرماتے تھے، ایک دفعہ اُنھون نے ایک عجمی آزاد غلام کو بُرا بھلا کہا، غلام نے آنحضرت صلعم سے جا کر شکایت کی آپ نے ابوذر کو زجر فرمایا کہ "تم مین اب تک جہالت باقی ہے، یہ غلام تمہارے بھائی ہین، خدا نے تم کو ان پر فضیلت عطا کی ہے، اگر وہ تمہارے مزاج کے موافق نہ ہون تو اُن کو فروخت کر ڈالو، خدا کی مخلوق کو ستایا نہ کرو، جو خود کھاؤ وہ ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہ ان کو پہناؤ، انکو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ کرسکین، اور اگر اتنا کام دو تو خود بھی ان کی اعانت کرو[۱]"،

ایک دفعہ ابومسعود انصاری اپنے غلام کو مار رہے تھے کہ پیچھے سے آواز آئی، ابومسعود! تم کو جس قدر اس غلام پر اختیار ہے، خدا کو اس سے زیادہ تم پر اختیار ہے، ابومسعود نے مڑ کر دیکھا تو آنحضرت صلعم تھے، عرض کی یارسول اللہ! مین نے لوجہ اللہ اس غلام کو آزاد کیا، فرمایا "اگر تم ایسا نہ کرتے تو آتش دوزخ تم کو چھو لیتی"،

ایک شخص خدمت نبوی مین حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ! مین غلامون کا قصور کتنی دفعہ معاف کرون؟ آپ خاموش رہے، اُسنے پھر عرض کی، آپ نے پھر خاموشی اختیار کی، اس نے تیسری بار عرض کی، آپ نے فرمایا "ہر روز ستر بار معاف کیا کرو"،

آنحضرت صلعم کے عہد مین ایک خاندان مین سات آدمی تھے، اور سات آدمیون کے بیچ مین ایک ہی لونڈی تھی، ایک دفعہ ان مین سے ایک نے اُس لونڈی کو ایک تھپڑ مارا، آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کردو، ان لوگون نے کہا یارسول اللہ! ہم سات آدمیون کے بیچ مین یہی ایک خادمہ ہے، آپ نے فرمایا، "اچھا اسوقت تک خدمت گذاری کرے جب تک تم اِس سے بے نیاز نہ ہوجاؤ، جب حاجت نہ رہے تو وہ آزاد ہے[۲]"

---

[۱] بخاری باب المعاصی من امر الجاہلیۃ و ابوداؤد کتاب الادب، [۲] یہ تمام واقعات ابوداؤد کتاب الادب باب حق المملوک مین مذکور ہین۔

ایک صاحب کے پاس دو غلام تھے جنکے وہ بہت شاکی تھے، وہ ان کو مارتے تھے، بُرا بھلا کہتے تھے، لیکن وہ دونون باز نہ آتے، اُنھون نے آکر آنحضرت صلعم سے شکایت کی اور اِسکا علاج پوچھا، آپ نے فرمایا، تمھاری سزا اگر اُن کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر، ورنہ سزا کی جو مقدار زاید ہوگی اُس کے برابر تمھین بھی خدا سزا دیگا، یہ سنکر وہ بیقرار ہوگئے، اور گریہ وزاری شروع کی، آنحضرت صلعم نے فرمایا یہ شخص قرآن نہین پڑھتا، وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ الخ یہ سنکر انھون نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! بہتر یہ ہے کہ مین اُنکو اپنے سے جدا کردون، آپ گواہ رہین کہ اب وہ آزاد ہین[1]۔

غلامون کا لوگ بیاہ کردیتے تھے اور پھر جب چاہتے تھے جبراً اُن مین تفریق کردیتے تھے، چنانچہ ایک شخص نے اپنی لونڈی سے اپنے غلام کا عقد کردیا، اور پھر دونون مین علیحدگی کرنی چاہی، غلام نے خدمت نبوی مین آکر شکایت کی آپ نے منبر پر خطبہ دیا، کہ لوگ کیون غلامون کا نکاح کرکے پھر تفریق کرانا چاہتے ہین، نکاح وطلاق کا حق صرف شوہر کو ہے[2]،

اسی رحم وشفقت کا اثر تھا کہ اکثر کافرون کے غلام بھاگ بھاگ کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین حاضر ہوتے تھے، اور آپ اُنھین آزاد فرما دیتے تھے[3]، مال غنیمت جب تقسیم ہوتا تو آپ اس مین سے غلامون کو بھی حصہ دیتے تھے[4]، جو غلام نئے آزاد ہوتے تھے چونکہ ان کے پاس کوئی مالی سرمایہ نہین ہوتا تھا اس لیے جو آمدنی وصول ہوتی تھی اس مین سے سب سے پہلے آپ انھین کو عنایت فرماتے تھے،)

مستورات کے ساتھ برتاؤ دنیا مین یہ صنفِ ضعیف (عورتین) چونکہ ہمیشہ ذلیل رہی ہے، اِس لیے کسی نامور شخص کے حالات مین یہ پہلو کبھی پیشِ نظر نہین رہا کہ اس مظلوم گروہ کے ساتھ اس کا طریق معاشرت کیا تھا، اسلام دنیا کا سب سے پہلا مذہب ہے جسنے عورتون کی حق رسی کی اور عزت ومنزلت کے دربار مین انکو مردون کے برابر جگہ دی، اسلیے شارع اسلام کے واقعاتِ زندگی مین ہمکو یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ مستورات کے ساتھ اُن کا طرزِ عمل کیا تھا،

صحیح بخاری مین آنحضرت صلعم کے ایلاء (ازواج سے چندروزہ علحدگی) کی جو روایت مذکور ہے، اُس مین حضرت عمر کا یہ قول

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۸۰۔ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق، [3] ابوداؤد کتاب الجہاد ومسند ابن حنبل جلد اول ۲۴۳۔ [4] ابوداؤد باب قسمۃ الفئ

نقل کیا ہو کہ "مکہ مین ہملوگ عورتون کو بالکل ناقابل التفات سمجھتے تھے، مدینہ مین نسبتہً عورتون کی قدر تھی"، لیکن نہ اس قدر جسکی وہ مستحق تھین، آنحضرت صلعم نے جسطرح اپنے ارشاد و احکام سے ان کی حقوق قائم کئے، آپ کے برتاؤ نے اور زیادہ اس کو قوی اور نمایان کردیا، ازواج مطہرات کے واقعات مستقلاً مذکور ہین، یہان ہم عام واقعات لکھتے ہین،

آنحضرت صلعم کے دربار مین چونکہ ہروقت مَردون کا ہجوم رہتا تھا، عورتون کو وعظ و پند سننے اور مسائل کے دریافت کرنے کا موقع نہین ملتا تھا، مستورات نے آکر درخواست کی کہ مَردون سے ہم عہدہ برآ نہین ہوسکتے، اس لیے ہمارے لیے ایک خاص دن مقرر کردیا جائے، آنحضرت صلعم نے اُن کی درخواست قبول[1] فرمائی، اور ان کے دربار کا ایک خاص دن مقرر ہوگیا،

جن لوگون نے آغاز اسلام مین حبش کو ہجرت کی تھی، ان مین اسماء بنت عمیس بھی تھین، خیبر کی فتح کے زمانہ مین مہاجرین حبش مدینہ مین آئے، تو وہ بھی آئین، ایک دن وہ حضرت حفصہ سے ملنے گئین، اتفاق یہ کہ اُسوقت حضرت عمر بھی موجود تھے، انکو دیکھکر پوچھا یہ کون ہین، حضرت حفصہ نے نام بتایا، حضرت عمر نے کہا "ہان وہ حبش والی، وہ سمندر والی"، اسماء بنت عمیس نے کہا ہان وہی، حضرت عمر نے کہا "ہمنے تم لوگون سے پہلے ہجرت کی، اور اس لیے رسول اللہ صلعم پر ہمارا زیادہ حق ہے"، اسماء کو سخت غصہ آیا، بولین، ہرگز نہین، تملوگ رسول اللہ صلعم کے ساتھ رہتے تھے، وہ بھوکون کو کھلاتے تھے، ہمارا یہ حال ہو کہ گھر سے دور، بیگانے حبشیون مین رہتے تھے، لوگ ہمکو ستاتے تھے، اور ہروقت جان کا ڈر لگا رہتا تھا،

یہ باتین ہو رہی تھین کہ رسول اللہ صلعم آگئے، اسماء نے کہا یارسول اللہ عمر نے یہ یہ کہا، آپ نے فرمایا تمنے کیا جواب دیا انھون نے ماجرا سنایا، آپ نے فرمایا عمرؓ کا حق مجھپر تمسے زیادہ نہین ہے، عمر اور اُن کے ساتھیون نے صرف ایک ہجرت کی، اور تم لوگون نے دو ہجرتین کین"

اِس واقعہ کا چرچا پھیلا تو مہاجرین حبش جوق جوق اسماء کے پاس آتے، اور آنحضرت صلعم کے الفاظ اُن سے باربار دُہرواکر سنتے، حضرت اسماء کا بیان ہے کہ مہاجرین حبش کے لیے دنیا مین کوئی چیز آنحضرت صلعم کے اُن الفاظ سے

---

[1] صحیح بخاری کتاب العلم ہل یجعل للنساء یوماً علی حدۃ

زیادہ تر مسرت انگیز نہ تھی[1]،

حضرت انسؓ بن مالک جو خادم خاص تھے، انکی خالہ کا نام ام حرام تھا، (جو رضاعت کے رشتہ سے آپ کی بھی خالہ تھین) معمول تھا جب آپ قُبا تشریف لے جاتے تو اُن کے پاس ضرور جاتے، وہ اکثر کھانا لا کر پیش کرتین اور آپ نوش فرماتے، آپ سوجاتے تو بالون مین سے جوئین نکالتین[2]،

حضرت انس کی والدہ، ام سلیم سے آپ کو نہایت محبت تھی، آپ اکثر اُن کے گھر تشریف لے جاتے، وہ بچھونا بچھا دیتین، آپ آرام فرماتے، جب سو کر اُٹھتے تو وہ آپ کا پسینہ ایک شیشی مین جمع کر لیتین، مرتے وقت وصیت کی کہ کفن مین حنوط ملا جائے تو عرق مبارک کے ساتھ ملا جائے[3]،

ایک دفعہ حضرت انس کی دادی **ملیکہ** نے آپ کی دعوت کی، کھانا خود تیار کیا تھا، آنحضرت صلعم نے کھانا نوش فرما کر فرمایا آؤ مین تم کو نماز پڑھاؤن، گھر مین صرف ایک چٹائی تھی اور وہ بھی پرانی ہو کر سیاہ ہوگئی تھی، حضرت انسؓ نے پہلے اُسکو پانی سے دھویا، اور پھر نماز کے لیے بچھایا، آنحضرت صلعم نے امامت کی، حضرت انس اور انکی دادی، اور یتیم (غلام) صف باندھکر کھڑے ہوئے، آپ نے دو رکعت نماز ادا کی، اور واپس آئے[4]،

حضرت ابوبکر کی صاحبزادی (اسماء) جو حضرت عائشہ کی علاتی بہن تھین، حضرت زبیرؓ سے بیاہی تھین، مدینہ مین آئین تو اُسوقت حضرت زبیر کی یہ حالت تھی کہ ایک گھوڑے کے سوا، اور کچھ نہ تھا، حضرت اسماء خود ہی گھوڑے کے لیے جنگل سے گھانس لاتین اور کھانا پکاتین، حضرت زبیر کو جو زمین آنحضرت صلعم نے عطا فرمائی تھی اور جو مدینہ سے دو میل پر تھی، وہان سے کھجور کی گٹھلیان سر پر لاد کر لاتین، ایک دن وہ گٹھلیان لیے ہوئے آرہی تھین کہ آنحضرت صلعم نے دیکھا، آپ اُسوقت اونٹ پر سوار تھے، اونٹ کو بٹھا دیا، کہ وہ سوار ہولین، حضرت اسماء شرمائین، آنحضرت صلعم نے یہ دیکھکر کہ وہ حجاب کرتی ہین کچھ نہین فرمایا، اور ان کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، حضرت اسماء کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت ابوبکر نے ایک خادم بھیجا، جو گھوڑے کی خدمت کرتا تھا، مجھکو اس قدر غنیمت معلوم ہوا کہ گویا مین غلامی سے آزاد ہوگئی[5]،

---

[1] صحیح بخاری غزوہ خیبر، [2] بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۳۹۱، [3] بخاری کتاب الاستیذان [4] بخاری باب الصلوۃ علی الحصیر [5] بخاری صفحہ ۷۸۶، کتاب النکاح۔

(ایک بار قرابت کی بہت سی بی بیان بیٹھی ہوئی آنحضرت صلعم سے بڑھ بڑھ کر باتین کر رہی تھین، حضرت عمرؓ آئے تو سب اُٹھکر چلدین، آنحضرت صلعم ہنس پڑے، حضرت عمرؓ نے کہا خدا آپ کو خندان رکھے، کیون ہنسے، فرمایا مجھے ان عورتون پر تعجب ہوا کہ تمہاری آواز سنتے ہی سب آڑ مین چھپ گیئن، حضرت عمرؓ نے اُن کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے اپنی جان کی دشمنو! مجھ سے ڈرتی ہو، اور آنحضرت صلعم سے نہین ڈرتین" سب نے کہا "تم رسول اللہ صلعم کی نسبت سخت مزاج ہو"[1]

ایک دفعہ حضرت عائشہ کے گھر مین آپ منہ ڈھانک کر سوئے ہوئے تھے، عید کا دن تھا، چھوکریان گا بجا رہی تھین، حضرت ابوبکر آئے تو اُن کو ڈانٹا، آنحضرت صلعم نے فرمایا ان کو گانے دو یہ ان کی عید کا دن ہے[2]۔

عورتین عموماً نہایت دلیری کے ساتھ آپ سے بے محابا مسائل دریافت کرتی تھین اور صحابہ کو اُنکی اس جرأت پر حیرت ہوتی تھی لیکن آپ کسی قسم کی ناگواری نہین ظاہر فرماتے تھے،)

چونکہ عورتین عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہین ان کی خاطرداری کا نہایت خیال رکھتے تھے،

انجشہ نام ایک حبشی غلام حدی خوان تھے، یعنی اونٹ کے آگے حدی پڑھتے جاتے تھے، ایک دفعہ سفر مین ازواج مطہرات ساتھ تھین، انجشہ حُدی پڑھتے جاتے تھے، اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے تو آپ نے فرمایا "انجشہ! دیکھنا شیشے (عورتین) ٹوٹنے نہ پائین،

حیوانات پر رحم | حیوانات پر نہایت رحم فرماتے تھے، ان بے زبانون پر جو ظلم مدت سے عرب مین چلے آتے تھے، موقوف کرادئیے اونٹ کے گلے مین قلادہ لٹکانے کا عام دستور تھا اُسکو روک دیا[3] (زندہ جانور کے بدن سے گوشت کا لوتھڑا کاٹ لیتے تھے اور اس کو پکا کر کھاتے تھے، اسکو منع کر دیا، جانور کی دم اور ایال کاٹنے سے بھی منع کیا، اور فرمایا کہ دم ان کا مورچھل اور ایال ان کا لحاف ہی، جانورون کو دیر تک سازمین باندھکر کھڑا رکھنے کی بھی ممانعت کی اور فرمایا کہ "جانورون کی پیٹھون کو اپنی نشستگاہ اور کرسی نہ بناؤ"، اسی طرح جانورونکو باہم لڑانا بھی ناجائز بتایا، ایک بیرحمی کا دستور یہ تھا کہ کسی جانور کو باندھکر اُس کو نشانہ بناتے تھے اور مشق تیراندازی کرتے تھے اس سنگدلی کی بھی قطعاً ممانعت کردی،)

[1] صحیح بخاری مناقب عمر بن خطاب، [2] مسلم کتاب العیدین۔ [3] صحیح مسلم باب اللباس والزینۃ۔

ایک دفعہ ایک گدھا راہ مین نظر پڑا جسکا چہرہ داغا گیا تھا، فرمایا کہ جس نے اس کا چہرہ داغا ہی، اس پر خدا کی لعنت ہے،

علامت یا بعض اور دیگر ضرورتون کی وجہ سے اونٹون اور بکریون کو داغنا پڑتا تھا، ایسی حالت مین آپ اُن اعضاء کو داغتے

جو زیادہ نازک نہین ہوتے، حضرت انس رض کہتے ہین کہ مین ایک دفعہ بکریون کے ریوڑ مین گیا دیکھا تو رسول اللہ صلعم

بکریون کے کان داغ رہے ہین[1]،

(ایک بار آپ کسی سفر مین جا رہے تھے، لوگون نے ایک مقام پر منزل کیا، وہان ایک پرندہ نے انڈا دیا تھا،

ایک شخص نے وہ انڈا اُٹھا لیا، چڑیا بیقرار ہو کر پر مار رہی تھی، آنحضرت صلعم نے دریافت کیا کہ اس کا انڈا چھینکر کس نے

اُس کو اذیت پہنچائی، ان صاحب نے کہا "یا رسول اللہ! مجھ سے یہ حرکت ہوئی ہے،" آپنے فرمایا "وہین رکھ دو[2]"،

ایک صحابی خدمت اقدس مین حاضر ہوئے، اُن کے ہاتھ مین چادر سے چھپے ہوئے کسی پرندہ کے بچے تھے آپنے

دریافت فرمایا تو عرض کی کہ ایک جھاڑی سے آواز آرہی تھی، جاکر دیکھا تو یہ بچے تھے، مین نے انکو نکال لیا، پرندہ نے یعنی

اِن بچون کی ماں نے یہ دیکھا تو وہ میرے سر پر منڈلانے لگی، آپنے فرمایا، جاؤ، اور بچون کو وہین[3] پھر رکھ آؤ"،

ایک بار راستہ مین ایک اونٹ نظر سے گذرا جس کے پیٹ اور پیٹھ شدت گرسنگی سے ایک ہو گئے تھے، فرمایا کہ ان

بے زبانون کے متعلق خدا سے ڈرو[4]"، ایک دفعہ ایک انصاری کے باغ مین آپ ضرورت سے تشریف لے گئے ایک

گرسنہ اونٹ نظر پڑا، آپ کو دیکھکر بلبلایا، آپ نے شفقت سے اُسپر ہاتھ پھیرا، پھر لوگون سے اسکے مالک کا نام پوچھا معلوم

ہوا کہ ایک انصاری کا ہی، اُن سے آپ نے فرمایا کہ اس جانور کے معاملہ مین تم خدا سے نہین ڈرتے[5])

رحمت و محبت عام (حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تمام دنیا کے لیے رحمت بنکر آئی تھی، حضرت مسیح نے کہا تھا

کہ "مین امن کا شاہزادہ ہون"، لیکن شہزادۂ امن کی اخلاقی حکومت کا ایک کارنامہ بھی اس کے ثبوت مین محفوظ نہین،

لیکن امن کے شاہنشاہ کو خداوند ازل ہی نے خطاب کیا،

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ، محمدؐ! ہم نے تجکو تمام دنیا کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہی،

---

[1] یہ حدیثین ترمذی و ابوداؤد وغیرہ مین مذکور ہین، [2] ادب المفرد امام بخاری باب رحمۃ البہائم [3] مشکوۃ بحوالہ ابوداؤد باب رحمۃ اللہ [4] ابوداؤد کتاب الجہاد [5] ابوداؤد باب مذکور،

تم آنحضرت صلعم کے حلم وعفو، مسامحت و درگذر کے سینکڑون واقعات پڑھ چکے نظر آیا ہوگا کہ اس خزانۂ رحمت مین دوست دشمن، کافر مسلم، بوڑھے بچے، عورت مرد، آقا و غلام، انسان وحیوان، ہر ایک صنفِ ہستی برابر کی حصہ دار تھی،

ایک صاحب نے آپ سے کسی پر بددعا کرنے کی درخواست کی تو غضبناک ہوکر فرمایا "مین دنیا مین لعنت کے لیے نہین آیا ہون[1]، رحمت بناکر بھیجا گیا ہون"، آپ نے دنیا کو پیغام دیا[2]،

لا تحاسدوا ولا تباغضوا وکونوا یا عباد اللہ اخوانا، — ایک دوسرے پر بغض وحسد نکرو اے خدا کے بندو! سب آپس مین بھائی بنجاؤ،

ایک اور حدیث مین حکم فرمایا،

احبّ للناس ما تحب لنفسک تکن مسلما[3] — لوگون کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو تو مسلم ہوگے،

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا،

لا یومن احدکم حتی یحب للناس ما یحب لنفسہ وحتی یحب المرء لا یحبہ الا للہ عز وجل، (مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۲۷۲) — تم مین سے کوئی اسوقت تک کامل مومن نہین ہوسکتا جب تک وہ سب لوگون کے لیے وہی محبوب رکھے جو اپنے لیے رکھتا ہے اور جبتک وہ دوسرے کو بغرض صرف خدا کے لیے پیار نکرے،

ایک شخص نے مسجد نبوی مین آکر دعا کی "خدایا! مجکو اور محمد کو مغفرت عطا کر"، آپ نے فرمایا "خدا کی وسیع رحمت کو تمنے تنگ کر دیا[4]"

ایک اور روایت مین ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی مین[5] آیا، اور آپ کے پیچھے نماز پڑھی، نماز پڑھ کر اپنے اونٹ پر سوار ہوا، اور بولا "خداوندا! مجھپر اور محمدؐ پر رحمت بھیج، اور ہماری رحمت مین کسی اور کو شریک نہ کر" آپ نے صحابہ کی طرف خطاب کرکے فرمایا بتاؤ یہ زیادہ راہ بھولا ہوا ہے یا اس کا اونٹ، یعنی آپنے اس قسم کی دعا کو ناپسند فرمایا،

رقیق القلبی آنحضرت صلعم نہایت نرم دل اور رقیق القلب تھے، (مالک بن حویرث ایک وفد کے رکن بنکر خدمت اقدس مین حاضر ہوئے تھے، ان کو ۲۰ دن تک مجلس نبوی مین شرکت کا موقع ملا تھا وہ فرماتے تھے،

کان رسول اللہ صلعم رحیما رقیقا، — آنحضرت صلعم رحیم المزاج اور رقیق القلب[6] تھے،)

---

[1] زرقانی ص ۲۸۹ ج ۴، [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ صفحہ ۸۹۰، [3] جامع ترمذی ابواب الزہد بسند غریب، [4] صحیح بخاری کتاب الادب، [5] ابوداؤد کتاب الادب، شاید یہ دونون واقعے ایک ہون، [6] بخاری صفحہ ۸۸۰ باب رحمۃ الناس،

حضرت زینبؓ کا بچہ مرنے لگا تو انھون نے آنحضرت صلعم کو بلا بھیجا اور قسم دلائی کہ ضرور تشریف لائیے، مجبوراً آپ تشریف لے گئے، حضرت سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت بھی ساتھ تھے، بچہ کو لوگ ہاتھ مین لیکر سامنے لائے، وہ دم توڑ رہا تھا، بے اختیار آپ کی آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے، حضرت سعد کو تعجب ہوا کہ یا رسول اللہ! یہ کیا! فرمایا "خدا انھی بندون پر رحم کرتا ہے جو اورون پر بھی رحم کرتے ہین[۱]"

غزوۂ اُحد کے بعد جب آپ مدینہ مین تشریف لائے تو گھر گھر شہیدون کا ماتم برپا تھا، مستورات اپنے اپنے شہیدون پر نوحہ کر رہی تھین، یہ دیکھکر آپ کا دل بھر آیا، اور فرمایا "حمزہ (عم رسول اللہ) کا کوئی نوحہ خوان نہین[۲]"

ایک بار ایک صحابی جاہلیت کا اپنے ایک قصہ بیان کر رہے تھے، کہ میری ایک چھوٹی لڑکی تھی، عرب مین لڑکیون کے مار ڈالنے کا کہین کہین دستور تھا، مین نے بھی اپنی لڑکی کو زندہ زمین مین گاڑ دیا، وہ ابّا ابّا کہکر پکار رہی تھی، اور مین اُسپر مٹی کے ڈھیلے ڈال رہا تھا، اس بیدردی کو سنکر آنحضرت صلعم کی آنکھون سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، آپ نے فرمایا کہ اس قصہ کو پھر دھراؤ، اِن صحابی نے اس دردناک ماجرے کو دوبارہ بیان کیا، آپ بے اختیار روے، یہانتک کہ روتے روتے محاسنِ مبارک تر ہو گئے[۳]،

حضرت عباس بدر مین گرفتار ہو کر آئے، تو لوگون نے انکے ہاتھ پانون بہت جکڑ کر باندھ دیئے تھے، وہ درد سے کراہتے تھے، اُن کے کراہنے کی آواز گوش مبارک مین بار بار پہنچ رہی تھی، لیکن اس خیال سے انکے ہاتھ نہین کھولتے تھے، کہ لوگ کہین گے کہ یہ اپنے عزیزون کے ساتھ غیر مساویانہ رحمدلی ہے تاہم نیند نہین آتی تھی اور آپ بےچین ہو ہو کر کروٹین بدل رہے تھے، لوگون نے بیقراری کا سبب سمجھکر گرہین ڈھیلی کر دین، حضرت عباس کی کرب اور بیچینی رفع ہوئی تو آپ نے استراحت فرمایا،

مصعب بن عمیر ایک صحابی تھے، جو اسلام سے پہلے نہایت ناز و نعمت مین پلے تھے انکے والدین بیش قیمت سے بیش قیمت لباس ان کو پہناتے تھے، خدا نے انکو اسلام کی توفیق عطا فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے، یہ دیکھکر کہ لڑکے

---

[۱] صحیح بخاری صفحہ ۸۴۴، باب المرضیٰ، [۲] سیرۃ جلد اول، احد، [۳] مسند دارمی صفحہ اول۔

نے اپنے آبائی مذہب کو ترک کر دیا ہے، والدین کی محبت دفعۃً عداوت سے بدل گئی، ایک دفعہ وہ آنحضرت صلعم کی خدمت مبارک میں اس حال میں آئے کہ وہ جسم جو حریر و قاقم میں ملبوس رہتا تھا اُس پر پیوند سے ایک کپڑا سالم نہ تھا، یہ پُر اثر منظر دیکھ کر آپ آبدیدہ ہو گئے[1]،)

عیادت و تعزیت و غمخواری و عزا

بیماروں کی عیادت میں دوست، دشمن، مومن، کافر کسی کی تخصیص نہ تھی، (سنن نسائی باب التکبیر علے الجنازۃ میں ہے کان النبی صلعم احسن شیئٍ عیادۃً للمریض، آنحضرت صلعم بیمار کی عیادت کا بہت اچھی طرح خیال رکھا کرتے تھے بخاری وابوداؤد وغیرہ) میں روایت ہے کہ ایک یہودی غلام مرض الموت میں بیمار ہوا تو آپ عیادت کو تشریف لے گئے[2]،

عبداللہ بن ثابت جب بیمار ہوئے اور آپ عیادت کو گئے تو ان پر غشی طاری تھی، آواز دی وہ خبر نہ ہوئے، فرمایا افسوس ابوالربیع! تم پر ہمارا زور اب نہیں چلتا، یہ سنکر عورتیں بے اختیار چیخ اٹھیں اور رونے لگیں، لوگوں نے روکا، آپ نے ارشاد فرمایا" اس وقت رونے دو، مرنے کے بعد البتہ رونا نہیں چاہیے، عبداللہ بن ثابت کی لڑکی نے کہا، مجکو ان کی شہادت کی امید تھی، کیونکہ جہاد کے سب سامان تیار کر لیے تھے، آپ نے فرمایا ان کو نیت کا ثواب مل چکا[3]"،

حضرت جابر بیمار ہوئے تو اگرچہ ان کا گھر فاصلہ پر تھا، پیادہ پا ان کی عیادت کو جایا کرتے[4]، ایک دفعہ وہ بیمار ہوئے تو آپ حضرت ابوبکر کو ساتھ لے کر پیدل ان کی عیادت کو گئے، اُن پر غشی طاری تھی، پانی منگوا کر وضو کیا اور بچے ہوئے پانی کو اُن کے مُنھ پر چھڑکا، جابر ہوش میں آگئے، اور عرض کی یارسول اللہ اپنا ترکہ کس کو دوں، اس پر یہ آیت اُتری،

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ[5]

ایک صاحب بیمار ہوئے آپ چند دفعہ ان کی عیادت کو گئے، جب انھوں نے انتقال کیا تو لوگوں نے اس خیال سے کہ اندھیری رات ہے آپ کو تکلیف ہوگی، خبر نہ کی اور دفن کر دیا، صبح کو معلوم ہوا تو آپ نے شکایت کی، اور قبر پر جا کر نماز جنازہ پڑھی[6]،

---

[1] ترغیب و ترہیب جلد دوم صفحہ ۲۴۴ بحوالہ ترمذی و مسند ابو یعلی [2] صحیح بخاری باب عیادۃ المشرک، [3] ابوداؤد باب الجنائز۔ [4] ابوداؤد باب الجنائز۔ [5] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۵۰، تفسیر آیت مذکور۔ [6] بخاری کتاب الجنائز۔

عبداللہ بن عمرو نے غزوۂ احد مین شہادت پائی تھی، اور کافرون نے اُن کے ہاتھ پاؤن کاٹ ڈالے تھے، اُن کی لاش آنحضرت صلعم کے سامنے لاکر رکھی گئی اور اُسپر چادر ڈال دی گئی، اُن کے صاحبزادے (جابر) آئے، اور جوش محبت مین چاہا کہ کپڑا اُٹھا کر دیکھین، حاضرین نے روکا، اُنھون نے دوبارہ ہات بڑھایا، لوگون نے پھر روک دیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے درد پدری کے خیال سے حکم دیا کہ چادر اُٹھا دیجائے، چادر کا اٹھانا تھا کہ عبداللہ کی بہن بے اختیار چلّا اُٹھین، آنحضرت صلعم نے فرمایا، رونے کی بات نہین فرشتے ان کو اپنے پرون کے سایہ مین لے گئے[۱]،

ایک دفعہ حضرت سعد بن عبادہ بیمار ہوئے، آپ عیادت کو تشریف لے گئے، اُن کو دیکھکر آپ پر رقت طاری ہوئی اور آنکھون سے آنسو نکل آئے آپ کو روتا دیکھکر سب رو پڑے[۲]،

ایک حبشی مسجد مین جھاڑو دیا کرتا تھا[۳]، مرگیا تو لوگون نے آپ کو خبر نہ کی، ایک دن آپ نے اس کا حال دریافت فرمایا لوگون نے کہا وہ انتقال کرگیا، ارشاد ہوا تم نے مجکو خبر نہ کی، لوگون نے اُسکی تحقیر کی (یعنی وہ اس قابل نہ تھا کہ آپ کو اُس کے مرنے کی خبر کیجاتی) آپ نے لوگون سے اُسکی قبر دریافت کی اور جاکر جنازہ کی نماز پڑھی[۴]،

جنازہ جاتا تو آپ کھڑے ہوجاتے، بخاری مین روایت ہی کہ آپ نے فرمایا کہ جنازہ جاتا ہو تو یا اُس کے ساتھ جاؤ، ورنہ کم ازکم کھڑے ہوجاؤ اور اُس وقت تک کھڑے رہو کہ سامنے سے نکل جائے[۵]،

اگرچہ آپ نہایت رقیق القلب اور متاثر الطبع تھے، خصوصاً اعزہ کی وفات کا آپ کو سخت صدمہ ہوتا تھا، تاہم نوحہ اور ماتم کو نہایت ناپسند فرماتے تھے، حضرت جعفر (حضرت علیؓ کے بھائی تھے) سے آپکو نہایت محبت تھی، جب ان کی شہادت کی خبر آئی تو آپ مجلسِ ماتم مین بیٹھے، اسی حالت مین کسی نے آکر کہا کہ جعفر کی عورتین رو رہی ہین، آپ نے فرمایا کہ جاکر منع کردو، وہ گئے اور واپس آکر کہا کہ مین نے منع کیا، لیکن وہ باز نہین آتین، آپ نے دوبارہ منع کرا بھیجا، پھر بھی وہ باز نہ آئین، سہ بارہ منع کرنے پر بھی جب وہ نہ مانین تو فرمایا کہ جاکر اُنکے منھ مین خاک ڈال دو[۶]،

---

[۱] بخاری جنائز صفحہ ۲، ا[۲] صحیح بخاری جنائز صفحہ ۴، ا[۳] (بخاری باب الصلوة علی القبر مین ابوہریرہ کی روایت مین راوی نے شک کیا ہی کہ یہ مرد تھا یا عورت، لیکن دوسری روایتون مین اسکا عورت ہونا بہ تحقیق ذکر ہے۔ ام محجن اسکا نام تھا،) [۴] بخاری صفحہ ۱۷۸، کتاب الجنائز [۵] بخاری صفحہ ۱۷۵ جلد اول کتاب الجنائز، [۶] بخاری کتاب الجنائز باب من جلس عند المصیبة۔

لطفِ طبع | کبھی کبھی ظرافت کی باتین فرماتے ایک دفعہ حضرت انس کو پکارا تو فرمایا "اُو، دو کان والے"[1] اس مین یہ نکتہ بھی تھا کہ حضرت انس نہایت اطاعت شعار تھے، اور ہر وقت آنحضرت صلعم کے ارشاد پر کان لگائے رکھتے تھے، حضرت انس کے چھوٹے بھائی کا نام ابو عمیر تھا، وہ کم سن تھے، اور ایک مولا پال رکھا تھا، اتفاق سے وہ مرگیا ابو عمیر کو بہت رنج ہوا، آپ نے ان کو غمزدہ دیکھا تو فرمایا یا اباعُمیر ما فعل النغیر[2]، یعنی ابو عمیر! تمہارے مولے نے یہ کیا کیا،

ایک شخص نے خدمت اقدس مین عرض کی کہ مجکو کوئی سواری عنایت ہو، ارشاد فرمایا کہ "مین تم کو اونٹنی کا بچہ دونگا" انھون نے کہا "یا رسول اللہ! مین اونٹنی کا بچہ لے کر کیا کرون گا"، آپ نے فرمایا کہ "کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہی جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو"[3]

ایک بڑھیا خدمت اقدس مین آئی کہ حضور میرے لیے دعا فرمائین کہ مجکو بہشت نصیب ہو، آپنے فرمایا بڑھیان بہشت مین نہ جائین گی، اس کو بہت صدمہ ہوا اور روتی ہوئی واپس چلی، آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ اس سے کہدو کہ بڑھیان جنت مین جائین گی لیکن جوان ہو کر جائین گی[4]

ایک بدوی صحابی تھے، جنکا نام زاہر تھا، وہ دہات کی چیزین آپ کی خدمت مین ہدیہ بھیجا کرتے تھے، ایک دفعہ وہ شہر مین آئے، گانون سے جو چیزین لائے تھے اُن کو بازار مین فروخت کر رہے تھے، اتفاقاً آپ اُدھر سے گذرے، زاہر کے پیچھے سے جاکر ان کو گود مین دبالیا، انھون نے کہا کون ہے چھوڑ دو، مڑکر دیکھا تو سرورِ عالم تھے، اپنی پیٹھ اور بھی آنحضرت صلعم کے سینہ سے لپٹا دی، آپ نے فرمایا کوئی اس غلام کو خریدتا ہی؟ وہ بولے کہ یا رسول اللہ مجھ جیسے غلام کو جو شخص خریدیگا نقصان اُٹھائے گا، آپ نے فرمایا لیکن خدا کے نزدیک تمہارے دام زیادہ ہین[4]،

ایک شخص نے آکر شکایت کی کہ میرے بھائی کے شکم مین گرانی ہے، فرمایا شہد پلاؤ، وہ دوبارہ آئے کہ شہد پلایا لیکن شکایت اب بھی باقی ہی، آپ نے پھر شہد پلانے کی ہدایت کی، سہ بارہ آئے پھر وہی جواب ملا، چوتھی دفعہ آئے تو ارشاد فرمایا کہ خدا سچا ہے (قرآن مین ہی کہ شہد مین شفا ہی) لیکن تمہارے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہی، جاکر پھر شہد پلاؤ، اب کی پلایا تو شفا ہوگئی[5] معدہ مین مادہ فاسد کثرت سے موجود تھا، جب پورا تنقیہ ہوگیا تو گرانی جاتی رہی،

[1] شمائل ترمذی [2] صحیح بخاری [3] شمائل ترمذی [4] ایضاً [5] بخاری صفحہ ۸۴۹ باب الدواء بالعسل،

اولاد سے محبت | اولاد سے نہایت محبت تھی، معمول تھا جب کبھی سفر فرماتے تو سب سے آخر حضرت فاطمہ کے پاس جاتے، اور سفر سے واپس آتے تو جو شخص سب سے پہلے باریاب خدمت ہوتا وہ بھی حضرت فاطمہ ہی ہوتین، ایک دفعہ کسی غزوہ مین گئے اس اثنا مین حضرت فاطمہ نے صاحبزادون (حسنین علیہما السلام) کے لیے چاندی کے کنگن بنوائے اور دروازہ پر پردے لٹکائے، آنحضرت صلعم واپس تشریف لائے تو خلاف معمول حضرت فاطمہ کے گھر نہین گئے، وہ سمجھ گئین، فوراً پردہ کو چاک کرڈالا اور صاحبزادون کے ہاتھون سے کنگن اُتار لیے، صاحبزادے روتے ہوئے خدمت اقدس مین حاضر ہوئے آپنے کنگن لے کر بازار مین بھیجدیے کہ اِنکے بدلے ہاتی دانت کے کنگن لادو،

حضرت فاطمہ جب آپ کی خدمت مین تشریف لاتین تو آپ کھڑے ہوجاتے، اُنکی پیشانی چومتے اور اپنی نشست سے ہٹ کر اپنی جگہ بٹھاتے،

ابو قتادہ کا بیان ہی کہ ہم لوگ مسجد نبوی مین حاضر تھے کہ دفعتہً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامہ (آنحضرت صلعم کی نواسی تھین) کو کندھے پر چڑھائے ہوئے تشریف لائے اور اُسی حالت مین نماز پڑھائی، جب رکوع مین جاتے تو اُنکو اُتار دیتے پھر جب کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے، اسی طرح پوری نماز ادا کی،[1]

حضرت انسؓ کہتے ہین کہ مین نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہین دیکھا جس قدر آپ کرتے تھے، آپکے صاحبزادے حضرت ابراہیم عوالی مین پرورش پاتے تھے جو مدینہ سے تین چار میل ہے، ان کے دیکھنے کے لیے مدینہ سے پیادہ جاتے، گھر مین دھوان ہوتا رہتا تھا، گھر مین جاتے، بچہ کو انّا کے ہاتھ سے لے لیتے، اور مونھ چومتے، پھر مدینہ کو واپس آتے،[2]

ایکدفعہ اقرع بن حابس عرب کے ایک رئیس خدمتِ اقدس مین آئے، آپ حضرت امام حسین علیہ السلام کا منھ چوم رہے تھے، عرض کی کہ میرے دس بچے ہین، مین نے کبھی کسیکو بوسہ نہین دیا، ارشاد فرمایا کہ جو اورون پر رحم نہین کرتا اس پر بھی رحم نہین کیا جاتا (یعنی خدا اس پر رحم نہین کرتا)

[1] نسائی صفحہ ۱۲۰ باب ادخال الصبیان فی المساجد، صحیح بخاری مین بھی یہ حدیث مذکور ہی۔ [2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۱۔

حسنین علیہما السلام سے بے انتہا محبت تھی، فرماتے تھے کہ یہ میرے گلدستے ہین، حضرت فاطمہ کے گھر تشریف لیجاتے تو فرماتے کہ میرے بچون کو لانا، وہ صاحبزادون کو لاتین، آپ اُن کو سونگھتے اور سینہ سے لپٹاتے،

(ایک دفعہ مسجد مین خطبہ فرما رہے تھے، اتفاق سے حسنین علیہما السلام سرخ کرتے پہنے ہوئے آئے، کمسنی کیوجہ سے ہر قدم پر لڑکھڑاتے جاتے تھے، آپ ضبط نہ کرسکے، منبر سے اُتر کر گود مین اٹھالیا اور اپنے سامنے بٹھالیا، پھر فرمایا خدا نے سچ کہا ہو اِنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ [۱] فرمایا کرتے تھے حسین میرا ہی، اور مین حسین کا ہون، خدا اُس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھتا ہی،

ایک دفعہ امام حسنؓ یا امام حسینؓ دوش مبارک پر سوار تھے، کسی نے کہا کیا سواری ہاتھ آئی ہے، آپ نے فرمایا اور سوار بھی کیسا ہے؟ [۱]

ایک دفعہ امام حسنؓ یا حسینؓ (راوی کو بہ تعین یاد نہین رہا) آپ کے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے، آپ نے فرمایا اوپر چڑھ آؤ، اُنھون نے آپ کے سینہ پر قدم رکھ دیئے، آپ نے منھ چوم کر فرمایا اے خدا! مین اس سے محبت رکھتا ہون تو بھی رکھ [۲]

ایک دفعہ آپ کہین دعوت مین جارہے تھے امام حسین علیہ السلام راہ مین کھیل رہے تھے، آپ نے آگے بڑھکر ہات پھیلادیئے، وہ ہنستے ہوئے پاس آآکر نکل جاتے تھے، بالآخر آپ نے اُنکو پکڑ لیا، ایک ہات انکی ٹھوڑی پر اور ایک سر پر رکھکر سینہ سے لپٹالیا، پھر فرمایا کہ حسین میرا ہی اور مین اُسکا ہون [۳]

اکثر امام حسن علیہ السلام کو گود مین لیتے اور اُن کے منھ مین منھ ڈالتے اور فرماتے کہ خدایا مین اس کو چاہتا ہون اور اُسکو بھی چاہتا ہون جو اس کو چاہے۔

آپ کے داماد (حضرت زینب کے شوہر) جب بدر مین قید ہوکر آئے تو فدیہ کی رقم ادا نہ کرسکے تو گھر کہلا بھیجا، حضرت

---

[۱] یہ تمام روایتین شمائل ترمذی مین مذکور ہین، اخیر حدیث کے ایک راوی کی نسبت ترمذی نے لکھا ہے کہ بعض اہل علم نے اس کو ضعیف الحافظہ کہا ہے، [۲] ادب المفرد بخاری صفحہ ۱۵۔ [۳] ادب المفرد بخاری صفحہ ۷۳،

زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار بھیجدیا، یہ وہ ہار تھا کہ حضرت زینب کے جہیز مین حضرت خدیجہ رضؓ نے انکو دیا تھا، آنحضرت صلعم نے ہار دیکھا تو بیتاب ہوگئے اور آنکھون سے آنسو نکل آئے، پھر صحابہ سے فرمایا کہ اگر تمہاری مرضی ہو تو یہ ہار زینب کو بھیجدون، سب نے بسر وچشم منظور کیا،

حضرت زینب کی کمسن صاحبزادی کا نام امامتہ تھا، اُن سے آپ کو بہت محبت تھی، آپ نماز پڑھنے مین بھی اُنکو ساتھ رکھتے جب آپ نماز پڑھتے تو وہ دوشِ مبارک پر سوار ہوجاتین، رکوع کے وقت آپ ان کو کاندھے سے اُتار دیتے پھر کھڑے ہوتے تو وہ پھر سوار ہوجاتین، روایتون کے الفاظ سے مفہوم ہوتا ہی کہ آنحضرت صلعم خود انکو کاندھون پر بٹھالیتے اور اُتار دیتے تھے، لیکن ابن القیم نے لکھا ہی کہ یہ عمل کثیر ہے، وہ خود سوار ہوجاتی ہون گی اور منع نہ فرماتے ہونگے،

(آپ کی ایک نواسی حالتِ نزع مین تھین، صاحبزادی نے بلا بھیجا، آپ تشریف لے گئے تو لڑکی اسی حالت مین آغوشِ مبارک مین رکھ دی گئی، آپ نے اُسکی حالت دیکھی تو آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، حضرت سعد نے کہا یا رسول اللہ آپ یہ کیا کر رہے ہین، آپ نے فرمایا یہ رحم ہے جسکو خدا نے اپنے بندون کے دل مین ڈالدیا ہے،

حضرت ابراہیم کی وفات مین بھی آپ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا تھا، آنکھین آنسو بہا رہی ہین، دل غمزدہ ہورہا ہے، لیکن منھ سے ہم وہی باتین کہین گے جس کو خدا پسند کرتا ہے، لیکن یہ محبت صرف اپنے ہی آل واولاد تک کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ عموماً بچون سے آپ کو اُنس تھا،)

ازواج مطہرات

حضرت خدیجہ رضہ

سلسلۂ نسب یہ ہی، خدیجہ بنت خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی، قصی پر پہنچکر انکا خاندان رسول اللہ صلعم کے خاندان سے ملجاتا ہے، آنحضرت صلعم کی بعثت سے پہلے وہ طاہرہ کے لقب سے مشہور تھین، انکی والدہ فاطمہ بنت زایدہ تھین، انکے والد اپنے قبیلہ مین ممتاز تھے، مکہ مین آکر سکونت اختیار کی اور بنو عبد الدار کے حلیف[1] بنے، عامر بن لوی کے خاندان مین فاطمہ بنت زایدہ سے نکاح کیا، انکے بطن سے حضرت خدیجہ پیدا ہوئین، انکی پہلی شادی ابوہالہ بن زرارہ تمیمی سے ہوئی، ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام ہند[2] تھا، ابوہالہ کے انتقال کے بعد عتیق بن عائذ مخزومی کے عقد نکاح مین آئین ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی کہ اُس کا نام بھی ہند تھا، اسی بنا پر حضرت خدیجہ ام ہند کے نام سے پکاری جاتی تھین، ہند نے اول اسلام قبول کیا، آنحضرت صلعم کا مفصل حلیہ انھی کی روایت سے منقول ہی، نہایت فصیح و بلیغ تھے، حضرت علی کے ساتھ جنگ جمل مین شریک تھے اور شہید ہوئے[3]،

عتیق کے انتقال کے بعد حضرت خدیجہ رضہ رسول اللہ صلعم کے عقد نکاح مین آئین جس کے مفصل حالات گذر چکے، آنحضرت صلعم سے چھ اولادین ہوئین، دو صاحبزادے کہ دونون بچپن مین انتقال کر گئے اور چار صاحبزادیان، حضرت فاطمہ زہرا، حضرت زینب. حضرت رقیہ. حضرت ام کلثوم، ان سب کے حالات آگے آئین گے،

حضرت خدیجہ کی ایک بہن ہالہ تھین وہ اسلام لائین اور حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد تک زندہ رہین،

حضرت خدیجہ سے آنحضرت صلعم کو بے انتہا محبت تھی، وہ جب عقد نکاح مین آئین تو انکی عمر چالیس برس کی تھی اور آنحضرت صلعم پچیس سالہ تھے، نکاح کے بعد وہ پچیس برس تک زندہ رہین، ان کی زندگی تک آنحضرت صلعم نے دوسری شادی نہین کی، حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد آپ کا معمول تھا کہ جب کبھی گھر مین کوئی جانور ذبح ہوتا تو آپ ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر حضرت خدیجہ رضہ

---

[1] طبقات ابن سعد ذکر خدیجہ کتاب النسا، [2] طبقات ابن سعد [3] اصابہ ذکر ہند۔

کی ہمنشین عورتون کے پاس گوشت بھجواتے تھے، حضرت عائشہ کہتی ہین کہ گو مین نے خدیجہ کو نہین دیکھا، لیکن مجکو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہین آتا تھا، جسکی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلعم ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے، ایک دفعہ مین نے اسپر آپ کو رنجیدہ کیا، لیکن آپ نے فرمایا کہ خدانے مجکو اُن کی محبت دی ہے[1]،

ایک دفعہ اُن کے انتقال کے بعد انکی بہن ہالہ آنحضرت صلعم سے ملنے آئین اور استیذان کے قاعدہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی، ان کی آواز حضرت خدیجہ سے ملتی تھی، آپ کے کانون مین آواز پڑی تو حضرت خدیجہ یاد آگئین، اور آپ جھجک اُٹھے اور فرمایا کہ "ہالہ"، ہونگی، حضرت عائشہ بھی موجود تھین، ان کو نہایت رشک ہوا، بولین کہ "آپ کیا ایک بڑھیا کی یاد کیا کرتے ہین جو مر چکین، اور خدانے اُن سے اچھی آپ کو بیویان دین"، صحیح بخاری مین یہ روایت یہین تک ہے، لیکن استیعاب مین ہے کہ اس کے جواب مین آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہرگز نہین، جب لوگون نے میری تکذیب کی تو انھون نے تصدیق کی۔ جب لوگ کافر تھے تو وہ اسلام لائین، جب میرا کوئی معین نہ تھا تو انھون نے میری مدد کی"،

حضرت سودۃؓ بنت زمعہ

ازواج مطہرات مین یہ فضیلت صرف حضرت سودۃ کو حاصل ہے کہ حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد سب سے پہلے وہی آنحضرت صلعم کے عقد نکاح مین آئین، وہ ابتداے نبوت مین مشرف باسلام ہو چکی تھین، اس بنا پر ان کو قدیم الاسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، انکی شادی پہلے سکران بن عمرو سے ہوئی تھی، حضرت سودۃ انھین کے ساتھ اسلام لائین اور انہی کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت (ہجرت ثانیہ) کی، حبشہ سے مکہ کو واپس آئین، سکران نے کچھ دن کے بعد وفات پائی، اور ایک لڑکا یادگار چھوڑا جس کا نام عبد الرحمن تھا، اُنھون نے جنگ جلولاء مین شہادت حاصل کی،

حضرت خدیجہ کے انتقال سے آنحضرت صلعم نہایت پریشان و غمگین تھے، یہ حالت دیکھکر خولہ بنت حکیم نے عرض کی کہ آپکو ایک مونس و رفیق کی ضرورت ہے، آپ نے فرمایا ہان، گھر بار بال بچون کا انتظام سب خدیجہ کے متعلق تھا، آپ کے ایماء سے وہ حضرت سودۃ کے والد کے پاس گئین اور جاہلیت کے طریقہ پر سلام کیا، اَنْعِمْ صَبَاحًا، پھر نکاح کا پیغام سنایا، انھون

[1] صحیح مسلم فضائل خدیجہ رض

نے کہا ہان محمد صلعم شریف کفو ہین لیکن سودۃ سے بھی تو دریافت کرو، غرض سب مراتب طے ہو گئے تو آنحضرت خود تشریف لے گئے اور سودۃ کے والد نے نکاح پڑھایا[1]، چارسو درہم مہر قرار پایا، نکاح کے بعد عبداللہ بن زمعہ (حضرت سودۃ کے بھائی) جو اُسوقت کافر تھے آئے، اور اُنکو یہ حال معلوم ہوا تو سر پر خاک ڈال لی کہ کیا غضب ہو گیا، چنانچہ اسلام لانے کے بعد اپنی اس حماقت شعاری پر ہمیشہ اُنکو افسوس آتا تھا،

حضرت عائشہ اور سودۃ کا خطبہ اور نکاح چونکہ قریب قریب ایک ہی زمانہ مین ہوا، اس لیے مورخین مین اختلاف ہے کہ کس کو تقدم حاصل ہے، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ سودۃ کو تقدم ہے، عبداللہ بن محمد بن عقیل کا قول ہے کہ وہ حضرت عائشہ کے بعد نکاح مین آئین،

شکل وشباہت | حضرت سودۃ بلند بالا اور فربہ اندام تھین اور اس وجہ سے تیزی کے ساتھ چل پھر نہین سکتی تھین، حجۃ الوداع مین جب مزدلفہ سے روانہ ہونے کا وقت آیا تو اُنھون نے آنحضرت صلعم سے اِسی بنا پر سب سے پہلے چلنے کی اجازت مانگی کہ اُن کو بھیڑ بھاڑ مین چلنے سے تکلیف ہو گی،

آیت حجاب سے پہلے عرب کے قدیم طرز پر ازواج مطہرات قضائے حاجت کے لیے صحرا کو جایا کرتی تھین، حضرت عمر کو یہ ناگوار ہوتا تھا اس بنا پر آنحضرت صلعم کی خدمت مین پردہ کی تحریک کرتے رہتے تھے، لیکن ابھی انکی استدعا قبول نہین ہوئی تھی کہ حضرت سودۃ رات کے وقت قضاے حاجت کے لیے نکلین، چونکہ انکا قد نمایان تھا حضرت عمر نے کہا، سودۃ! تمکو ہمنے پہچان لیا، اسی واقعہ کے بعد آیت حجاب نازل ہوئی[2]،

---

[1] طبقات مین ہے کہ رمضان سنہ ۱۰ھ مین انکا نکاح ہوا۔ زرقانی نے سنہ ۸ھ بھی لکھا ہے، یہ اختلاف اس بنا پر ہے کہ خود حضرت خدیجہ کے وفات کے سنہ مین اختلاف ہے،

[2] بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۶، آیت حجاب کے شان نزول مین سخت اختلاف ہے، ایک روایت تو یہی ہے، دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت عمر نے رسول اللہ صلعم سے کہا کہ آپ کے یہان نیک و بد ہر قسم کے لوگ آتے ہین، کاش آپ انکو پردے کا حکم دیتے، ابن جریر نے اپنی تفسیر مین مجاہد سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، حضرت عائشہ بھی شریک طعام تھین، ایک آدمی کا ہاتھ حضرت عائشہ کے ہاتھ سے چھو گیا، رسول اللہ صلعم کو ناگوار گذرا، اسپر آیت حجاب اُتری، عام طور پر مشہور ہے کہ حضرت زینب کے دعوت ولیمہ مین آیت حجاب نازل ہوئی، چنانچہ صحاح مین یہ واقعہ بہ تفصیل موجود ہے، حافظ ابن حجر نے ان روایتون مین یہ تطبیق دی ہے کہ آیت حجاب کے نزول کے متعدد اسباب تھے جنمین آخری سبب حضرت زینب کا واقعہ تھا اور وہی آیت کا شان نزول ہے کیونکہ خود آیت مین واقعہ کی طرف اشارے پائے جاتے ہین، (فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۲۱۹)

اخلاق و عادات آنحضرت صلعم کے اخلاق و عادات مین سخاوت وفیاضی ایک نمایان وصف تھا، اس بنا پر صحابہ مین جس کو آپ سے جس قدر تقرب حاصل تھا اُسی قدر اسپر اس وصفِ خاص کا زیادہ اثر پڑتا تھا، ازواج مطہرات کو آپ کی اخلاق و عادات وفیض صحبت سے متمتع ہونیکا سب سے زیادہ موقع حاصل تھا، اس لیے یہ وصف اُن مین عموماً نظر آتا ہے، حضرت سودہ اس وصف مین بہ استثنائے حضرت عائشہ سب سے ممتاز تھین، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے انکی خدمت مین ایک تھیلی بھیجی، لانے والے سے پوچھا اس مین کیا ہی، بولا درہم، بولین کھجور کی طرح تھیلی مین درہم بھیجے جاتے ہین، یہ کہکر اُسی وقت سبکو تقسیم کردیا،

اطاعت اور فرمان برداری بھی ان کا خاص وصف ہی، اور اس وصف مین وہ تمام ازواج مطہرات سے ممتاز ہین،

روایت حدیث ان کے ذریعہ سے صرف پانچ حدیثین مروی ہین جن مین سے بخاری مین صرف ایک ہی، صحابہ مین حضرت عبداللہ بن عباس، اور یحیی بن عبدالرحمن بن اسعد بن زرارہ نے اُن سے روایت کی ہے،

وفات حضرت سودہ کے سنہ وفات مین اختلاف ہے، واقدی کے نزدیک انھون نے امیر معاویہ کے زمانۂ خلافت ۵۴ھ مین وفات پائی، حافظ ابن حجر اُن کا سال وفات ۵۵ھ قرار دیتے ہین۔ امام بخاری نے تاریخ مین بسند صحیح روایت کی ہی کہ حضرت عمرؓ کی خلافت مین انتقال کیا، ذہبی نے تاریخ کبیر مین اس پر یہ اضافہ کیا ہی کہ حضرت عمر کی خلافت کے آخری زمانہ مین وفات کی، حضرت عمر نے ۲۳ھ مین وفات پائی ہی، اس لیے اُنکا زمانۂ وفات ۲۲ھ ہوگا، خمیس مین ہے کہ یہی روایت سب سے زیادہ صحیح ہے[1]،

حضرت عائشہؓ[2]

عائشہؓ نام تھا، اگرچہ اُن سے کوئی اولاد نہین ہوئی تاہم اپنے بھانجے عبداللہ بن زبیر کے تعلق سے ام عبداللہ کنیت کرتی تھین، مان کا نام زینب، اور ام رومان کنیت تھی، بعثت کے چار برس بعد پیدا ہوئین،

۱۰ نبوی مین آنحضرت صلعم کے ساتھ نکاح ہوا، اُسوقت شش سالہ تھین، آنحضرت صلعم سے پہلے جبیر بن مطعم کے

---

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۶۲ مین یہ تفصیل مذکور ہے۔ طبقات ابن سعد مین صرف پہلی روایت نقل کی ہے۔

[2] حضرت عائشہ کے حالات اور خصوصاً ان کے علمی اجتہادات کے لیے الگ مستقل تصنیف درکار ہی۔ یہان صرف ضروری سوانح زندگی لکھدیے گئے ہین۔

صاحبزادے سے منسوب تھین، حضرت خدیجہ کے انتقال کے بعد خولہ بنت حکیم نے آنحضرت صلعم سے نکاح کی تحریک کی، آپ نے رضامندی ظاہر کی، خولہ نے ام رومان سے کہا، انھون نے حضرت ابوبکر سے مذکور کیا، بولے کہ جبیر بن مطعم سے وعدہ کر چکا ہون اور مین نے کبھی وعدہ خلافی نہین کی، لیکن مطعم نے خود اس بنا پر انکار کر دیا کہ اگر حضرت عائشہ انکے گھر مین گئین تو گھر مین اسلام کا قدم آجائیگا، بہرحال حضرت ابوبکر نے خولہ کے ذریعہ سے آنحضرت صلعم سے عقد کر دیا، چارسو درہم مہر قرار پایا، لیکن مسلم مین حضرت عائشہ سے روایت ہی کہ ازواج مطہرات کا مہر پانچسو درہم ہوتا تھا۔

نکاح کے بعد مکہ مین آنحضرت صلعم کا قیام ۳ سال تک رہا، ۱۳ سنہ مین آپ نے ہجرت کی تو حضرت ابوبکر ساتھ تھے، اہل وعیال کو مکہ مین چھوڑ آئے تھے، جب مدینہ مین اطمینان ہوا تو حضرت ابوبکر نے عبداللہ بن اریقط کو بھیجا کہ ام رومان، اسماء اور عائشہ کو لے آئین، آنحضرت صلعم نے بھی زید بن حارثہ ابورافع کو حضرت فاطمہ، ام کلثوم اور حضرت سودہ وغیرہ کے لانے کے لیے روانہ فرمایا، مدینہ مین آکر حضرت عائشہ سخت بخار مین مبتلا ہوئین، اشتداد مرض سے سر کے بال تک جھڑ گئے، صحت ہوئی تو ام رومان کو رسم عروسی ادا کرنے کا خیال آیا، اسوقت حضرت عائشہ کی عمر ۹ سال کی تھی، سہیلیون کے ساتھ جھولا جھول رہی تھین کہ ام رومان نے حضرت عائشہ کو آواز دی، انکو اس واقعہ کی خبر تک نہ تھی، مان کے پاس آئین، انھون نے منھ دھویا، بال درست کئے، گھر مین لے گئین، انصار کی عورتین انتظار مین تھین، یہ گھر مین داخل ہوئین تو سب نے مبارکباد دی، چاشت کے وقت آنحضرت صلعم تشریف لائے، اور رسم عروسی ادا ہوئی، شوال مین نکاح ہوا تھا، اور شوال ہی مین یہ رسم بھی ادا کی گئی۔ زمانۂ قدیم مین اس مہینہ مین طاعون آیا تھا، اس بنا پر اہل عرب اس مہینہ کو اس تقریب کے لیے مکروہ خیال کرتے تھے، اس خیال کے مٹانے کے لیے غالباً یہ مہینہ انتخاب کیا گیا تھا،

وفات

حضرت عائشہ نے آنحضرت صلعم کے ساتھ ۹ برس تک زندگی بسر کی، نو سال کی عمر مین وہ آپ کے پاس آئین، اور جب آنحضرت صلعم نے انتقال فرمایا تو انکی عمر ۱۸ سال کی تھی، آنحضرت ؐ کے بعد حضرت عائشہ قریباً ۴۸ سال تک زندہ رہین، ۵۸ھ مین وفات پائی اسوقت انکی عمر ۶۶ سال کی تھی، وصیت کے مطابق جنۃ البقیع مین رات کے وقت دفن ہوئین، قاسم بن محمد، عبداللہ بن عبدالرحمن۔ عبداللہ بن ابی عتیق۔ عروہ بن زبیر۔ اور عبداللہ بن زبیر نے قبر مین اتارا، اسوقت حضرت ابوہریرہ

مروان بن حکم کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے، اس لیے انھون نے نماز جنازہ پڑھائی،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حضرت عائشہ سے بہت محبت تھی، اسی محبت سے آپ نے مرض الموت مین تمام ازواج مطہرات سے اجازت لی، اور اپنی زندگی کے آخری دن حضرت عائشہ کے حجرے مین بسر کیے، اس محبت کا اظہار جن طریقون سے ہوتا تھا ان کے متعلق احادیث وسیر مین نہایت کثرت سے واقعات درج ہین۔

علمی زندگی

حضرت عائشہ کی علمی زندگی بھی نمایان حیثیت رکھتی ہے، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان کے زمانہ مین فتوے دیتی تھین، اکابر صحابہ پر انھون نے دقیق اعتراضات کیے ہین، جنکو علامہ سیوطی نے ایک رسالہ مین جمع کر دیا ہے، اُن سے ۲۲۱۰ حدیثین مروی ہین، جن مین ۱۷۴ حدیثون پر شیخین نے اتفاق کیا ہی، امام بخاری نے منفرداً اُن سے ۵۴ حدیثین روایت کی ہین۔ ۶۸ حدیثون مین امام مسلم منفرد ہین، بعض لوگون کا قول ہی کہ احکام شرعیہ مین سے ایک چوتھائی ان سے منقول ہی، ترمذی مین ہی کہ صحابہ کے سامنے جب کوئی مشکل سوال پیش آجاتا تھا تو اس کو حضرت عائشہ ہی حل کرتی تھین، اُن کے شاگردون کا بیان ہے کہ ہمنے اُن سے زیادہ کسی کو خوش تقریر نہین دیکھا، تفسیر، حدیث، اسرار شریعت، خطابت اور ادب وانساب مین ان کو کمال تھا، شعرا کے بڑے بڑے قصیدے اُن کو زبانی یاد تھے، حاکم نے مستدرک مین اور ابن سعد نے طبقات مین بتفصیل ان واقعات کو لکھا ہے اور مسند ابن حنبل وغیرہ مین بھی جستہ جستہ اُن کے فضل وکمال کے دلائل وشواہد ملتے ہین۔)

حضرت حفصہ رضہ

حضرت حفصہ، حضرت عمر کی صاحبزادی تھین، مان کا نام زینب بنت مظعون تھا، بعثت سے پانچ برس پہلے عین اوس سال جب قریش خانہ کعبہ کو تعمیر کر رہے تھے پیدا ہوئین، اُن کی پہلی شادی خنیس بن حذافہ سے ہوئی، اور انھی کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی، خنیس نے غزوۂ بدر مین زخم کھائے، اور واپس آکر انھین زخمون کی وجہ سے شہادت[1] پائی، خنیس نے اپنی یادگار

[1] زرقانی جلد ۳ صفحہ ۲۷۰، عام طور پر یہی مشہور ہی لیکن اصابہ مین ہی کہ غزوہ احد مین شہید ہوئے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین لکھا ہے کہ حضرت عمر نے رقیہ کے انتقال کے بعد حضرت عثمان سے انکے نکاح کی خواہش کی تھی اور یہ مسلم ہے کہ حضرت رقیہ کا انتقال غزدۂ بدر کے بعد ہوا۔ اور اسی وجہ سے حضرت عثمان شریک غزوۂ بدر نہ ہوسکے اس سے ثابت ہوتا ہی کہ خنیس نے غزدۂ بدر کے بعد وفات پائی۔ دوسری روایت مین ہے کہ حضرت عثمان مغموم بیٹھے ہوئے تھے، حضرت عمر اُدھر سے گزرے، اور پوچھا کہ حفصہ سے نکاح کرتے ہو، اسکی عدت گزرگئی۔ اگر خنیس نے احد مین شہادت پائی ہوتی تو ان کی عدت کا زمانہ ۳ھ ہوتا۔ حالانکہ انکا نکاح ۳ھ مین ہوا۔ (فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۱۵۲-۱۵۳)

مین حضرت حفصہ کے بطن سے کوئی اولاد نہین[1] چھوڑی، حضرت حفصہ کے بیوہ ہو جانے کے بعد حضرت عمر کو اُنکے نکاح کی فکر ہوئی، سو، اتفاق سے اُسی زمانہ مین حضرت رقیہ کا انتقال ہو چکا تھا، اس بنا پر سب سے پہلے حضرت عمر نے انکے نکاح کی خواہش حضرت عثمان سے کی، اُنھون نے کہا مین اس معاملہ مین غور کرون گا، حضرت عمر نے، حضرت ابوبکر سے ذکر کیا انھون نے خاموشی اختیار کی، حضرت عمر کو انکی بے التفاتی سے رنج ہوا، اس کے بعد خود جناب رسالت پناہ نے حضرت حفصہ سے نکاح کی خواہش کی، نکاح ہو گیا تو حضرت ابوبکر حضرت عمر سے ملے اور کہا کہ جب تمنے مجھ سے حفصہ کے نکاح کی درخواست کی اور مین خاموش رہا تو تمکو ناگوار گذرا، لیکن مین نے اسی بنا پر کچھ جواب نہین دیا کہ رسول اللہ نے انکا ذکر کیا تھا، اور مین آپ کا راز فاش کرنا نہین چاہتا تھا اگر رسول اللہ نے انسے نکاح نہ کر لیا ہوتا تو مین اس کے لیے آمادہ[2] تھا،

حضرت حفصہ آخر حضرت عمر کی بیٹی تھین، اس لیے مزاج مین ذرا تیزی تھی، **صحیح بخاری** مین واقعۂ ایلاء کے متعلق خود حضرت عمر کا بیان ہے "کہ ہم لوگ زمانۂ جاہلیت مین عورتون کو کوئی چیز نہین سمجھتے تھے، مین ایک دن کسی معاملہ مین غور کر رہا تھا، اتفاق سے میری بی بی نے مجکو مشورہ دیا، مین نے کہا تم کو ان معاملات مین کیا دخل ہے، بولین کہ تم میری بات پسند نہین کرتے، حالانکہ تمھاری بیٹی رسول اللہ کو برابر کا جواب دیتی ہے، مین اٹھا اور حفصہ کے پاس آیا، مین نے کہا بیٹی! تم رسول اللہ کو جواب دیتی ہو۔ یہانتک کہ آپ دن بھر رنجیدہ رہتے ہین، بولین ہان ہم ایسا کرتے ہین، مین نے کہا خبردار، مین تمھین عذاب الٰہی سے ڈراتا ہون، تم اس کے گھمنڈ مین نہ آجانا جس کے حُسن نے رسول اللہ کو فریفتہ کر لیا[3] ہے، (یعنی عائشہ)

ترمذی مین ہے کہ ایک دفعہ حضرت صفیہ رو رہی تھین، آنحضرت صلعم تشریف لائے اور رونے کی وجہ پوچھی اُنھون نے کہا، "مجکو حضرت حفصہ نے کہا ہے کہ تم یہودی کی بیٹی ہو" آپ نے فرمایا "تم نبی کی بیٹی ہو، تمھارا چچا پیغمبر ہے، اور پیغمبر کے نکاح مین ہو، حفصہ تم پر کس بات مین فخر کر سکتی[4] ہے"

ایک بار حضرت عائشہ اور حفصہ نے صفیہ سے کہا کہ "ہم رسول اللہ کے نزدیک تم سے زیادہ معزز ہین، ہم آپ کی بیوی بھی ہین اور چچازاد بہن بھی"، حضرت صفیہ کو ناگوار گذرا، اُنھون نے آنحضرت صلعم سے اسکی شکایت کی، آپ نے فرمایا کہ "تم نے

---

[1] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۷۱۱، [2] بخاری جلد ۲ صفحہ ۵۶۸، [3] صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۷۳۰، [4] ترمذی صفحہ ۶۴۰ کتاب المناقب۔

یہ کیون نہین کہا کہ تم مجھ سے زیادہ کیونکر معزز ہوسکتی ہو، میرے شوہر محمدؐ، میرے باپ ہارون، اور میرے چچا موسیٰ ہین"

حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ، حضرت ابوبکر اور عمرؓ کی بیٹی تھین، جو تقرب نبوی مین دوش بدوش تھے، اس بنا پر حضرت عائشہ اور حفصہ بھی دیگر ازواج کے مقابلہ مین باہم ایک تھین، لیکن کبھی کبھی خود بھی باہم رشک و رقابت کا اظہار ہوجایا کرتا تھا، ایک مرتبہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ دونون آنحضرت صلعم کے ساتھ سفر مین تھین، رسول اللہ راتون کو حضرت عائشہ کے اونٹ پر چلتے تھے، اور اُن سے باتین کرتے تھے، ایک دن حضرت حفصہ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ آج رات کو تم میرے اونٹ پر، اور مین تمہارے اونٹ پر سوار ہون تاکہ مختلف مناظر دیکھنے مین آئین، حضرت عائشہ راضی ہوگئین، آنحضرت صلعم حضرت عائشہ کے اونٹ کے پاس آئے جس پر حفصہ سوار تھین، جب منزل پر پہنچے اور حضرت عائشہ نے آپ کو نہین پایا تو اپنے پانون کو اذخر (ایک گھاس ہی جس مین سانپ بچھو رہتے ہین) کے درمیان لٹکا کر کہنے لگین "خداوندا کسی بچھو یا سانپ کو متعین کر جو مجھے ڈس جائے"[1]

وفات حضرت حفصہ نے ۴۵ھ مین جو امیر معاویہ کی خلافت کا زمانہ تھا، وفات پائی، وفات سے پیشتر اپنے بھائی عبد اللہ بن عمر سے اس وصیت کی تجدید کی جو حضرت عمرؓ نے ان کو کی تھی، کچھ جائداد بھی وقف کی، اور کچھ مال صدقہ مین دیا، مروان بن حکم نے جو اسوقت مدینہ کا گورنر تھا، نماز جنازہ پڑھائی، اور بنی حزم کے گھر سے مغیرہ بن شعبہ کے گھر تک جنازہ کو کاندھا دیا، یہان سے قبر تک حضرت ابوہریرہؓ جنازے کو لے گئے، ان کے بھائی، عبد اللہ، عاصم، سالم، عبد اللہ، حمزہ، عبد اللہ بن عمر کے لڑکون نے قبر مین اُتارا[2]،

---

[1] اس امر کا خاص طور پر لحاظ رکھنا چاہیے کہ ازواج مطہرات مین اس قسم کی روایتین صرف حضرت حفصہ و عائشہ کے متعلق مذکور ہین، اس لیے اسکے اسباب کی تلاش کرنی چاہئے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر کے ساتھ منافقین کو جو عداوت تھی وہ قابل لحاظ ہی۔

[2] حضرت حفصہ کے بھی سنہ وفات مین اختلاف ہی، ایک روایت ہی کہ جمادی الاول ۴۱ھ مین وفات پائی، اُسوقت ان کا سن ۵۹ سال کا تھا۔ لیکن اگر سنہ وفات ۴۵ھ قرار دیا جائے تو انکی عمر ۶۳ سال کی ہوگی، ایک روایت ہے کہ انھون نے حضرت عثمان کی خلافت مین ۲۷ھ مین انتقال کیا۔ یہ روایت اس بنا پر پیدا ہوگئی کہ وہب نے ابن مالک سے روایت کی کہ جس سال افریقہ فتح ہوا، حفصہ نے اسی سال وفات پائی، اور افریقہ حضرت عثمان کی خلافت مین ۲۷ھ مین فتح ہوا۔ لیکن یہ سخت غلطی ہے، افریقہ دو مرتبہ فتح ہوا ہے۔ اس دوسری فتح کا فخر معاویہ بن خدیج کو حاصل ہے۔ اور یہ فتح ۴۵ھ مین ہوئی۔ وہب بن مالک نے حفصہ کا سال وفات اسی فتح کے سنہ کو قرار دیا ہے۔

زینب ام المساکین رضہ

زینب نام تھا، چونکہ فقرار و مساکین کو نہایت فیاضی کے ساتھ کھانا کھلایا کرتی تھین اس لیے ام المساکین کی کنیت کے ساتھ مشہور ہوگئین، آنحضرت صلعم سے پہلے عبد اللہ بن جحش کے نکاح مین تھین. عبد اللہ بن جحش نے جنگ اُحد ۳ھ مین شہادت پائی اور آنحضرت صلعم نے اُسی سال اُن سے نکاح کرلیا، نکاح کے بعد آنحضرت صلعم کے پاس صرف دو تین مہینے رہنے پائی تھین کہ ان کا انتقال ہوگیا، آنحضرت صلعم کی زندگی مین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد صرف یہی ایک بی بی تھین، جھنون نے وفات پائی، آنحضرت صلعم نے خود نماز جنازہ پڑھائی اور جنۃ البقیع مین دفن ہوئین. وفات کے وقت انکی عمر ۳۰ سال کی تھی

حضرت ام سلمہ رضہ

ہند نام، ام سلمہ کنّیت تھی، باپ کا نام سھیل، اور مان کا عاتکہ تھا، پہلے عبد اللہ بن عبد الاسد کے نکاح مین آئین۔ (جو زیادہ تر ابو سلمہ کے نام سے مشہور ہین، اور) جو انکے چچازاد، اور رسول اللہ صلعم کے رضاعی بھائی تھے، اپنے شوہر ہی کے ساتھ اسلام لائین اور اُن ہی کے ساتھ سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی، چنانچہ سلمہ ان کے بیٹے حبشہ ہی مین پیدا ہوئے، حبشہ سے مکہ مین آئین، اور یہان سے مدینہ کو ہجرت کی، ہجرت مین انکو یہ فضیلت حاصل ہوئی کہ اہل سیر کے نزدیک وہ پہلی عورت ہین جو ہجرت کرکے مدینہ مین آئین،

اِن کے پہلے شوہر ابو سلمہ بڑے شہسوار تھے، مشہور غزوات بدر و اُحد مین شریک ہوئے، غزوۂ احد مین چند زخم کھائے جنکے صدمہ سے جانبر نہ ہوسکے، اور جمادی الثانی ۴ھ مین وفات پائی اُن کے جنازہ کی نماز نہایت اہتمام سے پڑھی گئی آنحضرت صلعم نے ۹ تکبیرین کہین، لوگون نے نماز کے بعد پوچھا یا رسول اللہ آپ کو سہو تو نہین ہوا، فرمایا یہ ہزار تکبیر کے مستحق تھے، ابو سلمہ کی وفات کے وقت ام سلمہ حاملہ تھین وضع حمل کے بعد جب عدت گذر گئی تو آنحضرت صلعم نے اُن سے نکاح کرنا چاہا تو انھون نے چند عذر پیش کیے،

۱ مین سخت غیور عورت ہون۔

۲۔ صاحب عیال ہون،

۲- میرا سن زیادہ ہے،

آنحضرت صلعم نے اِن سب زحمتون کو گوارا کیا،

وفات | اہل سیر متفق اللفظ ہین کہ ازواج مطہرات مین سب کے بعد حضرت ام سلمہؓ نے وفات پائی، لیکن ان کے سنہ وفات مین نہایت اختلاف ہے، واقدی نے ۵۹ھ بتایا ہی، ابراہیم حربی کے نزدیک ۶۲ھ ہی، اور تقریب مین اسی کو صحیح کہا ہے، امام بخاری نے تاریخ کبیر مین لکھا ہے کہ ۵۸ھ مین وفات پائی، بعض روایتون مین ہی کہ ۶۱ھ مین جب امام حسین کی شہادت کی خبر آئی اُسوقت اُنکا انتقال ہوا ہے، ابن عبد اللہ نے اِس روایت کی تصحیح کی ہے،

اِس اختلاف روایت کی حالت مین سنہ وفات کی تعین مشکل ہی تاہم یہ یقینی ہے کہ وہ واقعۂ حرّہ تک زندہ تھین۔ مسلم مین ہے کہ حارث بن عبد اللہ بن ابی ربیعہ اور عبد اللہ بن صفوان ام سلمہ کے خدمت مین حاضر ہوئے، اور اُس لشکر کا حال پوچھا جو زمین مین دھنس جائے گا، یہ سوال اُسوقت کیا گیا تھا جب یزید نے مسلم بن عقبہ کو لشکرِ شام کے ساتھ مدینہ کی طرف بھیجا تھا، اور واقعہ حرہ پیش آیا تھا، واقعہ حرہ ۶۳ھ مین پیش آیا ہے اسلیے اِس سے پہلے انکی وفات کی تمام روایتین صحیح نہین۔

ابن عبد البر نے لکھا ہی کہ حضرت ام سلمہ کی وصیت کی بنا پر سعید بن زید نے نماز جنازہ پڑھائی، لیکن اس روایت کے صحت مین کلام ہے، سعید بن زید نے باختلاف روایت ۵۰ھ یا ۵۱ھ یا ۵۲ھ مین انتقال کیا ہے، اور یہ یقینی طور پر ثابت ہے کہ اسوقت ام سلمہ زندہ تھین، واقدی نے لکھا ہے کہ ابوہریرہ نے انکا جنازہ پڑھایا، اگر انکی وفات کے وقت سعید بن زید زندہ ہوتے تو حضرت ابوہریرہ خلاف وصیت کیونکر جنازہ پڑھ سکتے تھے۔ بہرحال ازواج مطہرات مین سب کے بعد حضرت ام سلمہ نے وفات پائی، اور وفات کے وقت ان کی عمر ۸۴ سال کی تھی،

فضل وکمال | ازواج مطہرات مین حضرت عائشہ کے بعد فضل وکمال مین انھین کا درجہ ہے۔ ابن سعد نے طبقات مین اسکی تصریح کی ہے، روایت حدیث اور نقل احکام مین حضرت عائشہ کے سوا اور تمام بی بیون پر ان کو فضیلت حاصل ہی، صلح حدیبیہ مین جب صحابہ کو مکہ سے باہر حلق اور قربانی مین تامل تھا تو حضرت ام سلمہ ہی کی تدبیر سے یہ مشکل حل ہوئی، اور یہ انکی دانشمندی اور عقل و ذہانت کی سب سے بہتر مثال ہے، یہ واقعہ صحیح بخاری مین بتفصیل موجود ہے۔

حضرت زینبؓ

ازواج مطہرات مین جوبی بیان حضرت عائشہ کی ہمسری کا دعویٰ رکھتی تھین ان مین حضرت زینبؓ بھی تھین، خود حضرت عائشہ کہتی ہین کانت تسامینی، یعنی وہ میرا مقابلہ کرتی تھین اور انکو اس کا حق بھی تھا، نسبی حیثیت سے وہ آنحضرت صلعم کی پھوپھی زاد بہن تھین، جمال مین بھی ممتاز تھین، آنحضرت صلعم کو بھی اُن سے نہایت محبت تھی، زہد و تورع مین یہ حال تھا کہ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر اتہام لگایا گیا اور اُس اتہام مین خود حضرت زینب کی بہن حمنہ شریک تھین تو آنحضرت صلعم نے اُن سے حضرت عائشہ کی اخلاقی حالت دریافت کی تو انہون نے صاف لفظون مین کہدیا،

مَا عَلِمتُ اِلَّا خَیراً، مجکو حضرت عائشہ کی بھلائی کے سوا کسی چیز کا علم نہین،

حضرت عائشہؓ کو اُن کے اس صدق و اقرارِ حق کا خود اعتراف کرنا پڑا،

عبادت مین نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ مشغول رہتی تھین، جب آنحضرت صلعم نے انکو عقد مین لانا چاہا تو انہون نے کہا کہ مین بغیر استخارہ کے کوئی رائے قائم نہین کرتی،

ایک دفعہ آپ مہاجرین پر کچھ مال تقسیم کر رہے تھے، حضرت زینبؓ اس معاملہ مین کچھ بول اُٹھین، حضرت عمرؓ نے ڈانٹا، آپ نے فرمایا ان سے درگذر کرو، یہ اواہ ہین، (یعنی خاشع و متضرع ہین)

نہایت قانع اور فیاض طبع تھین، خود اپنے دست و بازو سے معاش پیدا کرتی تھین، اور اس کو خدا کی راہ مین لٹا دیتی تھین، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے اُنکا سالانہ نفقہ بھیجا، انھون نے اُسپر ایک کپڑا ڈال دیا اور برزہ بنت رافع کو حکم دیا کہ میرے خاندانی رشتہ دارون اور یتیمون کو تقسیم کردو، برزہ نے کہا آخر ہمارا بھی کچھ حق ہے، انہون نے کہا کپڑے کے نیچے جو کچھ ہو وہ تمہارا ہے، دیکھا تو پچاسی درہم نکلے، جب تمام مال تقسیم ہوچکا تو دعا کی کہ خدایا اس سال کے بعد مین عمرؓ کے عطیہ سے فائدہ نہ اُٹھاؤن، یہ دعا مقبول ہوئی اور اُسی سال اُنکا انتقال ہوگیا،

وفات آنحضرت صلعم نے ازواج مطہرات سے فرمایا تھا،

اَسرَعُکُنَّ لِحَاقاً بِی اَطوَلُکُنَّ یَداً، تم مین مجھ سے جلد وہ ملیگی جس کا ہاتھ لمبا ہوگا،

یہ استعارۃً فیاضی کی طرف اشارہ تھا، لیکن ازواج مطہرات اُسکو حقیقت سمجھین، چنانچہ باہم اپنے ہاتھون کو ناپا کرتی تھین، حضرت زینبؓ اپنی فیاضی کی بنا پر اس پیشینگوئی کا مصداق ثابت ہوئین، اور ازواج مطہرات مین سب سے پہلے انتقال کیا، کفن کا خود سامان کرلیا تھا اور وصیت کی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی کفن دین تو اُن مین سے ایک کو صدقہ کردینا، چنانچہ یہ وصیت پوری کی گئی، حضرت عمرؓ نے نماز جنازہ پڑھائی اس کے بعد ازواج مطہرات سے دریافت کیا کہ کون قبر مین داخل ہوگا انھون نے کہا وہ شخص جوان کے گھر مین داخل ہوا کرتا تھا، (چنانچہ اسامہ، محمد بن عبداللہ بن جحش، عبداللہ بن ابی احمد بن جحش نے ان کو قبر مین اُتارا)،

سنہ ۲۰ھ مین انتقال کیا، اور ۵۳ برس کی عمر پائی، **واقدی** نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم سے جبوقت نکاح ہوا اُسوقت ۳۵ سال کی تھین،

حضرت جویریہؓ

حضرت جویریہ حارث بن ضرار کی بیٹی تھین جو قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا، مسافع بن صفوان سے شادی ہوئی تھی، جو غزوۂ مریسیع مین قتل ہوا، اس لڑائی مین کثرت سے لونڈی غلام مسلمانون کے ہاتھ آئے، انھی لونڈیون مین حضرت جویریہ بھی تھین، جب مال غنیمت کی تقسیم ہوئی تو وہ ثابت بن قیس بن شماس انصاری کے حصہ مین آئین۔

اسلام مین اگر آقا راضی ہو تو لونڈی غلام کچھ رقم ادا کر کے آزاد ہوسکتے ہین، اس طریقہ کو فقہاء کی اصطلاح مین کتابت کہتے ہین۔ اسی اصول کے موافق حضرت جویریہ مکاتبہ بنگئین، انکو شرط کے موافق ۹، اوقیہ سونا ادا کرنا تھا، لیکن یہ رقم ان کی استطاعت سے بہت زیادہ تھی، وہ رسول اللہ کے پاس آئین اور کہا یا رسول اللہ مین مسلمان کلمہ گو عورت اور جویریہ حارث کی بیٹی ہون، جو اپنی قوم کا سردار ہے، مجھپر جو مصیبتین آئی ہین وہ آپ سے مخفی نہین، مین ثابت بن قیس کے حصے مین آئی اور نو اوقیہ سونے پر اُن سے عہد کتابت کیا، یہ رقم میرے امکان مین نہ تھی، لیکن مین نے آپ کے بھروسہ پر اس کو منظور کرلیا، اور اب آپ سے اس کا سوال کرنے کے لیے آئی ہون، آپ نے فرمایا، تو کیا تم کو اس سے بہتر چیز کی خواہش نہین؟ انھون نے کہا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا، مین یہ رقم ادا کردیتا ہون، اور تم سے نکاح کرلیتا ہون، وہ راضی ہوگئین، آپ نے ثابت بن قیس کو بلایا،

وہ بھی راضی ہوگئے، آپ نے رقم ادا کی اور ان کو آزاد کرکے نکاح کرلیا، یہ چرچا پھیلا تو لوگون نے قبیلۂ بنی مصطلق کے تمام لونڈی غلامون کو اس بنا پر آزاد کردیا کہ آنحضرت صلعم نے ان لوگون سے رشتۂ مصاہرت قائم کرلیا، آزاد شدہ غلامون کی تعداد ایک روایت مین سات سو بتائی گئی ہے، حضرت عائشہ کہتی ہین کہ "جویریہ کی برکت سے سیکڑون گھرانے آزاد کردیے گئے" بعض روائتون مین ہی کہ آنحضرت صلعم سے خود حضرت جویریہ نے یہ خواہش ظاہر کی تھی اور آپ نے تمام قیدیون کو اُنپر ہبہ کردیا تھا

حضرت جویریہ نے ۵۰ھ مین وفات پائی اور جنۃ البقیع مین دفن ہوئین، اسوقت انکا سن ۶۵ برس کا تھا،

حضرت ام حبیبہ رض

رملہ نام، اور ام حبیبہ کنیت تھی، آنحضرت صلعم کی بعثت سے ۱۷ سال پہلے پیدا ہوئین اور عبید اللہ بن حجش سے عقد ہوگیا، آنحضرت صلعم مبعوث ہوئے تو دونون مشرف باسلام ہوئے اور حبشہ کی طرف ہجرت ثانیہ کی، ایک روایت ہی کہ انکی بیٹی حبیبہ جنکی کنیت کے ساتھ وہ مشہور ہین، حبشہ ہی مین پیدا ہوئین، حبشہ مین جاکر عبید اللہ بن حجش نے عیسائیت قبول کرلی. لیکن ام حبیبہ اسلام پر قائم رہین، اختلاف مذہب کی بنا پر عبید اللہ بن حجش نے اُن سے علٰحدگی اختیار کی، اور اب وہ وقت آگیا کہ انکو اسلام، اور ہجرت کی فضیلت کے ساتھ ام المومنین بننے کا شرف بھی حاصل ہو، چنانچہ آنحضرت صلعم نے عمرو بن امیۃ الضمری کو نجاشی کی خدمت مین بغرض نکاح بھیجا، جب وہ نجاشی کے پاس پہنچے تو نجاشی نے ام حبیبہ کو اپنی لونڈی ابرھہ کے ذریعہ سے پیغام دیا، کہ آنحضرت صلعم نے مجکو تمہارے نکاح کے لیے لکھا ہی، انھون نے خالد بن سعید اموی کو وکیل مقرر کیا، اور اس مژدہ کے صلہ مین ابرھہ کو چاندی کے دو کنگن اور انگوٹھیان دین، جب شام ہوئی تو نجاشی نے جعفر بن ابی طالب اور وہان کے مسلمانون کو جمع کرکے خود نکاح پڑھایا[1]، اور آنحضرت صلعم کی طرف سے چارسو دینار مہر ادا[2] کیا،

---

[1] سال نکاح مین اختلاف ہی، مشہور یہ ہے کہ ۷ھ مین نکاح ہوا- لیکن بعض روایتون مین ۶ھ بھی بیان کیا گیا ہے. ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن الضمری کو بغرض نکاح بھیجا ہو- اور ۷ھ مین نکاح پڑھایا گیا ہو، اس مین بھی اختلاف ہے کہ نکاح کہان ہوا- اور کس نے پڑھایا لیکن صحیح یہ ہے کہ حبشہ مین نکاح ہوا اور نجاشی نے نکاح پڑھایا-

[2] صحیح روایت یہی ہے. لیکن اور بھی مختلف تعداد بیان کی گئی ہے بعض روائتون مین نوسو دینار ہے. بعضون کے نزدیک چار ہزار دینار ہے- ابو داؤد مین دینار کے بجاے چار ہزار درہم ہے. زہری کی روایت مین چالیس اوقیہ کی تعداد کا ذکر ہے. اسی لیے اگر چاندی ہوگی تو اُس کے سولہ سو درہم ہوتے ہین-

تمام لوگون کے سامنے خالد بن سعید کو یہ رقم دی گئی، تو لوگون نے بعد نکاح اُٹھنا چاہا، لیکن نجاشی نے کہا " دعوت ولیمہ تمام پیغمبرون کی سنت ہی" ابھی بیٹھنا چاہیے، چنانچہ کھانا آیا، لوگ دعوت کھا کے رخصت ہوئے، جب مہر کی رقم ام حبیبہ کو ملی، تو اُنھون نے پچاس دینار ابرھہ کو دیے۔ لیکن اس نے اس رقم کو اس کنگن کے ساتھ جو پہلے دیے گئے تھے یہ کہکر واپس کر دیا کہ بادشاہ نے مجکو منع کر دیا ہے، دوسرے روز ان کی خدمت مین عود، زعفران، عنبر وغیرہ لے کر آئی، جنکو وہ اپنے ساتھ رسول اللہ کی خدمت مین لائین، جب نکاح کے تمام رسومات ادا ہوگئے تو نجاشی نے ان کو شرجبیل بن حسنہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کی خدمت مین روانہ کیا،

ام حبیبہ نے ۴۴ھ مین وفات[1] پائی اور مدینہ مین دفن ہوئین۔

حضرت میمونہ رض

میمونہ نام، باپ کا نام حارث، اور مان کا نام ہند تھا، پہلے مسعود بن عمرو بن عمیر الثقفی کے نکاح مین تھین، مسعود نے طلاق دیدی، تو ابورہم بن عبدالعزیٰ نے نکاح کر لیا، ابورہم کے انتقال کے بعد رسول اللہ صلعم کے نکاح مین آئین، نکاح کے متعلق مختلف روایتین ہین، ایک روایت ہی کہ انھون نے اپنے آپ کو ہبہ کیا،

دوسری روایت ہی کہ آنحضرت صلعم نے مدینہ سے اپنے غلام ابورافع کو اوس بن خولی کے ساتھ وکیل بناکر بھیجا، اور انھون نے ایجاب وقبول کیا۔ لیکن صحیح روایت یہ ہی کہ حضرت عباس نے اس نکاح کی تحریک کی، اور اُنھین نے نکاح پڑھایا،

وفات یہ عجیب حسن اتفاق ہی کہ مقام سرف مین ان کا نکاح ہوا تھا، اور سرف ہی مین انھون نے انتقال بھی کیا، حضرت عبداللہ بن عباس نے جنازہ کی نماز پڑھائی اور قبر مین اتارا، صحاح مین ہی کہ جب ان کا جنازہ اُٹھایا گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا، یہ رسول اللہ صلعم کی بی بی ہین۔ جنازہ کو زیادہ حرکت نہ دو، بہ ادب آہستہ لے چلو،

---

[1] بعضون نے سال وفات ۴۲ھ لکھا ہے۔ ابن ابی خیثمہ کے نزدیک ان کا سال وفات ۵۹ھ ہے بعض لوگون نے ۵۰ھ اور بعضون نے ۵۵ھ بیان کیا ہے، ایک روایت مین یہ بھی ہے کہ دمشق مین مدفون ہوئین۔

سالِ وفات کے متعلق اگرچہ اختلاف ہی لیکن صحیح یہ ہے کہ اُنھون نے ۵۱ھ مین وفات پائی،۔

حضرت صفیہ رض

صفیہ، اصل نام نہ تھا، زرقانی نے لکھاہی کہ عرب مین مال غنیمت کا جو بہترین حصہ امام یا بادشاہ کے لیے مخصوص ہوجاتا تھا، اُس کو صفیہ کہتے تھے، چونکہ وہ جنگ خیبر مین اسی طریقہ کے موافق آنحضرت صلعم کے نکاح مین آئی تھین، اس لیے صفیہ کے نام سے مشہور ہوگئین، ورنہ اصلی نام زینب تھا، باپ کا نام حیی بن اخطب اور مان کا نام ضرہ تھا، حضرت صفیہ کو باپ اور مان دونون کے جانب سے سیادت حاصل تھی، باپ قبیلہ بنو النضیر کا سردار، اور مان قریظہ کے رئیس کی بیٹی تھی، حضرت صفیہ کی شادی پہلے سلام بن مشکم القرظی سے ہوئی تھی، مشکم نے طلاق دی تو کنانہ بن ابی الحقیق کے نکاح مین آئین، کنانہ جنگ خیبر مین مقتول ہوا، حضرت صفیہ کے باپ اور بھائی بھی کام آئے اور خود بھی گرفتار ہوئین، جب خیبر کے تمام قیدی جمع کئے گئے تو دحیہ کلبی نے آنحضرت صلعم سے ایک لونڈی کی درخواست کی، آنحضرت صلعم نے انتخاب کرنے کی اجازت دی، اُنھون نے حضرت صفیہ کو منتخب کیا، لیکن ایک صحابی نے آپ کی خدمت مین آکر عرض کی کہ آپ نے رئیسۂ بنو نضیر و قریظہ کو دحیہ کو دیدیا وہ تو صرف آپ کے قابل ہی، آپ نے حکم دیا کہ دحیہ اس عورت کے ساتھ حاضر ہون، وہ صفیہ کو لیکر آئے تو آپ نے ان کو دوسری لونڈی عنایت فرمائی اور صفیہ کو آزاد کر کے نکاح کرلیا، خیبر سے روانہ ہوئے تو مقام صہبا مین رسم عروسی ادا کی، اور جو کچھ سامان لوگون کے پاس تھا اس کو جمع کر کے دعوت ولیمہ فرمائی، وہان سے روانہ ہوئے تو آپ نے ان کو خود اپنے اونٹ پر سوار کرلیا اور اپنے عبا سے ان پر پردہ کیا، یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ وہ ازواج مطہرات مین داخل ہوگئین۔

حضرت صفیہ کے ساتھ آنحضرت صلعم کو نہایت محبت تھی اور ہر موقع پر ان کی دلجوئی فرماتے تھے، ایک بار آپ سفر مین تھے ازواج مطہرات بھی ساتھ تھین، حضرت صفیہ کا اونٹ سوءِ اتفاق سے بیمار ہوگیا، حضرت زینب کے پاس ضرورت سے زیادہ اونٹ تھے آپ نے ان سے کہا کہ ایک اونٹ صفیہ کو دیدو، انھون نے کہا کیا مین اس یہودیہ کو اپنا اونٹ دون؟ اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اُن سے اس قدر ناراض ہوئے کہ دو مہینے تک اُن کے پاس نہ گئے؛

ایک بار آپ حضرت صفیہ کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ رو رہی ہین، آپ نے رونے کی وجہ پوچھی، انہون نے کہا کہ عائشہ اور زینب کہتی ہین کہ "ہم تمام ازداج مین افضل ہین، ہم آپ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپ کی چچازاد بہن بھی ہین" آپ نے فرمایا کہ تم نے یہ کیون نہ کہدیا کہ ہارون میرے باپ، موسیٰ میرے چچا، اور محمد میرے شوہر ہین، اسلیے تم لوگ کیونکر مجھ سے افضل ہوسکتی ہو"؟

حضرت صفیہ نے ۵۰ھ مین وفات پائی اور جنۃ البقیع مین دفن ہوئین،

اولاد

آنحضرت صلعم کی اولاد کی تعداد مین سخت اختلاف ہی متفق علیہ روایت یہ ہی کہ آپ کے چھ اولادین تھین، قاسم ابراہیم زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ، ان تمام لڑکیون نے اسلام کا زمانہ پایا، اور ہجرت سے شرف اندوز ہوئین، لیکن ابن اسحاق نے دو صاحبزادون کا نام اور لیاہے، طاہر، طیب، اس بناپر اولاد ذکور کی تعداد لڑکیون کے برابر ہوجاتی ہے،

اس بارہ مین تمام اقوال کے جمع کرنے سے ثابت ہوتاہی کہ آنحضرت صلعم کے بارہ اولاد تھی، جن مین آٹھ لڑکے اور چار لڑکیان تھین، لڑکیون کی تعداد مین کسی قسم کا اختلاف نہین، البتہ صاحبزادون کی تعداد مین سخت اختلاف ہی، مجموعی تعداد آٹھ تک پونہچتی ہے جن مین قاسم اور ابراہیم پر تمام راویون کا اتفاق ہی حضرت ابراہیم ماریہ قبطیہ سے اور بقیہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تھی،[1]

حضرت قاسم

آپ کی اولاد مین سب سے پہلے حضرت قاسم پیدا ہوئے (اور غالباً نبوت سے گیارہ بارہ برس پہلے پیدا ہوئے ہون گے) مجاہد کے نزدیک یہ صرف سات دن زندہ رہے، ابن سعد کی روایت سے معلوم ہوتاہی کہ دو سال تک زندہ رہے، ابن فارس نے لکھاہے کہ سن تمیز کو پہنچ گئے تھے،

آنحضرت صلعم کی اولاد مین جسطرح یہ سب سے پہلے پیدا ہوئے تھے، اُسی طرح سب سے پہلے انتقال بھی کیا، عام روایت یہ ہے کہ قبل بعثت وفات پائی،

(آنحضرت صلعم کی کنیت ابوالقاسم انھین کے انتساب سے ہے، آپ اس کنیت کو بہت پسند فرماتے تھے، صحابہ رض بھی جب آپ کا محبت سے نام لیتے، ابوالقاسم ہی کہتے، ایک دن آپ بازار سے گذر رہے تھے کہ پیچھے سے کسی نے یا ابا القاسم کہکر آواز دی، آپ نے مڑکر دیکھا تو اُس نے کہا یا رسول اللہ مین اسی نام کے ایک اور شخص کو پکار رہا ہون، رفع اشتباہ کے لیے پھر آپ نے منع فرمادیا کہ کوئی یہ کنیت رکھے،

---

[1] زرقانی صفحہ ۲۲۱۔

حضرت زینب

اہل سیر کا اتفاق ہے کہ لڑکیون مین سب سے بڑی تھین، زبیر بن بکار کا قول ہو کہ حضرت قاسم کے بعد پیدا ہوئین، لیکن ابن کلبی کے نزدیک آنحضرت صلعم کی سب سے پہلی اولاد حضرت زینب ہی ہین، بعثت سے دس برس پہلے جب آنحضرت صلعم کی عمر ۳۰ سال کی تھی پیدا ہوئین،

آنحضرت صلعم نے جب مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو اہل وعیال مکہ مین رہ گئے تھے، حضرت زینب کی شادی ان کے خالہ زاد بھائی ابو العاص بن ربیع لقیط سے ہوئی، غزوہ بدر مین ابو العاص گرفتار ہوگئے، جب یہ رہا کئے گئے تو ان سے وعدہ لیا گیا کہ مکہ جاکر حضرت زینب کو بھیجدین گے، ابو العاص نے مکہ جاکر اپنے بھائی کنانہ کے ساتھ ان کو مدینہ کی طرف روانہ کیا، چونکہ کفار کے تعرض کا خوف تھا کنانہ نے ہتیار ساتھ لے لیے تھے، مقام ذی طوی مین پہنچے تو قریش کے چند آدمیون نے تعاقب کیا، ہبار بن اسود نے حضرت زینب کو نیزے سے زمین پر گرادیا، وہ حاملہ تھین حمل ساقط ہوگیا، کنانہ نے ترکش سے تیر نکالے اور کہا کہ "اب اگر کوئی قریب آیا تو ان تیرون کا نشانہ ہوگا" لوگ ہٹ گئے تو ابو سفیان سرداران قریش کے ساتھ آیا، اور کہا "تیر روک لو ہمکو کچھ گفتگو کرنی ہے" انھون نے تیر ترکش مین ڈال دیے، ابو سفیان نے کہا "محمد کے ہاتھ سے جو مصیبتین پہنچی ہین تمکو معلوم ہین، اب اگر تم علانیہ انکی لڑکی کو ہمارے قبضہ سے نکال کرلے گئے تو لوگ کہین گے کہ ہماری کمزوری ہی، ہم کو زینب کے روکنے کی ضرورت نہین، جب شور وہنگامہ کم ہوجائے، اُسوقت چپکے چوری لے جانا" کنانہ نے یہ رائے تسلیم کی اور چند روز کے بعد ان کو رات کے وقت لیکر روانہ ہوئے، زید بن حارثہ کو آنحضرت صلعم نے پہلے سے بھیجدیا تھا، وہ بطن یاجج مین تھے، کنانہ نے زینب کو اُنکے حوالے کیا، وہ انکو لیکر روانہ ہوگئے،

حضرت زینب مدینہ مین آئین اور اپنے شوہر ابو العاص کو حالت شرک مین چھوڑا، ابو العاص دوبارہ ایک سریہ مین گرفتار ہوئے[1]، اُسوقت بھی حضرت زینب نے انکو پناہ دی، مکہ جاکر انھون نے لوگون کی امانتین حوالے کین، اور اسلام

---

[1] اصابہ مین ہو کہ ابو العاص قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ جمادی الاول ۶ سنہ مین روانہ ہوئے آنحضرت صلعم نے زید بن حارثہ کو ۰، اسوار ونکے ساتھ بھیجا، مقام عیص مین قافلہ ملا کچھ لوگ گرفتار کیے گئے اور مال واسباب لوٹ مین آیا۔ انہین مین ابو العاص بھی تھے، ابو العاص آئے تو حضرت زینب نے ان کو پناہ دی۔ اور ان کی سفارش سے آنحضرت نے انکا مال بھی واپس کرادیا۔

لائے۔ اسلام لانیکے بعد ہجرت کرکے مدینہ مین آئے، حضرت زینبؓ نے اُنکو حالتِ شرک مین چھوڑا تھا، اسلیے دونون مین باہم تفریق ہوگئی تھی وہ مدینہ آئے تو حضرت زینب دوبارہ اُنکے نکاح مین آئین۔ ترمذی وغیرہ مین حضرت ابن عباس سے روایت ہی کہ کوئی جدید نکاح نہین ہوا۔ لیکن دوسری روایت مین جدید نکاح کی تصریح ہی، حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کو اگرچہ اسناد کے لحاظ سے دوسری روایت پر ترجیح ہی لیکن فقہا نے دوسری روایت پر عمل کیا ہی، اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت کی یہ تاویل کی ہی کہ نکاح جدید کے مہر اور شرائط وغیرہ مین کسی قسم کا تغیر نہ ہوا ہوگا، اسلیے حضرت عبداللہ بن عباس نے اسکو نکاح اوّل سے تعبیر کیا، ورنہ بعد تفریق نکاح ثانی ضروری ہے۔

ابوالعاص نے حضرت زینب کے ساتھ نہایت شریفانہ برتاؤ کیا، اور آنحضرت صلعم نے ان کے شریفانہ تعلقات کی تعریف کی، نکاح جدید کے بعد حضرت زینب بہت کم زندہ رہین، ۶ھ یا ۷ھ مین (باختلاف روایت) ابوالعاص اسلام لائے تھے اور اسی لیے ۸ھ مین حضرت زینب نے انتقال کیا، ام ایمن، حضرت سودہ بنت زمعہ، اور ام سلمہ نے غسل دیا، آنحضرت صلعم نے نماز جنازہ پڑھائی، ابوالعاص اور آنحضرت صلعم نے قبر مین اتارا،

حضرت زینبؓ نے دو اولاد چھوڑی امامۃ، اور علی، علی کی نسبت ایک روایت ہے کہ بچپن مین وفات پائی، لیکن عام روایت یہ ہے کہ سن رشد کو پہنچے، ابنِ عساکر نے لکھا ہے کہ یرموک کے معرکہ مین شہادت پائی،

امامہ سے آنحضرت صلعم کو نہایت محبت تھی، آپ ان کو اوقات نماز مین بھی جدا نہین کرتے تھے، صحاح مین ہی کہ آپ ان کو کاندھے پر رکھکر نماز پڑھتے تھے، جب رکوع مین جاتے تو دوش مبارک سے اتار دیتے، جب سجدہ سے سر اُٹھاتے تو پھر سوار کرا لیتے، آنحضرت صلعم کی خدمت مین ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزین ہدیے مین بھیجین، جن مین ایک زرین ہار بھی تھا، امامہ ایک گوشہ مین کھیل رہی تھین، آپ نے فرمایا، مین اسکو اپنی محبوب ترین اہل کو دونگا، ازواج نے سمجھا کہ یہ شرف حضرت عائشہ کو حاصل ہوگا، لیکن آپ نے امامہ کو بلاکر وہ ہار خود اُن کے گلے مین ڈال دیا، ابوالعاص نے حضرت زبیر بن عوام کو امامہ کے نکاح کی وصیت کی تھی، حضرت فاطمہ کا انتقال ہوا تو انہون نے حضرت علی سے انکا نکاح کر دیا، حضرت علی نے شہادت پائی تو مغیرہ کو وصیت کر گئے کہ امامہ سے نکاح کرلین، مغیرہ نے نکاح کیا اور اُن سے ایک بچہ پیدا ہوا جسکا نام یحییٰ تھا، لیکن بعض روایتون مین ہے کہ امامہ کے کوئی اولاد نہین ہوئی، امامۃ نے مغیرہ کے ہان وفات پائی،

حضرت رقیہ رض

جرجانی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم کی لڑکیون مین سب سے چھوٹی تھین، لیکن مشہور روایت یہ ہے کہ حضرت زینب رض کے بعد ۳۳ سنہ قبل نبوت مین پیدا ہوئین، پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے شادی ہوئی، ابن سعد نے لکھا ہو کہ یہ شادی قبل نبوت ہوئی تھی آنحضرت صلعم کی دوسری صاحبزادی ام کلثوم کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے لڑکے عتیبہ سے ہوئی تھی۔ جب آنحضرت صلعم کی بعثت ہوئی اور آپ نے دعوت اسلام کا اظہار کیا، ابولہب نے بیٹون کو جمع کر کے کہا "اگر تم محمدؐ کی بیٹیون سے علحدگی اختیار نہین کرتے تو تمہارے ساتھ میرا سونا بیٹھنا حرام ہے"، دونون فرزندون نے باپ کے حکم کی تعمیل کی، آنحضرت صلعم نے حضرت رقیہ کی شادی حضرت عثمان سے کر دی،

دولابی نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان کے ساتھ انکا نکاح زمانۂ جاہلیت مین ہوا، لیکن خود ایک روایت حضرت عثمان سے مروی ہے، جس مین زمانۂ اسلام کی تصریح ہے۔ نکاح کے بعد حضرت عثمان نے حبش کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہ بھی ساتھ گئین، مدت تک آنحضرت صلعم کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہوا۔ ایک عورت نے آکر خبر دی کہ "مین نے اُن دونون کو دیکھا ہے"، آنحضرت صلعم نے دعا دی، اور فرمایا کہ ابراہیم اور لوط کے بعد عثمان پہلے شخص ہین جھون نے بی بی کو لیکر ہجرت کی ہے۔

حبش مین حضرت رقیہ کے ایک بچہ پیدا ہوا، جسکا نام عبداللہ تھا، لیکن صرف ۶ سال زندہ رہا،

حضرت عثمان حبش سے مکہ کو واپس آئے اور وہان سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، حضرت رقیہ مدینہ مین آکر بیمار ہوئین یہ غزوۂ بدر کا زمانہ تھا، حضرت عثمان ان کی تیمارداری کی وجہ سے شریک جہاد نہو سکے۔ عین اُسی دن جس روز زید بن حارثہ نے مدینہ مین آکر فتح کا مژدہ سنایا، وفات پائی، غزوۂ بدر کی وجہ سے آنحضرت صلعم انکے جنازہ مین شریک نہو سکے۔

حضرت ام کلثوم رض

کُنیت ہی کے ساتھ مشہور ہین، ۳ھ مین جو غزوۂ بدر کا سال تھا جب حضرت رقیہ کا انتقال ہوا تو ربیع الاول مین حضرت عثمان نے حضرت ام کلثوم کے ساتھ نکاح کر لیا۔ بخاری مین ہو کہ جب حضرت حفصہ بیوہ ہوئین تو حضرت عمر نے حضرت عثمان کے ساتھ نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت عثمان نے تامل کیا لیکن دوسری روایتون مین ہے کہ جب آنحضرت کو یہ خبر معلوم

ہوئی تو آپ نے حضرت عمرؓ سے کہا "مین تمکو عثمانؓ سے بہتر شخص کا پتا دیتا ہون، اور عثمانؓ کے لیے تم سے بہتر شخص ڈھونڈھتا ہون تم اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کردو، اور مین اپنی لڑکی کی شادی عثمانؓ سے کردیتا ہون" بہرحال نکاح ہوا، اور نکاح کے بعد حضرت ام کلثوم ۶ برس تک حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہین، شعبان ۹ھ مین انتقال کیا، آنحضرتؐ نے نماز جنازہ پڑھائی، اور حضرت علیؓ، حضرت فضل بن عباس، حضرت اسامہ بن زید نے قبر مین اتارا،

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ

فاطمہ نام، زہراء لقب تھا، سن ولادت مین اختلاف ہی، ایک روایت ہے کہ ۱ھ بعثت مین پیدا ہوئین، ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ ابراہیم کے علاوہ آپ کی تمام اولاد قبل نبوت پیدا ہوئی، آنحضرت صلعم کی بعثت چالیس سال کی عمر مین ہوئی تھی، اس بنا پر بعضون نے دونون روایتون مین یہ تطبیق دی ہے کہ ۱ھ بعثت کے آغاز مین حضرت فاطمہ پیدا ہوئی ہون گی اور چونکہ دونون کی مدت مین بہت کم فاصلہ ہے، اس لیے یہ اختلاف روایت ہوگیا ہوگا، ابن جوزی نے لکھا ہے کہ بعثت سے پانچ برس پہلے جب خانۂ کعبہ کی تعمیر ہورہی تھی، پیدا ہوئین، بعض روایتون مین ہے کہ نبوت سے تقریباً ایک سال پیشتر پیدا ہوئین،

حضرت فاطمہ (اگر انکا سال ولادت ۱ھ بعثت صحیح تسلیم کرلیا جائے) جب پندرہ سال ساڑھے پانچ مہینے کی ہوئین تو ۲ھ مین آنحضرت صلعم نے حضرت علیؓ کے ساتھ نکاح کردیا، اسوقت حضرت علیؓ کا سن ۲۱ برس پانچ مہینے کا تھا[1]، حضرت فاطمہ سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ اور اُن کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی، لیکن آنحضرت صلعم نے کچھ جواب نہین دیا، جب حضرت علیؓ نے خواہش کی تو آپ نے فرمایا تمہارے پاس مہر ادا کرنے کو کچھ ہے؟ بولے، ایک گھوڑا اور زرہ کے سوا کچھ نہین، آپ نے فرمایا گھوڑا تو لڑائی کے لیے ضروری ہے، زرہ کو فروخت کرڈالو، حضرت عثمانؓ نے ۴۸۰ درہم پر خریدی، اور حضرت علیؓ نے قیمت لاکر آنحضرت صلعم کے سامنے ڈال دی، آنحضرت صلعم نے بلال کو حکم دیا کہ بازار سے

[1] حضرت علیؓ کے متعلق ایک روایت ہے کہ آٹھ برس کی عمر مین اسلام لائے، سن کی یہ تعیین اسی روایت کی بنا پر ہے، لیکن قول راجح یہ ہے کہ وہ دس سال کی عمر مین مشرف باسلام ہوے اس روایت کے روسے اسوقت ان کا سن ۲۴ سال ڈیڑھ مہینہ کا تھا۔

خوشبو لائین، عقد ہوا اور آنحضرت صلعم نے جہیز مین ایک پلنگ اور ایک بستر دیا، اصابہ مین لکھا ہی کہ آپ نے ایک چادر دو چکیان، اور ایک مشک بھی دی، اور یہ عجب اتفاق ہے کہ یہی دو چیزین عمر بھر انکی رفیق رہین۔

نکاح کے بعد رسم عروسی کا وقت آیا تو آنحضرت صلعم نے حضرت علی سے کہا کہ ایک مکان لے لین، چنانچہ حارثہ بن النعمان کا مکان ملا اور حضرت علی نے حضرت فاطمہ کے ساتھ اس مین قیام کیا،

آنحضرت صلعم ہمیشہ حضرت علی اور حضرت فاطمہ کے تعلقات مین خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے تھے، چنانچہ جب حضرت علی اور حضرت فاطمہ مین کبھی کبھی خانگی معاملات کے متعلق رنجش ہو جاتی تھی، تو آنحضرت دونون مین صلح کرا دیتے تھے ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا، آپ گھر مین تشریف لے گئے اور صفائی کرا دی، گھر سے مسرور نکلے، لوگون نے پوچھا آپ گھر مین گئے تھے تو اور حالت تھی، اب آپ اس قدر خوش کیون ہین، فرمایا مین نے ان دو شخصون مین مصالحت کرائی ہے، جو مجھکو محبوب ترہین،

ایک مرتبہ حضرت علی نے ان پر کچھ سختی کی، وہ آنحضرت صلعم کے پاس شکایت لیکر چلین، پیچھے پیچھے، حضرت علی بھی آئے حضرت فاطمہ نے شکایت کی، آپ نے فرمایا "بیٹی تمکو خود سمجھنا چاہئے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے" حضرت علی پر اس کا یہ اثر ہوا کہ انھون نے حضرت فاطمہ سے کہا "اب مین تمھارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کرون گا"،

(ایک دفعہ حضرت علی نے ایک دوسرا نکاح کرنا چاہا، آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو سخت برہم ہوئے، آپ نے مسجد مین خطبہ دیا اور اس مین اپنی ناراضی ظاہر کی، فرمایا "میری لڑکی میرا جگر گوشہ ہے، جس سے اُسکو دکھ پہنچیگا، مجھے بھی اذیت ہوگی، چنانچہ حضرت علی اس ارادہ سے باز آ گئے، اور حضرت فاطمہ کی زندگی تک پھر کبھی دوسرا نکاح نکیا[۱])

حضرت فاطمہ کے پانچ اولادین ہوئین، حسن، حسین، محسن، ام کلثوم، زینب، محسن نے بچپن ہی مین انتقال کیا، حضرت زینب امام حسن، امام حسین علیہ السلام اور ام کلثوم اہم واقعات کے لحاظ سے تاریخ اسلام مین مشہور ہین،

حضرت فاطمہ نے رمضان سنہ ۱۱ھ مین آنحضرت صلعم کے انتقال کے ۶ ماہ[۲] بعد وفات پائی، اسوقت ان کا سن ۲۹

[۱] صحیح بخاری ذکر اصہار النبی صلعم [۲] اسمین بھی اختلاف ہی بعضون نے لکھا ہی کہ آنحضرت صلعم کے بعد صرف تین دن زندہ رہین بعضون نے چار مہینہ بتایا ہی بعضونکے نزدیک دو مہینہ کے بعد انتقال ہوا کسی نے ایک مہینہ کسی نے ۳ مہینہ بعد اور بعضون نے ۳ مہینہ ۵ دن بعد لکھا ہی لیکن صحاح مین حضرت عائشہ کے ذریعہ سے ۶ مہینے والی روایت مذکور ہے۔

سال کا تھا، سن کی تعین مین سخت اختلاف ہی، بعضون نے ۴۲ سال، بعضون نے ۲۵ سال، اور بعضون نے ۳۰ سال بتایا ہی لیکن زرقانی نے لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، اگر ۱ھ کو سال ولادت قرار دیا جائے، تو اس وقت انکا یہ سن نہین ہوسکتا تھا، البتہ اگر ۴۲ سال کی عمر تسلیم کیجائے تو اس سن کو سال ولادت قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن اگر یہ روایت صحیح مان لی جائے کہ وہ پانچ برس قبل نبوت مین پیدا ہوئین تو اس وقت انکا سن ۲۹ سال کا ہوسکتا ہے،

حضرت ابراہیم

آنحضرت صلعم کی سب سے آخری اولاد ہین، ذیحجہ ۸ھ مین بمقام عالیہ جہان حضرت ماریہ قبطیہ رہتی تھین پیدا ہوئے، اس بنا پر لوگ عالیہ کو مشربہ ابراہیم بھی کہنے لگے تھے، ابو رافع کی بی بی سلمیٰ نے جو آنحضرت صلعم یا آپ کی پھوپھی صفیہ کی لونڈی تھین، دایہ گری کی خدمت انجام دی، ابو رافع نے جب آنحضرت صلعم کو انکی ولادت کا مژدہ سنایا تو آپ نے اس کے صلے مین ایک غلام عطا فرمایا، ساتوین دن عقیقہ ہوا، آپ نے بال کے برابر چاندی خیرات کی، اور حضرت ابراہیم کے نام پر نام رکھا، دودھ پلانے کے لیے تمام انصار نے خواہش کی، لیکن آپ نے انکو ام بردہ خولہ بنت منذر بن زید الانصاری کے حوالہ کیا اور اُس کے معاوضے مین کھجور کے چند درخت دیے، بخاری مین حضرت انس سے روایت ہے کہ آپ نے یہ خدمت ام سیف کے متعلق کی، قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ ام سیف اور ام بردہ ایک ہی ہین، یہ تاویل کچھ مستبعد نہین، لیکن ان کے شوہر کا نام براء بن اوس بتایا جاتا ہے، اور وہ ابو سیف کی کنیت کے ساتھ مشہور نہین،

ام سیف حوالی مدینہ مین رہتی تھین، آنحضرت صلعم فرطِ محبت سے وہان جاتے، حضرت ابراہیم کو گود مین لیتے، اور چومتے ام سیف کے شوہر لوہار تھے، اس لیے گھر دھوئین سے بھرا رہتا تھا، لیکن آنحضرت صلعم باوجود نظافت طبع گوارا فرماتے،

ابراہیم نے ام سیف ہی کے یہان انتقال کیا، آنحضرت صلعم کو خبر ہوئی، تو عبدالرحمٰن بن عوف کے ساتھ تشریف لائے نزع کی حالت تھی، گود مین اُٹھالیا، آنکھون سے آنسو جاری ہوگئے، عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا، یا رسول اللہ! آپ کی یہ حالت ہے. آپ نے فرمایا یہ رحمت ہے.

عرب کا خیال تھا کہ جب کوئی بڑا شخص مرجاتا ہے تو چاند مین گہن لگجاتا ہے، اتفاق سے جس روز حضرت ابراہیم نے

وفات پائی، سورج مین گہن لگ گیا تھا، عام طور پر مشہور ہو گیا کہ یہ ان کی موت کا اثر ہے، آنحضرت صلعم کو معلوم ہوا تو فرمایا" چاند اور سورج خدا کی نشانیان ہین، کسی کی موت سے ان مین گہن نہین لگتا "

چھوٹی سی چارپائی پر جنازہ اُٹھایا گیا، آنحضرت صلعم نے خود نماز جنازہ پڑھائی، عثمان بن مظعون کی قبر کے متصل دفن ہوئے، قبر مین فضل بن عباس اور اُسامہ نے اُتارا، آنحضرت صلعم قبر کے کنارے کھڑے تھے، قبر پر پانی چھڑکا گیا، اور اس پر ایک امتیازی علامت قائم کی گئی،

ابو داؤد اور بیہقی کی روایت کے موافق دو مہینہ دس دن کی عمر پائی، ذیحجہ ۸ھ مین پیدا ہوے تھے، اس روایت کی بنا پر ۹ھ مین انتقال ہوا، واقدی کے نزدیک ماہ ربیع الاول ۱۰ھ مین وفات کی، اس لحاظ سے تقریباً پندرہ مہینے زندہ رہے، بعض روایتون مین ہے کہ سولہ مہینے آٹھ دن کی عمر پائی، بعض لوگون نے مدت حیات ایک برس، دس ماہ، ۶ دن لکھی ہے، لیکن صحاح مین حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ابراہیم ۱۷ یا ۱۸ مہینے تک زندہ رہے،

ازواج مطہرات کے ساتھ معاشرت

ازواج مطہرات کی تعداد ۹ تک پہنچی تھی، ان مین عام اصول فطرت کے موافق ہر مزاج اور ہر طبیعت کی عورتین تھین باہم رشک اور منافست بھی تھی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) چونکہ ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کرتے تھے، ان کی خورش و پوشش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہین ہو سکتا تھا، اس لیے ان کو شکایت کا موقع ملتا تھا، ان تمام حالات کے ساتھ بھی آپ کی جبین خلق پر کبھی شکن نہین پڑتی تھی،

حضرت خدیجہ کے ساتھ آپ کو بے انتہا محبت تھی، جب وہ عقد نکاح مین آئین تو آنحضرت صلعم کا ریعانِ شباب اور ان کا بڑھاپا تھا، تاہم آپ نے اُن کی وفات تک کوئی شادی نہین کی، وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا ذکر آجاتا، تو آپ جوشِ محبت سے بے تاب ہو جاتے تھے، (تفصیل اوپر گزر چکی ہے)

حضرت خدیجہ کے بعد حضرت عائشہ ازواج مطہرات مین سب سے محبوب تر تھین، لیکن محبت کے اسباب وہ نہ تھے جو عام انسانون مین پائے جاتے ہین، حسن صورت مین حضرت صفیہ ان سے بڑھ کر تھین، اور دوشیزہ بھی تھین دیگر ظاہری محاسن مین بھی دیگر ازواج اُن سے کم نہ تھین، لیکن حضرت عائشہ کی قابلیت، ذہانت۔ قوت اجتہاد۔ دِقّتِ نظر، وسعتِ معلومات، ایسے اوصاف تھے جو ان کی ترجیح کا اصلی سبب تھے،

ایک دفعہ چند ازواج مطہرات نے حضرت فاطمۂ زہرا کو سفیر بنا کر آنحضرت صلعم کی خدمت مین بھیجا، جناب سیدہ خدمت اقدس مین حاضر ہوئین، دستور کے موافق پہلے اِذن طلب کیا، اجازت ملی تو سامنے آئین، اور عرض کی کہ ازواج مطہرات نے مجھکو وکیل بنا کر بھیجا ہے کہ آپ ابو بکر کی بیٹی کو ہم پر کیون ترجیح دیتے ہین" آن حضرت صلعم نے ارشاد فرمایا جان پدر! کیا تم اس کو نہین چاہتین جسکو مین چاہتا ہون" جناب سیدہ کے لیے اتنا کافی تھا، واپس جا کر ازواج مطہرات سے کہا، مین اس معاملہ مین دخل نہ دون گی،

اب اس خدمت (سفارت) کے لیے حضرت زینب انتخاب کی گئین، کیونکہ ازواج مین سے حضرت زینب کو

خصوصیت کے ساتھ حضرت عائشہ کی ہمسری کا دعویٰ تھا، اس لیے وہی اس خدمت کے لیے زیادہ موزون تھین، انھون نے یہ پیغام بڑی دلیری سے ادا کیا، اور بڑے زور کے ساتھ یہ ثابت کرنا چاہا کہ حضرت عائشہ اس رتبہ کی مستحق نہین ہین۔ حضرت عائشہ چپ سن رہی تھین، اور رسول اللہ صلعم کے چہرہ کی طرف دیکھتی جاتی تھین، حضرت زینب جب تقریر کر چکین، تو مرضی پاکر کھڑی ہوئین اور اس زور و شور کے ساتھ تقریر کی کہ حضرت زینب لاجواب ہوکر رہ گئین، آنحضرت صلعم نے فرمایا کیون نہ ہو ابوبکر کی بیٹی ہے[1]"

آن حضرت صلعم کا ارشاد ہے کہ شادی کرنے کے لیے عورت کا انتخاب چار اوصاف کی بنا پر ہو سکتا ہے، مال، نسب حسن، دینداری، سو تم دیندار عورت[2] تلاش کرو، آنحضرت صلعم کو ہر کام مین سب سے مقدم جو چیز پیش نظر ہوتی تھی وہ دین ہوتا تھا، اس لیے ازواج مین بھی وہی زیادہ منظور نظر ہوتی تھین جن سے دین کی خدمت زیادہ ادا ہو سکتی تھی، ازواج مطہرات کو باریابی کا زیادہ موقع ملتا تھا، وہ خلوت و جلوت کی شریک صحبت تھین اس لیے مذہبی احکام و مسائل کے علم و اطلاع کا بھی ان کو سب سے زیادہ موقع ملسکتا تھا، لیکن ساتھ ہی اس کی ضرورت تھی کہ مسائل کے سمجھنے، اور نکاتِ شریعت کی تہ تک پہنچنے کی بھی قابلیت ہو جس مین یہ قابلیت جسقدر زیادہ ہوتی اسیقدر زیادہ تمتع اُٹھا سکتا تھا، حضرت عائشہ مجتہدانہ دل و دماغ رکھتی تھین، اس لیے قرب صحبت سے اس قدر فائدہ اُٹھا سکین کہ بڑے بڑے نازک اور دقیق مسائل مین وہ اکابر صحابہ سے مخالفت کرتی تھین اور انصاف بالاے طاعت است اکثر مسئلون مین اُن کی فہم و دقتِ نظر کا پلہ بھاری نظر آتا ہے، چنانچہ اس کی کسیقدر تفصیل حضرت عائشہ کے حالات مین گزر چکی ہے۔

معمول تھا کہ ہر روز آپ تمام ازواج مطہرات کے گھرون مین (جو پاس پاس تھے) تشریف لیجاتے، ایک ایک کے پاس تھوڑی تھوڑی دیر ٹھہرتے، جب اُن کا گھر آجاتا جنکی باری ہوتی تو شب کو وہین قیام فرماتے۔ یہ ابوداؤد کی روایت ہے، زُرقانی مین حضرت ام سلمہ کے حال مین لکھا ہے کہ عصر کا وقت ہوتا تھا اور ابتدا حضرت ام سلمہ سے

---

[1] یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ بخاری اور دیگر احادیث کی کتابون مین ہے۔ الفاظ روایت سے بظاہر متبادر ہوتا ہے کہ دونون فریق نے صرف نکتہ چینی اور ایک دوسرے کی کسرِ شان کی تھی، جیسا کہ عام طور پر سوکنین باہم خانگی جھگڑے مین کرتی ہین۔ لیکن یہ کم نظری ہے۔ حضرت عائشہ نے اپنی ترجیح کی وہ مُسکت دلیلین بیان کی ہون گی جسکا جواب سکوت کے سوا اور کچھ نہ ہو سکتا ہو گا۔ [2] کتاب النکاح بخاری شریف۔

ہوتی تھی، بعض روایتون مین ہے کہ جن کی باری ہوتی تھی اُنہی کے گھر پر تمام ازواج مطہرات آجاتی تھین اور دیر تک صحبت رہتی تھی، کچھ رات گئے سب رخصت ہوجاتی تھین، اس سے ظاہر ہوگا کہ گو ازواج مین کبھی کبھی منافست کا اظہار ہوتا تھا، لیکن دل صاف تھے، اور باہم ملکر لطف صحبت اُٹھاتی تھین، آنحضرت صلعم کے شرف صحبت نے جس طرح اِن آئینون کو جلا دی تھی اس کا اندازہ **افک** کے واقعہ سے ہوسکتا ہے جسمین جناب عائشہ کو منافقین نے متہم کیا تھا، اس سے بڑھکر حریفون کے لیے انتقام کا کیا موقع ملسکتا تھا، لیکن باوجود اس کے کہ غیر متعلق لوگ تہمت لگانے مین آلودہ ہوگئے، تاہم ازواج مطہرات کا دامن صاف رہا، حضرت عائشہ کی بڑی حریف حضرت زینب تھین، لیکن جب رسول اللہ صلعم نے ان سے استفسار فرمایا تو انہون نے کانون پر ہات رکھا کہ حاشا یہ محض تہمت ہے، حضرت عائشہ جب واقعۂ افک کا ذکر کرتی تھین تو ہمیشہ حضرت زینب کی پاک باطنی کی شکرگزاری ظاہر کرتی تھین، چنانچہ بخاری کی متعدد روایتون مین تفصیلاً مذکور ہے۔

آنحضرت صلعم جس طرح ازواج مطہرات کی خاطرداری فرماتے اور ان کی نازک مزاجیان برداشت کرتے تھے، اس کا اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا،

ایک دفعہ ازواج مطہرات سفر مین ساتھ تھین، ساربان، اونٹ کو تیز ہانکنے لگے، آپ نے فرمایا" دیکھنا! یہ آبگینے (شیشے) ہین۔

حضرت صفیہ کھانا نہایت عمدہ پکاتی تھین، ایک دن انہون نے کھانا پکاکر آنحضرت صلعم کے پاس بھیجا، آپ اسوقت حضرت عائشہ کے گھر مین تشریف رکھتے تھے، حضرت عائشہ نے خادم کے ہات سے پیالہ چھین کر زمین پر دے مارا، آنحضرت صلعم نے پیالے کے ٹکڑے چُن چُن کر یکجا کئے، اور ان کو جوڑا، پھر دوسرا پیالہ منگواکر واپس کیا،

ایک دفعہ حضرت عائشہ آنحضرت صلعم سے برہم ہوکر بلند آواز سے باتین کررہی تھین۔ اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آگئے اُنھون نے حضرت عائشہ کو پکڑکر تھپڑ مارنا چاہا کہ تو رسول اللہ سے چلاکر بولتی ہے، آنحضرت صلعم بیچ مین آگئے، اور حضرت عائشہ کے آڑے

---

[1] بخاری مین یہ روایت کتاب النکاح کے ذیل مین ہے لیکن ازواج کے نام نہین۔ نسائی مین نام کی تصریح ہے۔ لیکن روایت مین کسی قدر اختلاف ہے۔

آگئے، حضرت ابوبکر غصہ مین بھرے ہوئے باہر چلے گئے، آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ سے کہا کیون! مین نے کس طرح تمکو بچالیا۔ چند روز کے بعد حضرت ابوبکر آنحضرت صلعم کی خدمت مین آئے تو وہ حالت بدل چکی تھی۔ بولے مجکو بھی صلح مین شریک کیجیے، جیسا کہ اُس موقع پر مین نے جنگ مین شرکت کی تھی، آپ نے فرمایا ہان اور ہان[1]۔

ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ "تو مجھ سے جب ناراض ہوتی ہے تو مین سمجھ جاتا ہون"۔ بولین کیونکر؟ ارشاد ہوا کہ جب تو خوش رہتی ہے (اور کسی بات پر قسم کھانی ہوتی ہے) تو یون قسم کھاتی ہے۔ "محمدؐ کے خدا کی قسم" اور جب ناراض ہوجاتی ہے تو کہتی ہے "ابراہیم کے خدا کی قسم" حضرت عائشہ نے کہا "ہان یارسول اللہ مین صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہون[2]"

حضرت عائشہ شادی کے وقت بہت کمسن تھین اور لڑکیون کے ساتھ کھیلا کرتی تھین۔ آنحضرت صلعم اتفاقاً آجاتے تو لڑکیان بھاگ جاتین، آپ اُن کو بُلا کر حضرت عائشہ کے پاس بھیجدیا کرتے[3]،

حبشی ایک چھوٹا سا نیزہ رکھتے ہین جسکو حراب کہتے ہین۔ اور جس طرح ہمارے ملک مین پٹہ ہلاتے ہین حبشی اس سے کھیلتے ہین، ایک دفعہ عید کے دن حبشی یہ تماشا دکھا رہے تھے، حضرت عائشہ نے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی، آنحضرت صلعم آگے کھڑے ہوگئے۔ حضرت عائشہ دوشِ مبارک پر رخسارے رکھکر تماشا دیکھنے لگین اور دیر تک دیکھتی رہین یہانتک کہ آپ نے فرمایا کیون ابھی تک تم سیر نہین ہوئین، بولین نہین۔ آپ چپ ہو رہے یہان تک کہ خود تھک کر ہٹ گیئن۔

ایک دفعہ حضرت عائشہ گڑیون سے کھیل رہی تھین، آنحضرت صلعم باہر سے تشریف لائے، گڑیون مین ایک گھوڑا بھی تھا، جس کے پر بھی تھے، آپ نے فرمایا یہ کیا ہے، بولین کہ حضرت سلیمانؑ کے گھوڑون کے بھی پر تھے، آپ نے تبسم فرمایا[4]۔ عوام مین مشہور ہے کہ پہلے گھوڑون کے پر ہوتے تھے، حضرت سلیمان نے اِس بنا پر کہ گھوڑون کی سیر مین اُن کی نماز قضا ہوگئی تھی پر کٹوا دیئے، اُس وقت سے پر جاتے رہے۔ لیکن نشان اب بھی باقی ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تھا،

[1] ابوداؤد کتاب الادب، باب ماجاء فی المزاح۔ [2] صحیح مسلم [3] صحیح مسلم [4] ابوداؤد کتاب الادب۔

ایک دفعہ آپ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ آؤ تیز قدمی مین مقابلہ کرین۔ حضرت عائشہ اُسوقت تک دُبلی پتلی تھین، آگے نکل گئین، جب سِن زیادہ ہوا اور پُر اندام ہوگئین تو پھر مسابقت کی نوبت آئی، اب کی وہ پیچھے رہ گئین، آپ نے فرمایا یہ اُس دن کا جواب ہے۔

ازدواج مطہرات اور اہل وعیال کی سادہ زندگی

(انسان بذات خود فاقہ کشی کرسکتا ہے، سخت سے سخت تکلیفین اُٹھا سکتا ہے، زخارف دنیوی کو کلیۃً چھوڑ سکتا ہے لیکن وہ اپنے اعزہ واقربا، یا مخصوص عزیز ترین اولاد کو اس قسم کی سادہ اور متقشفانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور نہین کرسکتا، یہی وجہ ہے کہ دنیا مین جن لوگون نے راہبانہ زندگی بسر کی ہے، اُنھون نے اپنے آپ کو ہمیشہ اہل وعیال کے جھگڑون سے الگ رکھا ہے، دنیا کی مذہبی تاریخ مین صرف آنحضرت صلعم کی زندگی اس کلیہ کی ایک مستثنیٰ مثال ہے، آپ کے نو بیبیان تھین جن مین بعض ناز ونعمت مین پلی تھین۔ اور اکثر معزز گھرانون سے تعلق رکھتی تھین، اس لیے ان کا قدرتی میلان غذاہائے لطیف ولباس ہائے فاخرہ کی طرف ہوسکتا تھا، متعدد صغیر السن بچے تھے جنکو کھانے پہننے کی ہر خوشگوار اور خوشنما چیز اپنی طرف مائل کرسکتی تھی، آنحضرت صلعم کو جیسا کہ اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا ہوگا اعزہ اولاد اور ازواج مطہرات کے ساتھ سخت محبت تھی، آپ نے رہبانیت کا بھی قلع قمع کردیا تھا، اور فتوحات کی کثرت مدینہ مین مال وزر کے خزانے لٹا رہی تھی، لیکن بااین ہمہ آنحضرت صلعم نے اپنی ذات کی طرح انکو بھی زخارف دنیوی [illegible] بنایا، بلکہ ہر موقع پر روک ٹوک [illegible] اس بنا پر آپ کے تمام خاندان کی زندگی آپ کے اُسوۂ حسنہ کا اعلیٰ ترین مظہر بنگئی۔

حضرت فاطمہ آپ کی محبوب ترین اولاد تھین لیکن اُنھون نے آپ کی محبت سے کوئی دنیوی فائدہ نہین اُٹھایا، ان کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ اس قدر چکی پیستی تھین کہ ہاتھون مین چھالے پڑ پڑ گئے تھے، بار بار مشک مین پانی بھر بھر کر لانے سے سینے پر گھٹے پڑ گئے تھے، گھر مین جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہوجاتے تھے، چولھے کے پاس بیٹھتے بیٹھتے کپڑے دھوین سے سیاہ ہوجاتے تھے، لیکن بااین ہمہ جب اُنھون نے آنحضرت صلعم سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لونڈی مانگی اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ نے صاف انکار کردیا کہ یہ فقراء ویتامیٰ کا حق ہے۔

ایک دفعہ آپ حضرت **فاطمہ**ؓ کے پاس آئے، دیکھا کہ اُنھون نے ناداری سے اس قدر چھوٹا دوپٹہ اوڑھا ہے کہ سر

ڈھانکتی ہین تو پانون کھلجاتے ہین، اور پانون چھپاتی ہین تو سر برہنہ رہ جاتا ہے[1]۔

صرف یہی نہین کہ خود عام طریقۂ اظہار محبت کے خلاف انکو آرایش یا زیب و زینت کی کوئی چیز نہین دیتے تھے بلکہ اس قسم کی جو چیزین اُنکو دوسرے ذرائع سے ملتی تھین اُنکو بھی ناپسند فرماتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ حضرت علی نے ان کو سونے کا ایک ہار دیا، آپ کو معلوم ہوا تو فرمایا، کیون فاطمہ! کیا لوگون سے کہلوانا چاہتی ہو کہ رسول اللہ کی لڑکی آگ کا ہار پہنتی ہے۔ چنانچہ حضرت فاطمہ نے اُس کو فوراً بیچکر اُسکی قیمت سے ایک غلام خرید لیا[2]۔

ایک دفعہ آپ کسی غزوہ سے تشریف لائے۔ حضرت فاطمہ نے بطور خیر مقدم کے گھر کے دروازون پر پردہ لگایا، اور امام حسن اور امام حسین علیہما السلام کو چاندی کے کنگن پہنائے، آپ حسب معمول حضرت فاطمہ کے یہان آئے تو اس دنیوی سازوسامان کو دیکھکر واپس گئے، حضرت فاطمہ کو آپ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا تو پردہ چاک کر دیا اور بچون کے ہاتھ سے کنگن نکالڈالے، بچے آپ کی خدمت مین روتے ہوئے آئے، آپ نے فرمایا یہ میرے اہلبیت ہین، مین یہ نہین چاہتا کہ وہ اِن زخارف دنیا سے آلودہ ہون، اس کے بدلے فاطمہ کے لیے ایک عصیب کا ہار اور ہاتھی دانت کے دو کنگن خرید لادو[3]،

ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کو جو محبت تھی اس کا اظہار کبھی دنیا دارانہ طریقہ سے نہین ہوتا تھا، چنانچہ ازواج مطہرات نے [illegible] صلعم آگے [illegible] کھانے اور اچھے لباس کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے اُن سے ایلاء کر لیا۔

تمام ازواج مین آپ کو حضرت عائشہ سب سے زیادہ محبوب تھین۔ لیکن یہ محبت رنگین کپڑون [illegible] سے زیورون کی صورت مین کبھی نہین ظاہر ہوئی، تمام بی بیون کا [illegible] لباس [illegible] حضرت عائشہ کا بھی تھا، چنانچہ وہ خود فرماتی ہین۔

ماکانت لاحدانا الاثوب واحد بخاری جزو اصفحہ ۴

ہم تمام بی بیون کے پاس صرف ایک ایک جوڑا کپڑا تھا۔

اگر کبھی اُس کے خلاف اُن کے بدن پر دنیوی آرائش کے سروسامان نظر آتے، تو آنحضرت صلعم انکو منع فرماتے، ایک مرتبہ اُنھون نے سونے کے کنگن پہنے (مسکۃ) آپ نے فرمایا اگر درس کے کنگن زعفران سے رنگ کر پہنین تو بہتر ہوتا،

(تمام اہل و عیال و خانوادۂ نبوت کو ممانعت تھی کہ وہ پُرتکلف وریشمی لباس اور سونے کے زیور استعمال کرین، آپ اُن سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم کو اس کی تمنا ہے کہ یہ چیزین تمکو جنت مین ملین تو دنیا مین ان کے پہننے سے پرہیز کرو[4]،)

انتظام خانگی اگرچہ ازواجِ مطہرات کی تعداد ایک زمانہ مین ۹ تک پہنچ گئی تھی اور اس وجہ سے خانہ داری کے بہت سے بکھیڑے تھے، تاہم آپ کو خود بہ نفسِ نفیس، اُن چیزون سے سروکار نہ تھا، اپنی ذات کی نسبت تو التزام تھا کہ جو کچھ آتا، دن کے دن صرف ہوجاتا، یہان تک کہ اگر دے دلا کر کچھ باقی رہجاتا تو آپ اُسوقت تک گھر مین نہ جاتے، جب تک وہ بھی کارِ خیر مین صرف نہ ہوجاتا، لیکن ازواجِ مطہرات، اور مہمانون کے کھانے پینے، رہنے سہنے کا انتظام حضرت بلالؓ کے متعلق تھا، ابوداؤد مین عبداللہ ہوزنی سے روایت ہے کہ مین نے حضرت بلال سے پوچھا کہ رسول اللہ صلعم کے خانگی انتظام کا کیا حال تھا؟ انھون نے کہا آنحضرت صلعم کا تمام کاروبار میرے سپرد تھا، اور آغاز سے اخیر زمانہ وفات تک میرے ہات مین رہا، معمول تھا کہ جب کوئی نادار مسلمان آپ کی خدمت مین حاضر ہوتا، تو مجکو ارشاد ہوتا، مین جا کر کہین سے قرض لاتا، اور اُس کے کھانے کپڑے کا انتظام کردیتا[1]۔

اہل وعیال کے مصارف کا انتظام ازواجِ مطہرات کے لیے یہ انتظام تھا کہ بنونضیر کے نخلستانین سے انکا حصہ مقرر کردیا گیا تھا، وہ فروخت کردیا جاتا جو سال بھر کے مصارف کے لیے کافی ہوتا[2]، خیبر فتح ہوا تو تمام ازواج کے لیے فی کس ۸۰ وسق کھجور اور ۲۰ وسق جو سالانہ مقرر ہوگیا، وسق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بعض ازواج نے جن مین حضرت عائشہ بھی تھین، پیداوار کے بدلے زمین[3] [illegible]۔

تمت بحمد اللہ [illegible]

علی [illegible]

کتبہ اشتیاق [illegible] ہروی تلمیذ حضرت اعجاز رقم لکھنوی

---

[1] جلد دوم باب فی الامام یقبل ہدایا المشرکین، [2] بخاری صفحہ ۸۰۶، [3] بخاری کتاب المزارعۃ جلد اول صفحہ ۳۱۳